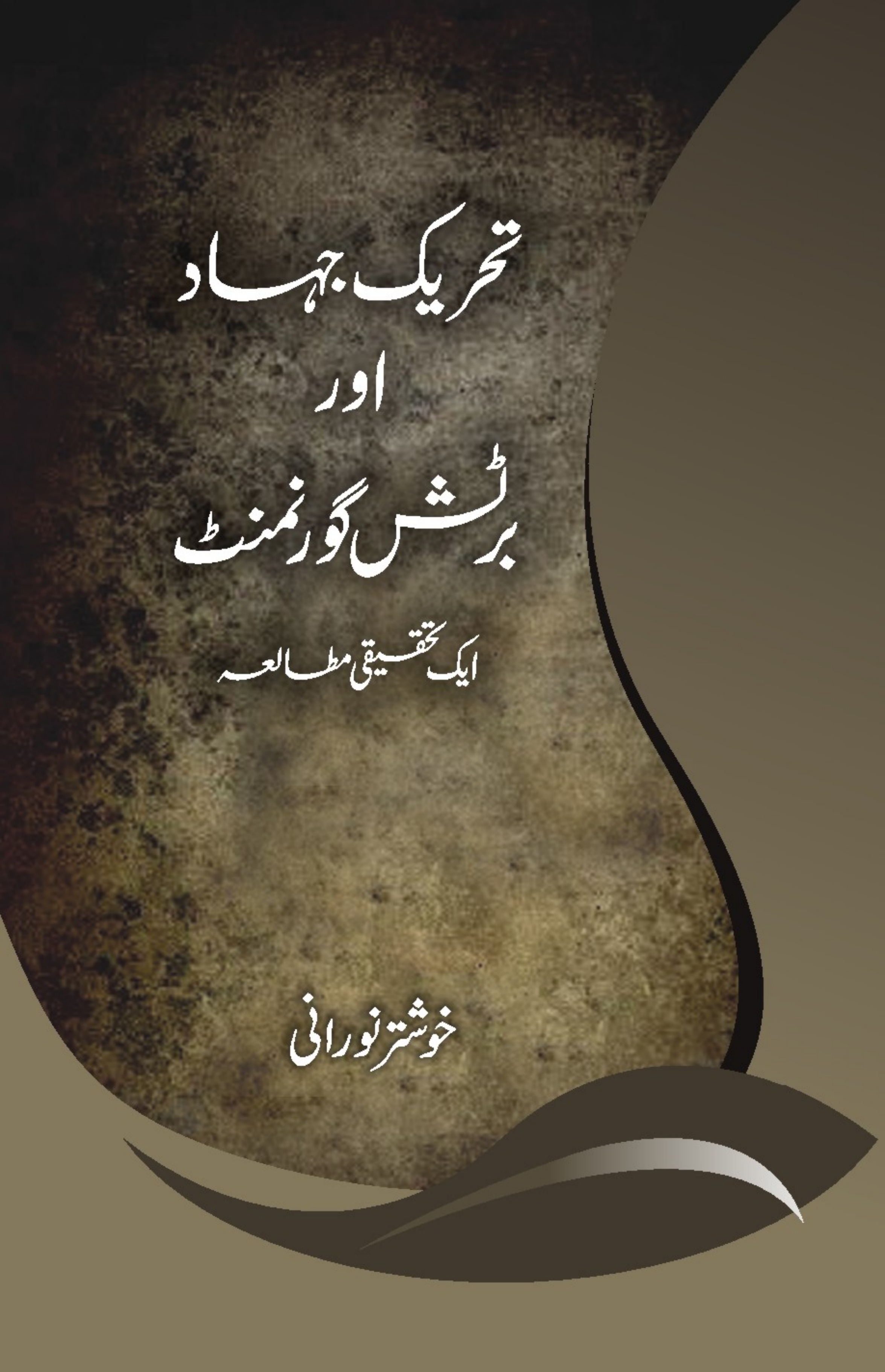

تحریک جہاد
اور
برٹش گورنمنٹ

ایک تحقیقی مطالعہ

خوشتر نورانی

تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ

ایک تحقیقی مطالعہ

خوشتر نورانی

ادارۂ فکر اسلامی، دہلی

©ادارۂ فکر اسلامی، دہلی

کتاب: تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ایک تحقیقی مطالعہ
تصنیف: خوشتر نورانی
صفحات: 256
تعداد: 1100
پہلی اشاعت: 2014ء
سلسلۂ مطبوعات: 12
قیمت: (پیپر بیک) -/160 روپے
قیمت: (ہارڈ بائنڈ) -/250 روپے

Tahreek-e-Jihad Aur British Government: Ek Tahqeeqi Mutala
By:Khushtar Noorani

Idara-e-Fikre Islami,Delhi
Distributed by:Maktaba Jaam-e-Noor
422 Matia Mahal,Jama Masjid,Delhi-6
Phone:011-23281418
email: jaamenoor@gmail.com

میرے عزیز از جاں دوست

مولانا اسید الحق قادری بدایونی

کے نام

جو اس کتاب کو دیکھنے کی آرزو لیے چل بسے

مشمولات

انتساب 03
اظہاریہ خوشتر نورانی 09

سید احمد رائے بریلوی: ایک تعارف

15——28

ولادت اور ابتدائی تعلیم 15
معاش کے لیے لکھنؤ کا سفر 16
دہلی میں قیام 16
بیعت 16
دہلی سے وطن واپسی 17
امیر خاں کی فوج میں شمولیت 17
تبلیغی دورے اور بیعت وارشاد 18
سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی 18
مشرقی اضلاع کا تبلیغی دورہ اور مراجعت وطن 20
جہاد کا عزم 20
رائے بریلی میں قیام اور جہاد کی تیاری 21
اصلاحی تحریک 21
سفر حج 23
جہاد کے لیے ہجرت 24

سرحد پر سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز 24
شب خونی حملے 25
بیعت امامت 25
سرحدی مسلمانوں سے اختلاف اور جنگ 26
معرکۂ بالاکوٹ 27
معرکۂ بالاکوٹ کے بعد 28

تحریک جہاد کی تاریخ نویسی: ایک جائزہ
40——29

تحریک جہاد کا منشور: ایک مطالعہ
71——41

قدیم اور مستند مآخذ میں تحریک جہاد کا نصب العین اور منشور 43
مخزن احمدی 43
منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء 45
وقائع احمدی 46
صراط مستقیم 49
مکاتیب سید احمد شہید 50
غور طلب سوالات 54
دروغ مصلحت کی ایک مثال 58
سرحدی مسلمانوں کی منشور حقیقی سے بے خبری 63
پہلی بات 63
دوسری بات 64
تیسری بات 65
تحریک جہاد کی عملی سرگرمیاں 68

تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ

109——72

برٹش گورنمنٹ کا تحریک جہاد کو نظر انداز کرنا 72
جہادی سرگرمیوں کے مراکز پر سکھ حکومت کی نظر 78
تحریک جہاد کو برٹش گورنمنٹ کی امداد 79
تحریک جہاد کو والیان ٹونک کا تعاون 82
تحریک جہاد: برٹش گورنمنٹ کی نظر اندازی اور امداد کی وجہ 89
تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ۱۸۲۶ء سے ۱۸۴۹ء تک 92
برٹش گورنمنٹ کی جانب سے تحریک جہاد کو لگام دینے کا آغاز 94
پنجاب کے الحاق کے بعد برٹش گورنمنٹ اور تحریک جہاد 100
ایک اہم نکتہ 100
ایک اہم سوال 103
انگریزی حکومت اور تحریک کے ٹکراؤ کی بنیادی وجہ 103
سرحدی قبائل کے ساتھ تحریک کا معاہدہ 108

تحریک جہاد اور انقلاب ۱۸۵۷ء

150——110

پہلی قومی تحریک 110
تحریک جہاد 111
ادبیات ستاون کی خاموشی 112
غلام رسول مہر کا اعتراف 113
ایک اور اعتراف 118
ایک مؤرخ کی عجز بیانی 119
جنرل بخت خاں 121
مولوی لیاقت علی الہ آبادی 122

انقلاب ستاون میں ریاست ’ٹونک‘ کا کردار 125
تاریخ سازی 130
انقلاب ستاون میں صادق پور (پٹنہ) کا کردار 134
انگریزی نوازشات 139
’شمس العلما‘ کا خطاب 139
خصوصی اسکالرشپ 140
انگریزی ملازمت 140
انقلاب ستاون میں جہاد کے فتاوے اور جماعت مجاہدین 141
انقلاب ستاون کے تین فتاوے 143
انگریزوں کی حمایت میں تحریک جہاد کے دو علما کے فتاوے 147
سخن گستری 149

ایک اہم اور نایاب مخطوطے کی بازیافت

182——151

مولانا سید میر محبوب علی 152
متن مخطوطہ کا پس منظر 155
مخطوطے کا تعارف 156
بنیادی مآخذ سے متن مخطوطہ کی تائید 158
مؤرخین کی حقائق پوشی 170
ہماری معروضات 173
پہلا معروضہ 173
دوسرا معروضہ 174
تیسرا معروضہ 174
چوتھا معروضہ 174
پانچواں معروضہ 176

چھٹا معروضہ 178

جدید مؤرخین کا رویہ 179

مولانا محبوب علی کا اخلاص 181

ضمیمہ

183——211

متن مخطوطہ (عربی) 183

متن مخطوطہ کا اردو ترجمہ 197

اشاریہ 212

کتابیات 225

تاثر پروفیسر معین الدین عقیل (پاکستان) 230

عکس مخطوطہ 238

اظہاریہ

۲۰۱۱ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی انقلاب ۱۸۵۷ء میں شرکت کے تعلق سے تحقیقی ورک کرر ہا تھا تو اس دوران کئی ایسی کتابوں کے مطالعے کا موقع ملا جن میں سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی ''تحریک جہاد'' کا ذکر تھا- یہ تحریک انیس ویں صدی کے ربع اول میں برٹش انڈیا میں اٹھی تھی-تحریک کے مذکورہ بانیوں نے تحریک کا مرکز انگریزی عمل داری سے باہر علاقہ سرحد (پنجاب) کو بنایا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سکھ امپائر کا حصہ تھا-سکھ حکومت کے مظالم سے پنجاب کے عمومی مسلمان پریشان تھے، اس لیے سید صاحب نے سکھوں کے خلاف عملی جہاد کا آغاز فرمایا، جس میں ہندوستان کے سیکڑوں مجاہدین کے ساتھ سرحد کے مختلف مسلم قبائل نے بھی پورے جوش وولولے کے ساتھ حصہ لیا، جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی-

رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد داخلی سیاست کا شکار ہوکر سکھ سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر بھی برٹش گورنمنٹ کا تسلط ہوگیا- پنجاب کے الحاق سے پہلے تک وہ تحریک کو نظرانداز کرتی رہی، مگر اس کے بعد تحریک کو ختم کرنے کے لیے اس نے اقدام کرنے شروع کردیے، اس طرح برٹش گورنمنٹ اور تحریک کے درمیان بھی لمبی مدت تک کشمکش رہی- اس پورے عرصے میں چند وجوہات کی بنیاد پر سرحد کے قبائلی مسلمانوں سے بھی تحریک کی خوں آشام جنگیں ہوتی رہیں- یہ تحریک انیس ویں صدی کے ربع اول سے لے کر بیس ویں صدی کے آغاز تک سرحد پر کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی، تاہم جہاد کے واسطے افراد اور مال وزر کی فراہمی کے لیے برٹش انڈیا کے مختلف حصوں میں اس کے مراکز قائم تھے جہاں سے اس کی مذکورہ ضرورتیں پوری کی جاتی تھیں-

تحریک کے قیام کے تقریباً سو سال بعد تحریک سے ذہنی وفکری ارتباط رکھنے والے کچھ

مؤرخین کی جانب سے اس کی مبسوط تاریخ لکھنے کا آغاز ہوا، جس میں پہلی بار تحریک کا اس حیثیت سے تعارف کرایا گیا کہ یہ برٹش گورنمنٹ کے خاتمے کے لیے اٹھی تھی- گویا اس تحریک نے تحریک آزادی کی جدوجہد کی خشت اول رکھی، اس کے بعد برٹش گورنمنٹ کے استیصال اور خاتمے کے لیے ہندوستانیوں کی طرف سے جو کوششیں ہوئیں وہ اسی تحریک کی رہین منت ہے- تحریک اور بانی تحریک کی تاریخ نویسی کے آغاز سے اب تک سو سال کا عرصہ گزرنے کو ہے- ان سو برسوں میں تحریک کی حمایت ومخالفت میں ہزاروں صفحات لکھے گئے، درجنوں کتابیں معرض وجود میں آئیں، سیکڑوں مضامین لکھے گئے اور بے شمار تحقیقات سامنے آئیں- ان میں محققین اور اہل قلم کے درمیان تحریک کا سب سے متنازع اور بحث وجدال کا موضوع اس کے ‘‘مقصد ومنشور کا تعین’’ بن گیا کہ تحریک جہاد کا مقصد حقیقی ‘‘سکھوں سے جہاد اور ان کا خاتمہ تھا یا برٹش گورنمنٹ کا استیصال اور آزادی-’’ اس بحث کے ساتھ مؤرخین اور اہل قلم دو طبقوں میں بٹ گئے-

علامہ خیرآبادی پر ریسرچ ورک کے دوران میں نے تحریک کے اس موضوع پر جو کچھ پڑھا، اس کا حاصل یہ تھا:

(۱) تحریک کے مقصد کی تعیین میں عمومی طور پر محققین اور اہل قلم پر تحقیق سے زیادہ مسلکی رنگ غالب رہا- جن اہل قلم نے تحریک کا مقصد حقیقی برٹش گورنمنٹ کا استیصال قرار دیا، بانیان تحریک سے مسلکی ارتباط نے انھیں اپنے موقف کے مخالف پہلوؤں پر غور وفکر کی مہلت نہیں دی- اگر غور وفکر کا موقع ملا اور اس حوالے سے کچھ حقائق ان پر منکشف ہو بھی گئے تو ان کے اظہار میں مصلحتیں حائل رہیں ـــــ جن اہل قلم نے تحریک کا منشور محض سکھوں سے جہاد قرار دیا یا برٹش گورنمنٹ سے تحریک کے مخالفانہ رویے کی تردید کی، ان کا حال بھی اول الذکر طبقے سے مختلف نہیں رہا-

(۲) علمی طرز استدلال اور ممکنہ وسائل کی قوت کی وجہ سے اول الذکر طبقے کے موقف کو زیادہ شہرت وقبولیت حاصل ہوگئی- اس حوالے سے دور جدید کے ابتدائی مؤرخین نے جو موقف طے کیا، بعد کے اہل قلم اور محققین نے اس پر از سر نو غور وفکر اور تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ معاصر مآخذ کی طرف رجوع کرنا ضروری سمجھا، بلکہ اپنے پیش رو مؤرخین کے دلائل کو تسلسل سے دہراتے رہے- اب حال یہ ہے کہ اس کے مقابل کسی دوسرے موقف کو تعصب اور غیر علمی اپروچ

خیال کیا جاتا ہے- ظاہر ہے کہ دائرۂ تحقیق میں اس فکر و خیال کی کوئی جگہ نہیں-

(۳) برٹش انڈیا میں جو لوگ برٹش گورنمنٹ سے عملی یا فکری حیثیت سے بھی نبرد آزما رہے، آزاد انڈیا میں انھیں سیاسی اور سماجی طور پر ''ہیرو'' تسلیم کیا گیا- تحریک جہاد کے مقصد و منشور کو ''برٹش گورنمنٹ کا استیصال اور اس سے آزادی'' قرار دینے اور اس پر حد درجہ اصرار کے پیچھے بھی یہی چلن محرک بنا- حالاں کے بانیان تحریک کا جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور اس پر عملی اقدام، دینی و سماجی اعتبار سے بجائے خود قابل استحسان ہے، میدان جہاد میں مقابل سکھ ہوں یا انگریز، کم از کم دینی اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا- اس تحریک کے قیام کا محرک، جذبۂ دینی رہا ہے، اس لیے مؤرخین کو بھی اسی رویے (جذبۂ جہاد) کو ترجیح دینی چاہیے-

(۴) تحریک جہاد کے سلسلے میں اس کے منشور حقیقی کی تعیین کا مسئلہ سب سے زیادہ بحث و جدال کا موضوع بنا رہا، اس کے باوجود میری ناقص معلومات کی حد تک راست اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ کوئی کتاب یا تحقیق اب تک سامنے نہیں آسکی- محققین اور اہل قلم کے دونوں طبقوں نے تحریک کی تاریخ یا بانیان تحریک کی سیرت لکھنے کے درمیان ضمنی حیثیت سے اس پر کلام کیا ہے، یا زیادہ سے زیادہ کتاب میں چند صفحات پر مشتمل اس موضوع پر ایک فصل شامل کر لی-

(۵) تحریک کے منشور کی تعیین کے سلسلے میں ثانی الذکر طبقے کی جانب سے جو تحریریں سامنے آئیں، ان میں غیر سنجیدہ اسلوب، بلکہ جارحیت، دلائل کی کمزوری اور نتائج کی بے سمتی نسبتاً نمایاں رہی ہے-

اس موضوع پر ابتدائی مطالعے کا یہی حاصل زیر نظر کتاب ''تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ایک تحقیقی مطالعہ'' لکھنے کا سبب بنا اور مارچ ۲۰۱۲ء سے میں نے اس پر ریسرچ ورک شروع کر دیا- اب جون ۲۰۱۴ء میں یہ کام مکمل ہو رہا ہے-

میری سب سے پہلی کوشش یہ تھی کہ تحریک اور بانی تحریک سید احمد رائے بریلوی سے متعلق تمام مطلوبہ قدیم و جدید مآخذ اور نادر مخطوطات کو حاصل کیا جائے- اس سلسلے میں میں نے خاص طور پر مولانا ابوالکلام عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک راجستھان کا سفر کیا، کیوں کہ ٹونک تحریک کا مرکز تھا اور والیان ٹونک کی تحریک سے عملی وابستگی رہی ہے- اس کے علاوہ شبلی نعمانی

لائبریری، ندوۃ العلما لکھنؤ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ہمدرد سینٹرل لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی، کتب خانہ قادریہ، بدایوں اور دہلی یونیورسٹی سینٹرل لائبریری، نئی دہلی سے خاص طور سے استفادہ کیا- ان کتب خانوں کے وزٹ سے اس موضوع پر عربی، فارسی اور اردو کے بیشتر مخطوطات اور قدیم و جدید مصادر میری دسترس میں آ گئے- جو مطلوبہ کتابیں اور رسائل ہندوستان میں نہیں مل سکے انھیں خاص طور سے پاکستان کی لائبریریوں سے منگوانے کا اہتمام کیا-

گو کہ ان مستند مصادر کے مطالعے اور کافی غور و فکر کے بعد مصنف کتاب کا موقف بھی یہی بنا کہ تحریک جہاد کا منشور حقیقی برٹش گورنمنٹ کا استیصال نہیں تھا اور نہ تحریک آزادی ہند میں بحیثیت ''تحریک'' اس کی کوئی حصہ داری رہی- یہ موقف تحقیق و مطالعہ اور غور و خوض کے نتیجے میں سامنے آیا ہے، اس لیے اس کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے-

کتاب کے عنوان سے اس کا موضوع عیاں ہے، اس لیے تحریک کے اسی موضوع پر ارتکاز کیا گیا ہے- تحریک کے دوسرے مسائل ہمارے موضوع بحث سے خارج تھے، اس لیے ان پر گفتگو نہیں کی گئی ہے، البتہ تحقیق و تلاش کے دوران ایک ایسے عربی مخطوطے کی بازیافت ہوئی، جو راست ہمارے موضوع سے متعلق نہیں تھا، لیکن تحریک کے منشور و ہدف کو سمجھنے میں یقیناً مددگار تھا، پھر یہ کہ تحریک کی سو سالہ تاریخ نویسی میں یہ اہم ماخذ اب تک سامنے نہیں آ سکا یا عمداً صرف نظر کیا گیا، اس لیے تحریک سے متعلق اس کے عربی متن کو اردو ترجمے کے ساتھ کتاب میں شامل کیا گیا ہے، نیز اس مخطوطے کے تعارف کے ساتھ اس کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے- امید ہے کہ کتاب میں شامل یہ انکشافی مخطوطہ علمی دنیا میں قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا-

اس کے علاوہ دستیاب مواد اور معاصر ماخذ سے جو کچھ لکھا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ وہ علمی اور تحقیقی جہتوں پر استوار ہو- انتقادی تحریریں لکھنے میں عموماً جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں اور رہوار قلم بھٹک جاتا ہے- لیکن اس کتاب کی تصنیف میں اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ محققین کے موقف سے اختلاف کرنے میں تحقیقی تقاضے، علمی متانت اور لب و لہجے کی شائستگی پامال نہ ہونے پائے- جو قارئین تحریک اور بانی تحریک سے متعارف نہیں ہیں، ان کے لیے کتاب کے آغاز میں ''سید رائے بریلوی: ایک تعارف'' کے عنوان سے بانی تحریک کی زندگی کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا

ہے تا کہ کتاب کے مندرجات کو سمجھنے میں انھیں آسانی ہو۔ حوالہ دیتے وقت میں نے قوسین میں صرف کتاب کے نام اور صفحہ نمبر پر اکتفا کیا ہے، مصنف، سنہ طباعت اور مطبع وناشر کی تفصیلات کتابیات کے ذیل میں درج کردی گئی ہیں، کیوں کہ ہر حوالے میں تمام تر تفصیلات کا ذکر قاری کے تسلسل مطالعہ کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر کردہ مخطوطے کے عربی متن اور اس کے اردو ترجمے کو ضمیمہ کے طور پر کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے، نیز مخطوطے کے متعلقہ صفحات کے عکس کو بھی شائع کیا جارہا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب وتصنیف کے دوران کبھی گھریلو مصروفیات اور کبھی کچھ حادثے حارج ہوتے رہے، جس کی وجہ سے یکسوئی قائم نہ رہ سکی اور کئی بار یہ کام تعطل کا شکار ہوگیا، اس لیے ممکن ہے کہ تحریر کی یکسانیت متاثر ہوئی ہو۔

اس کتاب کی ترتیب وتصنیف میں جن لوگوں نے بھی جس حیثیت سے دست تعاون دراز کیا ہے، میں ان سب کا ممنون ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ چند لوگوں کا ذکر ضروری ہے:

● میرے عزیز از جاں دوست مولانا اسید الحق قادری بدایونی، جن کے علم وفضل اور زبان وقلم کا ایک زمانہ معترف ہے۔ پچھلے دس برسوں سے جن کی رفاقت میں علمی وفکری سفر جاری تھا کہ اچانک وہ ۴/مارچ ۲۰۱۴ء کو بغداد کے ایک سفر میں شہید ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد گویا زندگی میں کوئی رنگ باقی نہیں رہا۔ ان کی یاد بے حد تڑپاتی ہے اور ان کے بغیر علمی سفر بہت مشکل ہوگیا ہے۔ حسب معمول اس کتاب کی تحقیق وتصنیف میں بھی ان کے گراں قدر مشورے شامل رہے اور مصادر کی فراہمی میں بھی پیش پیش رہے۔ کتاب کے بیشتر مشمولات ان کی نظر سے گزر چکے تھے۔ مذکورہ عربی مخطوطے کا اردو ترجمہ کرکے جب میں نے انھیں بھیجا تو بے حد خوش ہوئے۔ اس خوشی کا اظہار انھوں نے ایک ایس ایم ایس کے ذریعے کیا جواب تک میرے سل فون میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی آمد کا احباب کے درمیان وہ یوں تذکرہ کرتے تھے کہ جیسے وہ خود لکھ رہے ہوں۔ کسی وجہ سے جب بھی یہ کام موقوف ہوجاتا تو بے حد ناراض ہوتے اور دوبارہ جلد شروع کرنے کے لیے مہمیز لگاتے۔ آج جب کہ یہ کام مکمل ہوگیا ہے، افسوس! اسے دیکھ کر بے حد خوش ہونے والی وہ ذات ہمارے درمیان نہیں ہے۔

- مولانا ارشاد عالم نعمانی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)، جنھوں نے نہایت خندہ روئی اور کشادہ قلبی کے ساتھ موضوع سے متعلق نایاب کتابوں اور عربی مخطوطے کی فراہمی میں بنیادی کردار ادا کیا اور کتاب کا پروف بھی پڑھا- چند رسمی جملے اس منت کا بدل نہیں ہو سکتے-
- مولانا ذیشان احمد مصباحی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، جنھوں نے عربی مخطوطے کے اردو ترجمے کی تصحیح و تنقیح کی، نیز پوری کتاب پر نظر ثانی فرمائی-
- محترم سید تالیف حیدر، جنھوں نے کتاب پر نظر ثانی فرمائی، مفید مشوروں سے نوازا اور اس کا اشاریہ بھی مرتب کرنے میں معاونت فرمائی-
- محبّ گرامی سید صبیح رحمانی (مدیر نعت رنگ، کراچی)، محترم محمد ثاقب رضا قادری (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اور عزیزم عبدالعلیم قادری (متعلم مدرسہ قادریہ، بدایوں) کا بھی ممنون ہوں- صبیح رحمانی کی وساطت سے یہ کتاب کراچی میں اہل علم تک پہنچی- ثاقب رضا صاحب کی توجہ اور عنایات سے پاکستان کی مختلف لائبریریوں سے مواد کی حصول یابی ممکن ہو سکی- اور عبدالعلیم قادری نے بے حد توجہ سے کتاب کا فائنل پروف پڑھا-
- آخر میں میں پروفیسر معین الدین عقیل (صدر: شعبۂ اردو، کراچی یونیورسٹی) کا بھی بے حد شکر گزار ہوں، جنھوں نے اس کتاب کا لفظ لفظ بغور پڑھا اور اپنی گراں قدر رائے سے نوازا، موصوف کی رائے کو علمی دنیا میں اعتبار حاصل ہے، کتاب کے لیے ان کے وقیع اور وزنی جملے اس کو درجہ استناد عطا کرتے ہیں- موصوف کی یہ رائے تاخیر سے موصول ہوئی، اس لیے اسے کتاب کے آخر میں شامل کر لیا گیا، کیوں کہ اُس وقت تک کتاب کے حواشی اور اشاریے مرتب کیے جا چکے تھے- حالاں کہ اسے کتاب کی ابتدا میں ہونا چاہیے تھا-

امید ہے کہ تحریک جہاد کے منشور کی تعیین میں یہ کتاب قابل اعتنا سمجھی جائے گی-

خوشتر نورانی

۱۵ر جون ۲۰۱۴ء

سید احمد رائے بریلوی: ایک تعارف

تاریخ میں سید احمد رائے بریلوی کا ذکر تیرہویں صدی ہجری کے ایک شیخ طریقت، مصلح اور مجاہد کی حیثیت سے آتا ہے- ان کے تذکرہ نگار یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ تینوں حیثیتوں میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا اور امت میں فکری اور عملی انقلاب برپا کیا- سید صاحب نے مسلم معاشرے میں پھیلے شرک و بدعات اور غیر شرعی رسوم کو مٹانے اور سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے جو جدوجہد کی، تاریخ میں اسے ’’وہابی تحریک‘‘ (Wahabi Movement) کے نام سے جانا جاتا ہے- بعض مؤرخین نے اس نام پر صدائے احتجاج بلند کی اور تاریخی حیثیت سے سید احمد رائے بریلوی اور محمد بن عبدالوہاب نجدی (ف: ۱۷۹۲ء) کی تحریکوں کے درمیان لاتعلقی کو ثابت کرنے کی کوشش کی- تاہم ان دونوں تحریکوں کے درمیان جو فکری مماثلت، مسلکی ارتباط، تحریکی ہم آہنگی، مقاصد میں اشتراک اور جہاد و قتال کی طرف طبعی میلان ہے، اس کا اعتراف بھی کیا ہے (۱)-

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

سید احمد رائے بریلوی ابن سید محمد عرفان تکیہ رائے بریلی میں صفر ۱۲۰۱ھ/ نومبر ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے- چار سال چار ماہ کے ہوئے تو شرفا کے دستور کے مطابق بسم اللہ کرائی گئی اور تعلیم کا آغاز ہوا، مگر تین سال میں اساتذہ کی ہزار کوششوں اور فہمائش کے باوجود قرآن کی چند سورتوں کے علاوہ نہ کچھ یاد کر سکے اور نہ کچھ پڑھ سکے- والد سے اس کی شکایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ’’ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو‘‘ (معاملہ ایشاں بخدا باید گزاشت) (۲)-

مرزا حیرت دہلوی نے ذکر کیا ہے کہ تعلیم کے دوران آپ کے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے

---

(۱) (i) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۱۵/ (ii) موج کوثر، ص: ۶۱ (۲) مخزن احمدی (فارسی)، ص: ۱۲

آپ کا غبی (کند ذہن) ہونا مشہور ہو گیا تھا (۱)-

تعلیم سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے مکتب سے اٹھا لیے گئے، اس کے بعد سے بلوغت تک آپ کی مصروفیات کچھ اس طرح کی رہیں: کھیل کود کے بڑے شوقین تھے، اس لیے مختلف کھیلوں میں مصروف رہتے (۲)- محلے والوں کا سودا سلف لاتے، ان کا سامان پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے اور ان کے دیگر کام کرتے (۳)- ندیوں میں تیراکی کرتے اور دن میں گھنٹوں ورزش کیا کرتے-

معاش کے لیے لکھنؤ کا سفر:

سید احمد رائے بریلوی جب ۱۷-۱۸ برس کے ہوئے تو ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ھ/۳-۱۸۰۴ء میں تلاش معاش کے لیے اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ لکھنؤ کی طرف نکل پڑے- سات مہینے اودھ میں گزارے، مگر کوئی مناسب روزگار نہ مل سکا- یہی حال ان کے بقیہ ساتھیوں کا بھی رہا- آخر سید صاحب نے سبھوں کو سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف: ۱۸۲۴ء) کی خدمت میں دہلی چلنے کو کہا، مگر کوئی تیار نہ ہوا، اس لیے سید صاحب تنہا دہلی کوچ کر گئے-

دہلی میں قیام:

دہلی پہنچ کر سید احمد سب سے پہلے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے- شاہ صاحب نے تعلیم وتربیت کے لیے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر (ف: ۱۸۱۵ء) کے حوالے کر دیا جو اکبری مسجد میں رہا کرتے تھے، اس طرح سید صاحب اکبری مسجد میں فروکش ہو گئے اور شاہ عبدالقادر سے ایک بار پھر تعلیم کا آغاز کیا، لیکن یہاں بھی کچھ پڑھ نہ سکے- مرتب ''امیر الروایات'' کے مطابق جب سید صاحب کتابیں کھولتے تو انہیں کچھ نظر نہیں آتا اور دوسری باریک چیزوں کی طرف دیکھتے تو وہ نظر آ جاتیں، اس کیفیت کو دیکھ کر شاہ عبدالعزیز نے انہیں کہا کہ ''تم پڑھنا چھوڑ دو (۴)-''

بیعت:

قیام دہلی کے دوران سید صاحب شاہ عبدالعزیز سے ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں بیعت ہو گئے-

---

(۱) حیات طیبہ، ص: ۳۸۹   (۲) سیرت سید احمد شہید، جلد: ۱، ص: ۱۱۰

(۳) منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (فارسی مخطوطہ)، ورق: ۱۳

(۴) امیر الروایات، ص: ۹۸

اس واقعے کو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بھی ''سیرت سید احمد شہید'' جلد اول صفحہ ۱۲۶ پر نقل کیا ہے-

شاہ صاحب نے انہیں سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ میں داخل فرمایا۔ بیعت کے بعد سلوک و معرفت کی تعلیم فرمانے لگے اور پھر ’تصور شیخ‘ کا حکم دیا۔ اس پر سید صاحب نے کہا کہ ’’اس شغل (تصور شیخ) میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ شاہ صاحب نے جواباً حافظ شیرازی کی ایک بیت پڑھی تو سید صاحب نے کہا: ’’تصور تصویر شیخ خصوصاً غیبت میں اور اس سے توجہ اور استعانت چاہنا بعینہٖ بت پرستی اور صریح شرک ہے‘‘ (تصور تصویر شیخ خصوصاً در غیبت شیخ و استعانت و توبہ از اں جستن بعینہٖ صنم پرستی کہ شرک صریح است) (۱)۔

دہلی سے وطن واپسی:

۱۲۲۲ھ یا ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۷ء-۱۸۰۸ء میں سید احمد رائے بریلوی تقریباً چار برسوں کے بعد اپنے وطن رائے بریلی واپس آ گئے۔ ۱۲۲۳ھ/ ۰۸-۱۸۰۹ء میں سید صاحب کا نکاح نصیر آباد کی سیدہ زہرہ بنت سید محمد روشن سے ہوا اور ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء میں ایک لڑکی سائرہ پیدا ہوئی۔ ان ایام میں بھی سید صاحب کی کوئی خاص مشغولیت نہیں رہی۔

امیر خاں کی فوج میں شمولیت:

امیر خاں (ف: ۱۸۳۴ء) پنڈاریوں کا ایک لیڈر تھا، اس نے اپنی ایک بڑی فوج بنالی تھی، جس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ مالوہ اور راجپوتانہ کے علاقوں میں لوٹ پاٹ کرنا، مال و زر کے لیے کبھی کسی بادشاہ کی اعانت کرنا تو کبھی کسی کے خلاف جنگ کرنا اس کا مشغلہ تھا (۲)۔ امیر خاں کی اس آزاد فوج میں سید صاحب کے بڑے بھائی سید ابراہیم رہا کرتے تھے۔ سید صاحب کو انہی سے تحریک ملی۔ ان کا کوئی مشغلہ اور ذریعۂ معاش بھی نہیں تھا، اس لیے ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء میں ایک بار پھر وطن سے نکل کر دہلی آئے اور پھر ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء میں امیر خاں پنڈاری کی فوج میں بحیثیت سوار شامل ہو گئے (۳)۔ اور تقریباً چھ سال گمنام زندگی گزاری۔ فوج میں انہیں ان کے بعض ساتھی ایک سید زادے، فقیر اور نیک آدمی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ (۴) امیر خاں سید صاحب

---

(۱) (i) مخزن احمدی (فارسی)، ص: ۱۹، ۲۰ (ii) وقائع احمدی، ص: ۱۳، ۱۴ (iii) سوانح احمدی، ص: ۸

(۲) سید احمد شہید، ص: ۱۰۵

(۳) منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (فارسی مخطوطہ)، ورق: ۲۳

(۴) وقائع احمدی، ص: ۲۲، ۲۳

کی شرافت سے متاثر ہوا اور انہیں اپنے سے قریب رکھنے لگا -۱۲۳۲ھ-۱۸۱۷ء میں حکومت انگلشیہ نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ امیر خاں کو حکومت سے معاہدۂ صلح کرنا پڑا- اس صلح کے نتیجے میں امیر خاں کو ریاست ٹونک عطا کی گئی اور ڈیڑھ لاکھ روپئے سالانہ وظیفہ مقرر رہا- چوں کہ امیر خاں کی فوج منتشر کر دی گئی تھی، اس لیے سید صاحب کے پاس واپسی کی اور کوئی صورت نہیں تھی، چنانچہ ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں سید صاحب دہلی آ گئے-

تبلیغی دورے اور بیعت وارشاد:

دہلی پہنچ کر ایک بار پھر اکبری مسجد میں قیام کیا، بہت سے لوگ حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے- مولوی عبدالحئ بڈھانوی (ف:۱۸۲۸ء) اور شاہ اسماعیل دہلوی (ف:۱۸۳۱ء) بھی سید صاحب سے بیعت ہو گئے- ان کے بیعت ہونے کے بعد عام لوگ سید صاحب کی طرف زیادہ متوجہ ہونے لگے، کیوں کہ ان میں اول الذکر شاہ عبدالعزیز دہلوی کے داماد تھے جب کہ دوسرے بھتیجے- اس کے بعد سید صاحب نے دوآبے کے علاقوں کا دورہ شروع کیا اور میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور، بڈھانہ، پھلت اور دیوبند میں کافی لوگوں کو بیعت کیا-

سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی:

سید احمد صاحب سے بیعت ہونے کے بعد مولوی عبدالحئ اور شاہ اسماعیل دونوں نے گھر بار چھوڑ دیا- مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی (ف:۱۸۷۲ء) نے ''بوارق محمدیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے اپنی بیوی اور نواسوں مثلاً شاہ اسحٰق دہلوی (ف:۱۸۴۵ء) کو اپنی جائداد ہبہ کر کے ان پر قابض کرا دیا، جس کی وجہ سے شاہ اسماعیل مولوی عبدالحئ بڈھانوی (داماد شاہ عبدالعزیز) جو اس وقت میرٹھ کی عدالت میں محرری کی نوکری کر رہے تھے، سید صاحب سے بیعت ہو گئے (۱)-

---

(۱) بوارق محمدیہ (فارسی)، ص:۱۴- مولانا بدایونی، شاہ اسماعیل کے معاصر تھے اور کئی امور و معاملات کے وہ چشم دید تھے- اسی بات کا ذکر انھوں نے اپنی دوسری کتاب ''سیف الجبار'' میں بھی کیا ہے: ''مولوی اسماعیل کی فکر میں حدت اور طبیعت میں مذہب سے بے قیدی (عدم تقلید) کی رغبت پہلے سے تھی، بزرگ ان کے اس سبب سے ان سے ناراض بھی تھے- شاہ عبدالعزیز نے آخر عمر میں اپنا تمام مملوکہ منقولہ غیر منقولہ کہ ہر جنس کثرت سے تھی، حرم اور نواسوں وغیرہ کو ہبہ کر کر قابض کرا دیا، مولوی اسماعیل کو کچھ نہ دیا-'' (ص:۱۸، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۸۷۵ء)

مرزا حیرت دہلوی (ف: ۱۹۲۸ء) نے بھی لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل ہم خیال شخص کی اطاعت چاہتے تھے، اتفاق سے انہیں سید صاحب مل گئے، اس لیے گھر بار چھوڑ دیا (۱)-

شاہ اسماعیل مزاجاً نہایت سخت گیر واقع ہوئے تھے، لیکن سید صاحب کی عقیدت میں اس قدر سرشار تھے کہ ان کی پالکی کے پیچھے ننگے پاؤں دوڑا کرتے تھے (۲)- بقول مرزا حیرت: شاہ اسماعیل نے سید صاحب کی مہدویت کو منوایا اور انہیں نبی کریم ﷺ سے تشبیہ دی (۳)-

۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں شاہ اسماعیل نے سید صاحب کی سرپرستی میں ‘‘تقویۃ الایمان’’ لکھی- ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء میں مولوی عبدالحئ کے ساتھ سید صاحب کے ملفوظات وتعلیمات کا مجموعہ بنام ‘‘صراط مستقیم’’ ترتیب دیا اور سرحد پہنچنے کے بعد ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء میں سید صاحب کے دعویٔ منصب امامت کے اثبات میں ‘‘رسالہ منصب امامت’’ لکھا اور ان کی امامت وخلافت کو جو تسلیم نہ کرے اسے واجب القتل قرار دیا (۴)- سید صاحب کے تمام تبلیغی دوروں میں شاہ اسماعیل کی حیثیت ان کے معتمد، نائب وخلیفہ اور ترجمان کی تھی- اپنی اس حیثیت میں وہ وعظ کہتے تھے، اپنے اور سید صاحب کے متفقہ عقائد ونظریات کی تشہیر وتبلیغ کرتے تھے- سکھوں کے خلاف سرحد پر جہاد کے دوران بھی ان کی حیثیت ایک سپہ سالار اور نائب کی رہی-

سید احمد صاحب نے بھی شاہ اسماعیل کے ‘‘نظریۂ ترک تقلید’’ کی بھرپور سرپرستی کی اور اپنی اصلاحی وجہادی تحریکات کے ذریعے اس نظریے کو متحدہ ہندوستان میں پھیلا دیا- سید صاحب کے ہی ایک مرید سید عبداللہ بن سید بہادر علی نے اپنے مطبع احمدی کلکتہ سے ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء میں پہلی بار ‘‘تقویۃ الایمان’’ کو شائع کیا- سید صاحب کے مستند تذکرہ نگار اس بات کو مانتے ہیں کہ ہندوستان میں ‘‘نظریۂ ترک تقلید’’ کا پہلا تعارف اور اس کی اشاعت سید صاحب ہی کی تحریک کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ تحریک سے وابستہ ان کے سینکڑوں ارادت مند علما اور عوام اپنے موروثی نظریے (حنفیت) سے تائب ہو کر عامل بالحدیث (غیر مقلد) ہو گئے- (۵)

---

(۱) حیات طیبہ، ص: ۲۰۷ (۲) دہلی اور اس کے اطراف، ص: ۱۲۲

(۳) حیات طیبہ، ص: ۲۰۹ (۴) مکاتیب سید احمد شہید (قلمی)، ورق: ۷۵

(۵) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۲۰

بعض اعتدال پسند اہل قلم نے ذکر کیا ہے کہ شاہ اسماعیل سید صاحب کی عقیدت میں اس قدر وارفتہ تھے کہ اگر سید صاحب چاہتے تو شاہ اسماعیل اپنے خاندان (ولی اللہی) کے موروثی عقائد سے منحرف نہیں ہوتے- ان حقائق کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں مسلکی گروہ بندی کا جو آغاز ہوا، اس میں شاہ اسماعیل کے ساتھ سید احمد رائے بریلوی کا بھی برابر کا حصہ تھا- ایک نے تھیوری پیش کی اور دوسرے نے اس کے نفاذ کا راستہ ہموار کیا-

مشرقی اضلاع کا تبلیغی دورہ اور مراجعت وطن:

دوآبے کے علاقوں کا دورہ کر کے سید صاحب دہلی لوٹ آئے اور پھر غازی آباد، ہاپوڑ، گڑھ مکتیسر، مرادآباد، رام پور، بریلی ہوتے ہوئے ۲۹ رشعبان ۱۲۳۴ھ کو اپنے وطن رائے بریلی پہنچے- مذکورہ علاقوں میں کثیر تعداد میں آپ نے لوگوں کو بیعت کیا اور اپنے افکار و عقائد کی تبلیغ کی-

جہاد کا عزم:

اس دورے میں جب آپ رامپور پہنچے تو کچھ ولایتی افغان آپ سے آکر ملے اور ایک بڑا دردانگیز قصہ سنایا- ان افغانیوں نے سید صاحب کو بتایا کہ ملک پنجاب جاتے ہوئے راستے میں جب ہم ایک کنویں پر پانی پینے کے لیے رکے تو چند سکھنیاں (سکھوں کی عورتیں) پانی بھر رہی تھیں، ہمیں پنجابی نہیں آتی تھی، اس لیے ہم نے اشارے سے کہا کہ ہمیں پانی پینا ہے تو انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں ہیں، فلاں ملک اور بستی کی رہنے والی ہیں، یہ سکھ ہمیں زبردستی پکڑ لائے ہیں اور ہمیں سکھنیاں بنا کر اپنی بیوی بنالیا ہے- یہ سن کر ہمیں بہت رنج ہوا کہ مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں- سید صاحب! آپ کچھ کریں تو انہیں کفر سے نجات ملے- تب سید صاحب نے کہا کہ ”ان شاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا(۱)-“ سید صاحب کے بعض تذکرہ نگار یہ کہتے ہیں کہ انھیں عہد طفولیت سے ہی جہاد بالکفار کا شوق تھا، اس پر کوئی ہم عصر شہادت نہیں ملتی، تاہم یہ تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ سکھوں سے جہاد کے عزم کا اظہار پہلی بار سید صاحب نے علانیہ کیا- رام پور سے رائے بریلی پہنچ کر سید صاحب کی جنگی تیاری اور پھر سکھوں کے خلاف

---

(۱) سوانح احمدی، ص: ۲۴

سرحد پر جہاد کی کوشش، مذکورہ روایت کی توثیق کرتی ہے۔

رائے بریلی میں قیام اور جہاد کی تیاری:

سید صاحب وطن لوٹ کر دو سال دو ماہ یعنی شوال ۱۲۳۶ھ/۲۰-۱۸۲۱ء تک مقیم رہے۔ وطن لوٹنے کے بعد ہی سید صاحب کی ترجیح بدل گئی۔ رام پور میں ولایتی افغانوں کی زبانی جو واقعہ سنا تھا، وہ ان کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوگیا تھا۔ اب ان کا دل ذکر وفکر اور مراقبہ واشغال میں نہیں لگتا تھا، سر میں سکھوں کے خلاف جہاد کا سودا سمایا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مریدین کو تشویش ہوئی کہ سید صاحب کی عبادت و اشغال میں اب وہ کیفیت کیوں نہیں ہے، اس تشویش کا اظہار مریدین نے متعدد مرتبہ کیا تو آپ نے کئی مہینوں کے بعد جواب دیا کہ جہاد سے افضل کوئی عبادت نہیں، اس لیے اب جہاد کی دھن ہے، تم لوگ بھی جہاد کی تیاری میں لگ جاؤ۔ اس کے بعد مریدین باقاعدہ گھوڑ سواری، چاند ماری اور نشانہ بازی میں لگ گئے (۱)۔ غلام رسول مہر نے ذکر کیا ہے کہ قیام وطن کے زمانے میں ''رفیقوں اور ارادت مندوں کو جہاد کے لیے تیاری پر بطور خاص متوجہ کیا (۲)۔'' اسی زمانے میں جب آپ جہاد کی تیاری کر رہے تھے تو مختلف علاقوں کے تبلیغی دورے بھی کیے۔ یہ دورہ سلون، اہلا دگنج، الہ آباد اور بنارس وغیرہ کی طرف تھا۔ اس کے بعد لکھنؤ بھی گئے، جہاں مواعظ ہوئے، بیعت لی گئی اور مسلمانوں کے قدیم مسلکی و دینی افکار وعقائد کی اصلاحات کی کوششیں بھی کی گئیں۔ اس دورے میں بعض بیعت ہونے والوں سے نیت جہاد کی بھی خاص تلقین کی جاتی تھی (۳)۔

اصلاحی تحریک:

سید صاحب کے یہ تمام دورے ایک خاص مشن کے تحت ہوتے تھے۔ بقول مہر: وہ مشن تھا ''غیر مشروع معاشرتی رسوم اور بدعات ومحدثات کو مٹایا جائے'' (۴)۔ سید صاحب کے تذکروں میں بدعات ومحدثات کا مطلب، محفل اعراس کا قیام، اولیا کی نذر ونیاز، محفل میلاد کا انعقاد، قبروں پر حاضری و فاتحہ خوانی، عقیدۂ علم غیب مصطفیٰ ﷺ اور نظریۂ توسل واستعانت وغیرہ بتایا گیا ہے۔

---

(۱) وقائع احمدی، ص:۴۴۹تا۴۵۱ (۲) سید احمد شہید، ص:۱۳۳ (۳) وقائع احمدی، ص:۳۹۳/۳۹۴

(۴) سید احمد شہید، ص:۱۳۳

سید صاحب نے شاہ اسماعیل کے ساتھ مل کر مسلم معاشرے سے ان کو ختم کرنے کی تحریک چلائی۔ اکثر مؤرخین نے سید احمد اور شاہ اسماعیل کی اس تحریک کو ’’ولی اللہی تحریک‘‘ تعبیر کیا ہے☆۔

غیر شرعی معاشرتی رسوم کے خلاف سید صاحب کی کوششوں کو بھی ان کا اہم کارنامہ مانا جاتا ہے۔ اس میں بطور خاص ’’نکاح بیوگاں‘‘ کو ہر قدیم و جدید تذکرہ نگار نے اہمیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ہندوستان میں مشرکانہ نظریے سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں سب سے پہلے سید صاحب نے اس سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اجرا کیا۔ ہندوستان میں اس متروک سنت کے احیا کے لیے سید صاحب نے سب سے پہلے اپنے گھر سے آغاز کیا اور اپنی بیوہ بھاوج (اہلیہ سید محمد اسحٰق) سے نکاح کرنے پر اصرار کیا۔ وہ تیار نہیں ہو رہی تھیں تو سید صاحب نے اپنی خالہ کو بیچ میں ڈالا اور بزور انہیں راضی کیا اور سید صاحب نے نکاح ثانی کیا(۱)۔ شاہ اسماعیل نے بھی سید صاحب کے اتباع میں اپنی بیوہ ہمشیر سیدہ رقیہ کا نکاح مولوی عبدالحی بڈھانوی سے کر دیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی (ف: ۱۹۹۵ء) نے اسے سید صاحب کا ’’عظیم الشان تجدیدی کارنامہ‘‘ قرار دیتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے بعد ہزاروں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی ہوئے اور اس غیر شرعی رسم کا ہندوستان سے خاتمہ ہو گیا (۲)۔ ☆☆

☆ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف: ۱۷۶۲ء) نے اپنی کتاب ’’القول الجلی فی ذکر آثار الولی‘‘ میں مذکورہ تمام امور کو شرعی طور پر نہ صرف درست قرار دیا ہے بلکہ اپنی زندگی میں انھیں انجام بھی دیتے رہے۔

(۱) مخزن احمدی، (فارسی) ص: ۴۵ (۲) سیرت سید احمد شہید، جلد: ۱، ص: ۲۳۶

☆☆ مولانا شاہ حسین گردیزی نے تاریخی حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ سید صاحب کی تین بیویاں تھیں:

سید زہرہ	(ف: ۴؍شوال ۱۲۷۹ھ/ ۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء)
سید ولیہ	(ف: ۱۸؍رجب ۱۲۶۲ھ/ ۱۳؍جنوری ۱۸۴۶ء)
سیدہ فاطمہ	(ف: ۱۹۰۰ء)

سید صاحب کی وفات (۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کے بعد سیدہ زہرہ ۳۲ سال، سیدہ ولیہ ۱۶ سال اور سیدہ فاطمہ ۶۹ سال تک بیوہ رہیں اور خود کوئی نکاح نہیں کیا۔ یہی حال سید صاحب کی دونوں صاحبزادیوں سیدہ سائرہ (ف: ۱۸ رجب ۱۳۰۱ھ/ ۲۶ مئی ۱۸۸۴ء) اور سیدہ ہاجرہ (ف: ۶ ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ/ ۲ نومبر ۱۸۵۹ء) کا تھا۔ سیدہ سائرہ کے شوہر سید اسماعیل بن اسحٰق کا وصال ۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۰/ ۲۰؍اکتوبر ۱۸۶۲ء کو ہوا اور سیدہ ہاجرہ کے شوہر سید محمد یوسف کا وصال ۱۶ شوال ۱۲۶۶ھ/ ۲۵ اگست ۱۸۵۰ء کو ہوا۔ **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

سفرِحج:

سید احمد رائے بریلوی کی اصلاحی اور جہادی تحریک جاری تھی، لکھنؤ سے مراجعت کے بعد آپ نے اچانک حج کرنے کا ارادہ کیا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے مریدین و خلفا کو خطوط لکھوائے اور انھیں حج پر چلنے کی دعوت دی، سبھوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور سفرِ حج کے لیے مختلف قافلے رائے بریلی میں آنے لگے- آخر چار سو مرد اور عورتوں کے ساتھ، جن میں چالیس آپ کے اقربا بھی تھے، شوال ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ء میں آپ حج کے ارادے سے نکلے(۱)- اور رائے بریلی سے نکل کر ڈلموٴ، موضع دھئی، الہ آباد، بنارس، عظیم آباد (پٹنہ) ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور کلکتے سے بذریعے جہاز جدہ کے لیے روانہ ہوئے- اس عرصے میں جن علاقوں سے آپ گزرے، اپنے افکار و عقائد کی تبلیغ کی، لوگوں کو بیعت کیا- حجاز پہنچنے کے بعد بھی یہی صورت حال رہی- اسی زمانے میں سید صاحب، مولوی عبدالحی اور شاہ اسماعیل کا رابطہ یمنی عالم قاضی محمد بن علی شوکانی (ف: ۱۸۳۴ء) سے ہوا جو عمل بالحدیث (ترک تقلید) کے بڑے حامی و پیروکار تھے(۲)- بعض ہم عصر علما اور متاٴخر موٴرخین نے لکھا ہے کہ حج کے دوران سید صاحب اور ان کے اصحاب کی ملاقاتیں بعض وہابیوں سے بھی ہوئیں، جن کے افکار و عقائد سے وہ متاثر بھی ہوئے، اس لیے حج سے واپسی کے بعد شاہ اسماعیل علانیہ اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کرنے لگے اور سید صاحب کی سرپرستی میں ''مسئلہ عدم وجوب تقلید'' پر تحریر و تقریر کرنے لگے، بلکہ اپنے موقف پر سختی برتنے لگے-(۳)

(پچھلے صفحے کا بقیہ) سیدہ سائرہ اپنے شوہر کے وصال کے بعد ۲۱ سال اور سیدہ ہاجرہ ۱۰ سال تک بیوہ رہیں، مگر انہوں نے نکاح ثانی نہیں کیا- یہی حال مولوی عبدالحئ بڈھانوی کی دونوں بیواؤں اور سید صاحب کے مرید خاص مولوی سید جعفر علی نقوی (ف: ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء) کی بھی دو بیواؤں کا تھا- ان کی دونوں بیویاں اُس صدی کے اوائل یعنی تقریباً ۳۵ سال تک زندہ رہیں، تاہم نکاح ثانی نہیں کیا- اسی طرح شاہ اسماعیل کی اہلیہ سیدہ کلثوم کے نکاح ثانی پر بھی تذکرہ نگار خاموش ہیں- یہ صورت حال سید صاحب کے اکثر خلفا اور مریدین کی بیواؤں کی تھی-
(حقائق تحریک بالاکوٹ، ص: ۶۲/ ۶۳)

(۱) مخزن احمدی، (فارسی) ص: ۶۲

(۲) سید احمد شہید، ص: ۲۲۴

(۳) موج کوثر، ص: ۶۱

حج کر کے سید صاحب اپنے قافلے کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ برس کے بعد اگست ۱۸۲۳ء میں بمبئی واپس آئے، پھر بمبئی سے کلکتہ، مونگیر، عظیم آباد اور الہ آباد ہوتے ہوئے ۲۹ر شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۹ر اپریل ۱۸۲۴ء کو اپنے وطن رائے بریلی پہنچے۔

جہاد کے لیے ہجرت:

حج کے بعد سید صاحب جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے لوگوں کو دعوت عام دی (۱)، جس سے حکومت انگلشیہ بھی باخبر تھی، حکومت چاہتی تھی کہ پنجاب میں سکھوں کا زور کم ہو، اس لیے حتی الامکان اس تحریک کو نظر انداز بھی کیا اور اس کی امداد سے بھی دریغ نہیں کیا (۲)۔ آخر سید صاحب نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے رائے بریلی سے پانچ سو افراد کے ساتھ ۷ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء کو سرحد کی طرف ہجرت کی اور گوالیار، ٹونک، اجمیر، مارواڑ، حیدر آباد سندھ، شکار پور، درۂ بولاں اور قندھار ہوتے ہوئے کابل پہنچے اور وہاں سے خیبر کے راستے پشاور میں داخل ہوئے اور پھر نوشہرہ پہنچے۔

سرحد پر سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز:

سید احمد رائے بریلوی اپنے اصحاب کے ساتھ جب سرحد پر پہنچے تو سرحدی مسلمان، علما، خوانین اور امرا نے ان کا والہانہ استقبال کیا، زمرۂ سادات میں ہونے کی وجہ سے ان کا حد درجہ احترام کیا اور ان کی قیادت میں سکھوں کے ظلم و جبر سے آزادی کے لیے جہاد کرنے کو تیار ہو گئے۔ سکھوں کی مستحکم طاقت سے فتح حاصل کرنے کے لیے سید صاحب نے ''شب خون'' مارنے کی تجویز رکھی جسے سبھوں نے قبول کیا کہ آمنے سامنے کی جنگ سے جانی و مالی نقصان کا خطرہ زیادہ ہے، اس لیے شب خون مار کر دشمنوں کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق سکھوں کے ساتھ پہلی جنگ 'اکوڑہ' میں ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں سید صاحب کی فوج نے سکھوں پر اچانک حملہ کیا تو وہ سنبھل نہیں سکے اور پسپا ہو گئے (۳)۔

---

(۱) مقالات سرسید، حصہ نہم، ص: ۱۸۶

(۲) نقش حیات، حصہ: دوم، ص: ۱۹

(۳) سوانح احمدی، ص: ۹۹/۱۰۰

شب خونی حملے:

اس جنگ نے سید صاحب اور ان کی فوج کے حوصلے بلند کر دیے، اس کے بعد سید صاحب کی اجازت سے بازار حضرو پر شب خون مارا گیا، اس میں سکھوں کی دکانیں تھیں اور وہ کاروبار کیا کرتے تھے، اس میں بھی انھیں کامیابی ملی اور بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا- تاریخ میں جنگ کی جو تفصیل موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کو سکھوں کے خلاف جنگ میں جتنی بھی کامیابی ملی، ان میں زیادہ تر شب خونی حملوں کے ذریعے ہی سے ملی، جہاں آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی سکھوں کی بڑی طاقت کے سامنے انھیں ٹھہرنا مشکل ہو گیا- سید صاحب کے شب خونی حملوں کو بعض مؤرخین نے خلاف انسانیت اور خلاف شریعت فعل بھی قرار دیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین میں ایسے حملوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی (۱)- سکھوں کے سپہ سالار سردار بدھ سنگھ نے بھی مذکورہ دونوں شب خونی حملوں کے بعد سید صاحب کو ایک خط لکھا اور کہا کہ: ”طمع نفسانی سے شہر حضرو کے غربا اور بیوپاریوں پر شب خون اور چھاپا مارنا ذلت اور ہمیشہ کی بدنامی کی بات ہے —— آپ اگر اصل سید اور بڑے سردار ہیں تو باہر نکل کر صاف صاف مقابلہ کیجیے، چھپ کر لڑنے سے دنیا اور دین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا-“ (بطمع نفسانی شب خون و تاخب بر غرباء بیوپاریان شہر حضرو نمودند، سراسر ننگ بجہان جاودانی گردید —— اگر اصل سیادت و کبیر امرا اند، مقابلہ صریح باشند، از مخفی روی سود جہانی و بہبود ملک جاودانی نیست) (۲)-

بیعت امامت:

بازار حضرو کے شب خونی حملے میں سید صاحب کی ہندوستانی فوج اور مقامی مسلمانوں میں کافی بدنظمی اور افراتفری رہی، اس لیے شاہ اسماعیل نے یہ تجویز رکھی کہ سید صاحب کو جہاد کے لیے امیر اور امام بنایا جائے، چنانچہ ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱/ جنوری ۱۸۲۷ء کو سید صاحب نے سرحدی مسلمانوں، امرا، خوانین، علما اور ہندوستانی مجاہدین سے علاقہ ہنڈ میں امامت جہاد کی بیعت لی اور دوسرے دن جمعہ کے خطبے میں سید صاحب کا نام شامل کیا گیا- (۳)

---

(۱) سید احمد شہید کی صحیح تصویر، ص: ۳۶ (۲) مجموعہ خطوط قلمی بحوالہ سیرت سید احمد شہید، جلد: ۱، ص: ۵۱۵

(۳) وقائع احمدی، ص: ۱۱۲۲

اب سید صاحب ’’امیر المومنین‘‘، ’’سید بادشاہ‘‘ اور ’’خلیفہ‘‘ کے القاب سے پکارے جانے لگے- سید صاحب نے منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد حسب ذیل احکامات جاری کیے:

۱- ہر رئیس کی جاگیر یا ریاست خالص شرعی قوانین کے مطابق ہوگی-

۲- سرحدی مسلمانوں کو اپنے مال وقوت کا ایک مناسب حصہ مجاہدین کو دینا ہوگا-

۳- ہر علاقے اور ریاست میں قاضیوں اور عمال کی تقرری ہوگی جو اسلامی احکامات جاری کریں گے اور سرحدی مسلمانوں سے ان کے مال کا حصہ وصول کریں گے-

۴- ہر مسلمان مرد وعورت پر امام (سید صاحب) کی اطاعت واجب ہوگی اور حکم عدولی کرنے والا منافق اور باغی کہلائے گا، وغیرہ-

مذکورہ امور پر سختی سے عمل کیا جانے لگا، جس کے متحمل سرحدی مسلمان نہیں تھے، اس لیے ان لوگوں نے سید صاحب سے شدید اختلاف کیا اور نوبت جنگ وجدال تک پہنچی- ☆

سرحدی مسلمانوں سے اختلاف اور جنگ:

سرحدی مسلمان آزاد علاقے اور آزاد ماحول میں زندگی گزارنے کے عادی تھے، سید احمد رائے بریلوی نے اپنی امامت کے بعد اچانک شرعی احکام نافذ کر دیے، وہاں کے مسلمانوں سے بزور عشر وصول کیا جانے لگا، جرائم پر سخت تاوان لگائے جانے لگے، جوان لڑکیوں کے نکاح کرانے پر سختی برتی جانے لگی، جن لوگوں نے سید صاحب کی امامت کو تسلیم نہ کیا، انھیں منافق اور باغی تسلیم کرتے ہوئے واجب القتل قرار دیا گیا- مزید یہ کہ سرحدی پٹھان متصلب حنفی تھے، جب کہ سید صاحب کی جماعت کے اکثر اصحاب کا رجحان ترک تقلید کی طرف تھا اور پھر وہاں کے لوگوں کو جو مسلکی معمولات عزیز تھے، انھیں سید صاحب اور ان کے اصحاب کفر وشرک سمجھتے تھے(۱)- اس

☆ مولانا عبید اللہ سندھی (ف: ۱۹۴۴ء) نے سرحدی مسلمانوں اور سید صاحب کے درمیان تمام تر اختلافات کا سرچشمہ اور تحریک جہاد کی ناکامی کی وجہ سید صاحب کی ’’امامت‘‘ کو قرار دیا ہے- وہ فرماتے ہیں:

’’ہنڈ میں سید صاحب کی امامت پر اجماع ہوا، وہی اختلافات کا سرچشمہ بن گیا-‘‘ مزید فرماتے ہیں: ’’حزب ولی اللہ کی حکومت کا طریقہ بورڈ کی حکومت سے شخصی امامت (ڈکٹیٹر شپ) میں تبدیل ہوگیا-‘‘

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص: ۱۱۶/ ۱۵۸)

(۱) موج کوثر، ص: ۳۱

لیے سید صاحب اور سرحدی مسلمانوں، علما، خوانین اور امرا کے درمیان شدید اختلاف ہوا اور نتیجے میں وہاں کے مسلمانوں سے سید صاحب کی ۹ ؍جنگیں ہوئیں۔ وہ جنگیں یہ تھیں: جنگ اتمان زئی، جنگ ہنڈ اول، جنگ زیدہ، جنگ ہنڈ دوم، جنگ کیمز ڑی، جنگ کھلا بٹ، جنگ مردان، جنگ مایار، جنگ چھتر بائی۔

جن میں ہزاروں سرحدی اور ہندوستانی مسلمانوں کا خون بہا۔ اس طرح یہ تحریک اپنے مقصد ’’سکھوں کے خلاف جہاد‘‘ سے منحرف ہوکر آپسی جنگ وجدال کا اکھاڑہ بن گئی۔ بقول مولانا وحیدالدین خاں: ’’معاشرے کی تیاری کے بغیر اسلامی حکومت قائم کرنے کا یہ ناکام تجربہ بعد والوں کے لیے چشم کشا نہ بن سکا، وہ آج بھی اسی تجربے کو دہرانے میں مصروف ہیں جو ڈیڑھ سو سال پہلے اپنا ناممکن العمل ہونا ثابت کر چکا ہے(۱)۔‘‘

معرکۂ بالاکوٹ:

سرحدی مسلمانوں کے ساتھ سید صاحب کی سکھوں سے جنگیں بھی ہوتی رہیں، جن میں جنگ شیدو، جنگ پنجتار اور جنگ پھولڑہ وغیرہ معروف ہیں۔ مگر چوں کہ سید صاحب کا اختلاف سرحد کے امرا، علما اور مسلمانوں سے شدید تر ہو چکا تھا، اس لیے سید صاحب بددل ہو گئے، جہاد کا ارادہ ترک کیا، آلات حرب دفن کر دیے اور سرحد سے ہجرت کا ارادہ کر لیا، کچھ سرحدی مسلمان اور امرا جو آپ کے ساتھ تھے، روکنا چاہا، تاہم سید صاحب اپنے فیصلے پر قائم رہے اور رجب ۱۲۴۶ھ/ جنوری ۱۸۳۱ء میں ملک سمہ سے اپنے ہندوستانی رفقا کے ساتھ نکل گئے اور ۴؍شعبان ۱۲۴۶ھ جنوری ۱۸۳۱ء کو مقام راج دواری ملک کاغان میں مقیم ہو گئے۔ (۲) دوسری طرف شاہ اسماعیل نے اپنے لشکر کے ساتھ درۂ بھوکڑمنک اور بیچون پر حملہ کر دیا، جہاں سکھوں کا لشکر مقیم تھا اور انھیں زیر کر کے اس پر قابض ہو گئے، سید صاحب کو فتح کی اطلاع دی گئی تو وہ بھی راج دواری سے وہاں پہنچ گئے، پھر سید صاحب کے رفقا نے مظفرآباد پر حملہ کیا جو اس ملک کا دارالریاست اور سکھوں کا ہیڈکوارٹر تھا۔ یہاں کا رئیس نجف خاں، سکھ جرنل شیر سنگھ کے ساتھ پشاور گیا ہوا تھا، اس لیے یہ علاقہ بھی آسانی سے سید صاحب کے قبضے میں آ گیا۔

---

(۱) علما اور دور جدید، ص: ۲۷

(۲) سوانح احمدی، ص: ۱۳۲/۱۳۳

شیر سنگھ کو جب اس یورش کی اطلاع ملی تو اس نے بالاکوٹ میں سامان حرب اور فوج کو جمع کرنا شروع کر دیا اور پھر بالاکوٹ کے میدان میں ۲۴؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶؍ مئی ۱۸۳۱ء کو سید صاحب کے تقریباً سات سو رفقا کے ساتھ سرحدی مسلمانوں کے تعاون سے سکھوں کی جنگ ہوئی اور سکھوں نے فتح پائی- اس جنگ میں سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے ساتھ تقریباً تین سو سے زائد رفقا مار دیے گئے-

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد:

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ سید صاحب، شاہ اسماعیل اور ان کے اکابر رفقا کی شہادت نے تحریک کو بہت زیادہ متاثر کیا- چوں کہ جماعت کی تنظیم سید صاحب کی بے محابہ عقیدت پر استوار ہوئی تھی، اس لیے ان کی شہادت کے بعد جماعت کا منتشر اور پست ہمت ہونا یقینی تھا(۱)- جماعت میں سید صاحب کی حیثیت ایک مافوق الفطرت ہستی کی تھی- اس لیے تحریک جہاد میں از سرِنو روح پھونکنے کے لیے سید احمد رائے بریلوی کی ''غیوبت'' کا شوشہ چھوڑا گیا کہ وہ مرے نہیں ہیں، بلکہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے ہیں، لیکن مجاہدین کی اعانت اور جہاد میں فتح و نصرت کے لیے ان کا ظہور ثانی جلد ہی ہوگا- یہ غلط عقیدہ اتنا راسخ ہو گیا کہ بیسویں صدی کے اوائل تک بڑے بڑے لوگوں میں سرایت کر گیا اور اس عقیدے نے تحریک میں کئی برائیوں کو جنم دیا- سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک کے متعدد مؤرخین نے تحریک کی ناکامی کی بنیادی وجہ اسی ''عقیدۂ غیابت'' کو قرار دیا ہے- سید صاحب کے بعد کئی لوگوں کے ہاتھوں میں تحریک کی قیادت رہی، مگر اسے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا اور تحریک جوں جوں اپنے زمانۂ قیام سے دور ہوتی گئی اس کے اثرات ختم ہوتے چلے گئے-

* * *

---

(۱) حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص: ۶۸

تحریک جہاد کی تاریخ نویسی: ایک جائزہ

ہماری علمی تاریخ میں سید احمد رائے بریلوی کا شخصی، سماجی، تحریکی اور سیاسی رویہ اور عمل متنازع صورت میں سامنے آیا ہے- یہی صورت حال ان کے ذریعے برپا کی گئی ''تحریک جہاد'' کی بھی ہے- یہ تلخ حقیقت ہے، مگر ہمیں اب قبول کر لینا چاہیے کہ سید صاحب کی ''تحریک جہاد'' کو متنازع بنانے میں جانب دار مؤرخین کا بڑا کردار رہا ہے- تحریک کے دور جدید کے اولین مؤرخین نے تحریک کا مطالعہ تاریخی، سیاسی اور سماجی پس منظر میں کرنے کی بجائے مسلکی جذبے سے کیا، جس کی وجہ سے سید صاحب کی سیرت اور تحریک کی تاریخ غلو مندانہ عقیدتوں کا مرقع بن کر رہ گئی-

ابتدا میں یہ تحریک ایک خالص دینی جذبے کے تحت (پنجاب میں سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے) اٹھی تھی تاکہ سرحدی مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات دلائی جائے- اس کام کے لیے بانی تحریک (سید احمد رائے بریلوی) نے اپنے مریدین اور متوسلین کو تیار کیا اور چند سو افراد کو لے کر سرحد کی طرف چلے گئے- تحریک اپنے قیام سے اخیر تک سکھوں اور بچند وجوہ سرحدی مسلمانوں سے برسرِپیکار رہی- بعض سیاسی مصالح کی وجہ سے برٹش گورنمنٹ نے تحریک کی جمعیت کو ختم کرنا چاہا تو تحریک اس سے بھی مزاحم ہوئی- (تفصیل آگے ملاحظہ کریں) تاہم جدید مؤرخین نے اس کی تاریخ کو یوں بیان کرنا شروع کر دیا، گویا اس کی تہوں میں شاہ ولی اللہ کی ناتمام آرزوئیں اور نظریات پوشیدہ تھے، تحریک شاہ عبدالعزیز کے دیرینہ خواب کی ایک تعبیر اور برٹش گورنمنٹ کے خلاف ان کے عالی شان منصوبے کا حصہ تھی☆- پورے ہندوستان کی نگاہیں

☆مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں: حضرت سید صاحب کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک عمدہ اور مفصل خواب دیکھا تھا...... حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی اسی طرح کا ایک خواب دیکھا تھا- **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

اسی تحریک پر ٹکی ہوئی تھیں، یہ تحریک بارآور ہوجاتی تو مسلمانوں کی تقدیر پلٹ جاتی اور ہندوستان میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام ہوجاتا- اس داستان گوئی میں تحریک سے فکری اور عملی وابستگی رکھنے والے کچھ لوگ اس قدر آگے نکل گئے کہ خود اسی طبقے کے بعض اہل قلم کو ان کی تردید میں آگے آنا پڑا-

تحریک جہاد کی تاریخ کو مسلکی جذبے میں لکھنے کا اثر یہ ہوا کہ سید احمد اور ان کی تحریک کے

(پچھلے صفحے کا بقیہ)............دونوں کی تعبیر ایک ہی تھی...... یہ دونوں خواب سید احمد شہید کی تحریک اور جدوجہد کے حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر و مزاج اور نظام و آہنگ اور اس سے بھی بڑھ کر، اسلام کے چمکتے دمکتے نظام سے وابستگی کا صاف صاف اعلان کر رہے ہیں-'' (مجلّہ 'احوال و آثار'، ص: ۱۷۵، شمارہ: اکتوبر تا مارچ ۲۰۰۸ء/ ۲۰۰۹ء)

پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں: ''شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلا اور سب سے زیادہ مؤثر قدم اٹھایا تھا............سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید وغیرہ نے اپنے سیاسی فکر میں انگریزی اقتدار کو جو درجہ دیا تھا، اس کی بنیاد یہی فتویٰ تھا-'' (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص: ۱۱)

اس طرح کی بے سند اور قیاسی باتیں دیگر محققین نے بھی کی ہیں- خوابوں کی تعبیرات کے ذریعے نہ تو تاریخ لکھی جاتی ہے اور نہ ذاتی منشا و خیال کو میدان علم و تحقیق میں درجہ استناد حاصل ہے- اس طرح کی باتیں لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ سید صاحب کی تحریک کا رشتہ کسی طرح ''ولی اللّٰہیت'' سے استوار کر کے اس کے مقصد و عزائم کے کینوس کو وسیع تر کر دیا جائے اور تاریخ میں تحریک کو یہ اعتبار حاصل ہو جائے کہ وہ انگریز مخالفت کے لیے اٹھی تھی- بانیان تحریک کے مکاتیب و ملفوظات اور معاصر مآخذ میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کے فتوئ دارالحرب سے متاثر ہو کر انگریزی حکومت کے خلاف یہ تحریک برپا کی تھی-

پھر یہ کہ شاہ صاحب کا فتوئ دارالحرب انیس ویں صدی کے بالکل آغاز کا ہے، اس کے بعد (تحریک کے قیام سے کافی پہلے) انگریزی حکومت کے تعلق سے شاہ صاحب کے رویے میں کافی نرمی آ چکی تھی اور وہ بھی مشروط طور پر انگریزی ملازمت کی اجازت دینے لگے تھے، یہاں تک کہ میرٹھ کی عدالت کی محرری کے لیے اپنے داماد مولوی عبدالحی بڈھانوی کو پیش کیا، جہاں وہ برسوں انگریزوں کی نوکری کرتے رہے- شاہ صاحب کے اس رویے پر شاہ غلام علی مجددی دہلوی نے آواز بھی اٹھائی تھی، مگر شاہ صاحب نے اس کا شرعی جواز بتا کر انھیں مطمئن کر دیا- (فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص: ۹۱/ ۹۲ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ) یہاں بحث شاہ صاحب کے رویے پر نہیں بلکہ ان کے فتوے کو بنیاد بنانے پر ہے- سوال یہ اٹھتا ہے کہ شاہ صاحب کے رویے کی یہ تبدیلی تحریک کی بنیاد کیوں نہیں بن سکتی؟ اور اسی فتوے کو بنیاد بنا کر تحریک کے قیام کا مقصد انگریزوں کے بجائے سکھوں کا خاتمہ کیوں نہیں متعین کیا جا سکتا؟ پھر سید صاحب کا اپنے اعوان و انصار کے ساتھ سرحد پر جا کر جہاد کرنا اس بنیاد کو اور بھی مستحکم کر دیتا ہے-

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قائد و سپہ سالار شاہ اسماعیل جس مسلک و منہاج کی نمائندگی کر رہے تھے، اس سے شدید اختلاف رکھنے والے دوسرے طبقے نے تحریک کو آئینہ دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس طبقے کی جانب سے حقائق بیانی میں جارحانہ تیور بھی در آیا اور بعض خلاف واقعہ باتیں بھی شامل ہو گئیں۔ یہ دراصل تاریخ میں مسلکی آویزش کا فطری ردعمل تھا۔ چنانچہ اس طبقے نے سید صاحب کی کم علمی، بے بصیرتی اور بدعقیدگی کو اجاگر کرتے ہوئے اس تحریک کو ایک ایسی کشمکش اور معرکہ آرائی قرار دیا ہے جس کے نتیجے میں امت مسلمہ کے اندر نظریاتی انتشار کو فروغ حاصل ہوا، سرحد پر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا،

(پچھلے صفحے کا بقیہ) دوسری بات یہ کہ شاہ صاحب کے فتویٔ دارالحرب کے بعد بریلی (روہیل کھنڈ) کی ایک بڑی علمی شخصیت مفتی محمد عوض عثمانی نے ۱۸۱۶ء میں انگریزی حکومت سے جہاد کیا۔

'اکمل التاریخ' میں ذکر ہے کہ:

''مفتی صاحب کے زمانے میں ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں بریلی میں بلوہ عظیم برپا ہوا ''وائے دریغ'' جس کی تاریخ ہے۔'' (حصہ اول، ص: ۴۷)

ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''بعض قومی واقعات اگرچہ بڑی اہمیت و امتیاز کے حامل ہوتے ہیں، مگر وقتی مصلحتوں کی وجہ سے نہ صرف ان کی اہمیت گھٹ جاتی ہے بلکہ ان کو دانستہ بھلایا جاتا ہے۔ مفتی محمد عوض اور بریلی کے جہاد کے ساتھ بھی یہی ہوا، حالاں کہ وہ پہلے مجاہد تھے جنھوں نے روہیل کھنڈ (شمالی ہند) میں انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ان کے خلاف وسیع پیمانے پر سخت و شدید محاذ قائم کیا۔'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، ص: ۲۷)

مزید لکھتے ہیں: ''مفتی صاحب نے سب سے پہلے شمالی ہندوستان (روہیل کھنڈ) میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ علم جہاد بلند کر کے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور تحریک آزادی کی بنیاد رکھی۔'' (ایضاً، ص: ۲۹)

اب دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کسی کی انگریز مخالف جد و جہد کو اگر شاہ صاحب کے فتویٔ دارالحرب کی بنیاد بنانا ہے تو مفتی محمد عوض کے جہاد کو کیوں نہ بنایا جائے؟ سید احمد رائے بریلوی کی طرح مفتی صاحب نے انگریزی عمل داری میں جہاد نہ کرنے کا عذر پیش نہیں کیا، نہ وہ جہاد کے لیے انگریزی عمل داری سے باہر گئے اور نہ ہی سکھوں سے جہاد کیا، بلکہ اس کے برخلاف انگریزی عمل داری میں رہتے ہوئے براہ راست برٹش گورنمنٹ سے ٹکر لی اور جہاد کیا۔ اگر کوئی مؤرخ مفتی صاحب کے جہاد کو شاہ صاحب کے فتویٔ دارالحرب سے جوڑتا ہے تو ہر اعتبار سے چول ٹھیک ٹھیک بیٹھ جاتی ہے۔ مگر کوئی مؤرخ ایسا کیوں کرے؟ کیوں کہ نہ تو وہ شیخ طریقت ہیں جن کے مریدین و متوسلین کا بڑا حلقہ ہے اور نہ ہی کسی مسلکی نظریات کی نمائندہ شخصیت۔ اس لیے ان کے جہاد کو اہمیت دے کر ان کے مقصد و منشور پر تحقیق و تصنیف تو دور کی بات ہے، انھیں یاد رکھنا بھی گوارا نہیں کیا گیا۔

بالواسطہ انگریزی حکومت کی توسیع کا راستہ ہموار ہوا اور اس طرح تحریک کا پہلا دور اپنی تمام تر ناکامی کے ساتھ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے میدان میں سید صاحب کی شہادت پر ختم ہوا- دوسرا دور ۱۸۳۱ء سے شروع ہوکر ۱۸۴۰ء پر ختم ہوتا ہے، جس میں جماعتی لامرکزیت، افراتفری، عارضی جھڑپیں، مراجعت وطن اور انتقال مکانی اپنے عروج پر رہیں- تیسرا دور ۱۸۴۰ء سے شروع ہوتا ہے، جس میں سرحدی قبائل اور مسلمانوں سے کثرت سے جنگیں ہوئیں اور اختلافات رونما ہوئے، یہ دور ۱۸۶۱ء پر تمام ہوتا ہے- چوتھا دور ۱۸۶۲ء سے شروع ہوتا ہے اور بیسویں صدی کے ربع اول پر ختم ہوتا ہے- اس دور میں شب خونی معرکے، مقدمات، ماخوذات، جماعتی انتشار، مجاہدین میں سید صاحب کی غیبوبت اور ظہور ثانی کا غلط عقیدہ نیز ان کی بے عملی اور بدکرداری اپنی انتہا کو پہنچ گئی-

سید صاحب کی تحریک جہاد کے سلسلے میں مذکورہ دونوں طبقوں میں سے کسی ایک کے موقف کو حق کے متلاشی کے لیے من وعن قبول کر لینا مشکل ہوگا، جب تک تاریخ کا معروضی مطالعہ اسے کسی نتیجے تک نہیں پہنچا دیتا-

مؤرخین اور اہل قلم کی ایک کثیر تعداد یہ تسلیم کرتی ہے کہ ۱۲۳۲ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی تصنیف و اشاعت کے بعد متحدہ ہندوستان میں فکری انحرافات کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے مسلکی گروپ ازم کی تشکیل کی- مولانا ابوالحسن زید فاروقی کے مطابق:

> ''اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہل حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا-''
>
> (مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص:۹)

اس فکری گروپ ازم اور فرقہ بندی کا اثر بالواسطہ ہر شعبے پر پڑا- مسلمانوں کی یہ مسلکی تقسیم صرف نظریاتی اور فکری سطح تک محدود نہیں رہی، بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک انسٹی ٹیوشن کی شکل میں جتنے مدارس وجود میں آئے، مساجد تعمیر ہوئیں، تنظیمیں اور تحریکیں تشکیل پائیں، کتابیں لکھی گئیں ان سب پر مسلکی رنگ غالب رہا، کیونکہ ہر سطح اور ہر محاذ سے اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ اور دفاع کی کوششیں کی جا رہی تھیں- اس ماحول میں جب مسلم تحریکوں اور شخصیتوں کی تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تو مسلکی تقسیم کا اثر اس پر بھی پڑا- نتیجے میں تاریخ نویسی پر تاریخ سازی کا رنگ غالب آ گیا-

وقت پَر لگا کر اڑتا رہا، دن مہینوں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے گئے یہاں تک کہ تاریخ سازی کو محققین کی طرف سے تاریخی حقائق کا خلعت عطا کیا جانے لگا۔ اس عمل نے تاریخ کے بے شمار ناموروں اور مجاہدین کو گمنامی اور ایثار فراموشی کی سوغات دی تو معمولی افراد کو استخلاص وطن کا جانباز مجاہد، بطل حریت اور قائد سرفروشاں بنا دیا گیا۔

شاہ اسماعیل کی مذکورہ کتاب میں درج افکار وعقائد کو سید احمد رائے بریلوی کی عملی سرپرستی حاصل رہی تھی، بقول حکیم سید محمود احمد برکاتی:

> ’’سید صاحب کے ساتھ شاہ اسماعیل نے تقریباً ۱۸۱۷ء/۱۲۳۲ھ میں ایک مختصر ہنگامہ آرا رسالہ تقویۃ الایمان کے نام سے تحریر کیا۔‘‘
>
> (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص:۶۳)

اس پر مستزاد یہ کہ شاہ اسماعیل کے افکار وعقائد کو سید صاحب کی ’’تحریک دعوت واصلاح‘‘ کا مؤثر پلیٹ فارم بھی مل گیا، جس کے نتیجے میں جلد ہی مذکورہ عقائد کے ماننے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا۔ چوں کہ سید احمد رائے بریلوی، شاہ اسماعیل کے افکار وعقائد کے عملی سرپرست رہے اور شاہ اسماعیل ان کی تحریک دعوت وجہاد کے سپہ سالار اور بندۂ بے دام۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (ف:۱۹۷۹ء) لکھتے ہیں:

> ’’سید صاحب اور شاہ اسماعیل دونوں روحاً ومعناً ایک وجود رکھتے ہیں۔‘‘
>
> (تجدید واحیائے دین، ص:۷۷)

اس لیے سید احمد رائے بریلوی کی تاریخ لکھی گئی تو عقیدت اور مصلحت کے قلم سے نقش ونگار بھرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر (ف:۱۹۷۱ء) کا یہ اعتراف میرے دعوے کی توثیق کرتا ہے، جنہوں نے سید صاحب کی حیات اور تحریک پر سب سے زیادہ کام کیا ہے:

> ’’میں مجاہدین کی شان وآبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔‘‘
>
> (افادات مہر، ص:۲۳۱-۲۳۲)

مہر صاحب کے قلم سے غیر ارادی طور پر یہ جملہ نکلا ہے جو سید صاحب کی سیرت اور تحریک

کے تاریخی حقائق کی جہت متعین کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مہر صاحب مجاہدین کی شان و آبرو کو ہر حال میں کیوں قائم رکھنا چاہتے ہیں، خواہ حقیقت سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو؟ اس کا جواب خود انہی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

> ’’مجھے ابتدا ہی سے سید احمد شہید کے ساتھ ایک خاص دل بستگی تھی۔‘‘
>
> (ماہنامہ ’ماہ نو‘ کراچی، ص: ۵۵، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

مولانا ابوالحسن علی ندوی (ف: ۱۹۹۹ء) کی دو جلدوں پر مشتمل کتاب ’’سیرت سید احمد شہید‘‘ بہت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے اور سیرت سید احمد رائے بریلوی پر لکھی جانے والی بعد کی تمام کتابوں کا ماخذ رہی ہے، اس کتاب پر مولانا علی میاں ندوی کے رفیق خاص مولانا مسعود عالم ندوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’افسوس کہ میرے عزیز ترین دوست اور مخلص بھائی (مولانا ابوالحسن ندوی) کا طریق نظر و فکر خالص عقیدت مندانہ ہے اور انہوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور فروگزاشتوں سے نگاہ بچا کر نکل جانے کی کوشش کی ہے۔‘‘
>
> (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۸)

خود مولانا علی میاں نے سید صاحب سے اپنی والہانہ عقیدت کا اعتراف متعدد مقامات پر کیا ہے، فرماتے ہیں:

> ’’سید صاحب سے تعارف کرانے میں اور ان سے عقیدت اور ان کی عظمت پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ میرے برادر معظم و مربی ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی صاحب مدظلہ کا ہے، جن کو سید صاحب کی ذات سے والہانہ تعلق ہے۔‘‘ (سیرت سید احمد شہید، جلد: اول، ص: ۲۲)
>
> مزید فرماتے ہیں:
>
> ’’والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئی قلبی اور ذہنی طور پر سید صاحب کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، مجھ پر سب سے گہرا اثر ان کی ایک قلمی کتاب ’’ارمغان احباب‘‘ کا پڑا۔‘‘ (ایضاً، ص: ۲۲)

یہاں تک کہ سید صاحب سے دلی وابستگی کی وجہ سے اپنی کتاب (سیرت سید احمد شہید) کو اپنے ''نقوش قلم میں اولین مقام'' قرار دیتے ہیں:

> ''سیرت سید احمد شہید'' اس بے بضاعت کی عزیز ترین متاع اور ایک بڑی محسن کتاب ہے، اس کم سواد نے ہزاروں صفحات سیاہ کیے اور بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں، لیکن جس ذوق وشوق سے یہ کتاب لکھی، کوئی کتاب نہیں لکھی............اس کو مصنف کی خودغرضی کہیے یا جذبۂ شکرگزاری کہ وہ اس کتاب کو اپنے نقوش قلم میں اولین مقام دیتا ہے۔'' (ایضاً، ص: ۳۰/۲۹)

مولانا مسعود عالم ندوی نے مولانا علی میاں ندوی کے تعلق سے جس عقیدت وارادت کی شکایت کی ہے خود وہ بھی اس کیفیت سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

> ''مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم خاندان صادق پور کے ذریعے سید صاحب کی ذات سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔'' (ایضاً، ص: ۲۴)

سید صاحب سے ایسی موروثی عقیدت اور وارفتگی کے ساتھ ان کی تاریخ کو تمام تر حقائق، دیانت اور انصاف کے ساتھ صفحہ قرطاس پر اس طور پر منتقل کرنا کہ جس سے ان کی عظمت وسطوت، کشف والہامات اور کردار ونظریات پر حرف آ سکتا ہو، ممکن نہیں رہ جاتا۔ تاریخ نویسی اور تحقیق کے تقاضے لاکھ احتیاط کا مطالبہ کریں، مگر قلم، دل وفا پیشہ کے ہاتھوں مجبور ہو ہی جاتا ہے۔

سید احمد رائے بریلوی کی تاریخ نویسی میں عقیدت وارادت کا شکوہ معروف محقق ڈاکٹر ایوب قادری نے بھی کیا ہے:

> ''سید احمد شہید بریلوی کی تحریک پر جعفر تھانیسری، ابوالحسن علی ندوی اور غلام رسول مہر نے کام کیا ہے، سب سے زیادہ ضخیم کام مہر مرحوم کا ہے، انہوں نے سید صاحب کے خطوط اور ہم عصر مفصل کتاب ''منظورۃ السعداء'' سے خوب کام لیا ہے، ان بزرگوں نے عقیدت وارادت کے قلم سے حسین

> تصویر کشی کی ہے۔ ضرورت تھی کہ سیاسی و تاریخی پس منظر میں اس تحریک کا مطالعہ و تجزیہ کیا جاتا۔"

(سہ ماہی روشن، بدایوں، ص: ۳۵/ ۳۶، جنوری تا مارچ ۱۹۸۴ء)

حالاں کہ ایوب قادری مرحوم نے سید صاحب کی تاریخ قلم بند کرنے کے سلسلے میں مذکورہ بزرگوں سے جس عقیدت و ارادت کا شکوہ کیا ہے خود ان کا قلم بھی اسی عقیدت میں سرشار رہا ہے۔ اسی عقیدت اور مسلکی گروپ ازم کا نتیجہ تھا کہ سید صاحب کو حکومت انگلشیہ کا مخالف ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ان علما کو انگریز نوازی کا ملزم محض اس لیے قرار دے دیا گیا کہ مذہبی امور میں وہ سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار و نظریات کے حامی نہیں تھے۔ ایوب قادری لکھتے ہیں:

> "جس وقت اللہ کے یہ فرماں بردار بندے (سید صاحب اور ان کے رفقا) دین و ملت کی خاطر میدان جہاد میں اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے۔ اس زمانے میں اس تحریک کے سب سے زیادہ مخالف مولانا فضل حق خیر آبادی (ف: ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سر رشتہ دار اور مولوی فضل رسول بدایونی (ف: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) کلکٹری بدایوں (سہسوان) میں سر رشتہ دار تھے، حکومت برطانیہ کی دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم و فضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کر لیا۔"

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، ص: ۵۵/ ۵۶)

اس اقتباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب اور ان کے رفقا میدان جہاد میں انگریزی حکومت کے خلاف برسر پیکار تھے جب کہ مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل رسول بدایونی اور دیگر بہت سے علما محض انگریزی حکومت میں چاکری کر کے ان کا تعاون کر رہے تھے۔ جب کہ تاریخی حقیقت یہ ہے اور اس کا اعتراف مولانا مہر، مولانا ابوالحسن ندوی اور ایوب قادری سمیت سبھی مؤرخوں کو ہے کہ سید صاحب اور ان کے اصحاب سرحد پر سکھوں کے خلاف نبرد آزما رہے اور سید صاحب کی ساڑھے چار سالہ سرحدی زندگی میں کوئی معمولی جھڑپ بھی انگریزی حکومت کے ساتھ

نہیں ہوئی-

دوسری طرف معاصر شواہد اور دستاویز سے یہ ثابت ہے کہ مولانا فضل حق چند سال انگریزی حکومت میں سررشتہ دار رہے، لیکن اپنی پوری زندگی انگریزوں سے نفرت و عداوت میں گزاری، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے معرکے میں انگریزی حکومت کے خلاف کافی جوش و ولولے کے ساتھ فکری اور عملی حصہ لیا اور پھر اس جرم کی پاداش میں اسیر انڈمان ہو کر نہایت درد و کرب میں آخری سانس لی- حیرت ہے کہ اس کا اعتراف خود ایوب قادری نے اسی کتاب میں کیا ہے:

''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا''

(ایضاً، ص: ۴۳۸)

مگر ارادت کے زیر اثر ان کے قلم نے اس تاریخی حقیقت کو الٹ کر رکھ دیا- اگر مولانا فضل حق خیر آبادی اور دیگر علما کا یہی جرم ٹھہرا کہ انہوں نے انگریزی حکومت میں ملازمت اختیار کی تو اس جرم کے مرتکب سید صاحب کے تربیت یافتہ مرید و خلیفہ اور تحریک جہاد کے سپہ سالار مولوی عبدالحئ بڈھانوی (ف: ۱۸۲۸ء) بھی تھے، جو ایک عرصے تک میرٹھ کی عدالت میں مفتی اور منصف رہے-

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ مؤرخین نے جب سید احمد صاحب کی سیرت و تحریک کی تاریخ قلم بند کرنا شروع کی تو دو ایسے کام کیے جو تحقیقی دیانت سے ماورا تھے-

وہ دو کام یہ تھے:

(۱) ان قدیم مآخذ کو یکسر نظر انداز کر دیا جو ان کے دسترس میں تو تھے، مگر ان کے مفروضہ موقف کی تائید نہیں کرتے تھے- مثلاً ''تاریخ تناولیاں'' از سید مراد علی علی گڑھی منشی دربند، ہزارہ، ''اشرف نامہ'' از ٹھاکر اشرف علی خان اور ''سوانح میر تیتو شہید'' از میر تیتو-

اول الذکر ''تاریخ تناولیاں'' کو سید مراد علی علی گڑھی نے اس وقت لکھا جب وہ اکتوبر ۱۸۷۲ء میں سرحدی علاقہ تنول میں منشی کی حیثیت سے مامور کیے گئے- وہاں پہنچ کر انھوں نے کتب تاریخ اور ان عمر رسیدہ حضرات سے معلومات حاصل کر کے ۱۸۷۵ء میں مذکورہ کتاب لکھی، جنھوں نے سید صاحب کی تحریک جہاد کو قریب سے دیکھا تھا- یہ اہم کتاب مولانا غلام رسول مہر کے ذاتی

کتب خانے میں موجود تھی، مگر انھوں نے اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا، کیوں کہ اس کتاب سے، تحریک کے سلسلے میں جوان کا موقف تھا، وہ کمزور ہو رہا تھا- ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی نے خط لکھ کر ''تاریخ تناولیاں'' کے بارے میں مہر صاحب سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ:

> '''تاریخ تناولیاں' میرے پاس ہے —— چھوٹی سی کتاب ہے، کتابوں میں کہیں دھری ہے، ذرا فراغت پاؤں تو نکال کر آپ کو بھیج دوں گا —— کتاب بازار میں ناپید ہے، پرانی کتابوں میں اتفاق سے مل جائے تو مل جائے، ورنہ امید نہیں کہ ہاتھ آئے-'' (افادات مہر، ص:۱۹۸)

'تاریخ تناولیاں' پہلی بار ۱۸۷۵ء میں شائع کی گئی، اس کے سو برسوں بعد ۱۹۷۵ء میں مکتبہ قادریہ لاہور نے اسے شائع کیا- محمد عبدالقیوم جلوال تناولی نے کتاب کا تعارف لکھا اور یہ شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکے کہ:

> ''افسوس کہ ان بہادر اور غیور تناولی مسلمانوں کے مجاہدانہ معرکوں کو کما حقہ محفوظ نہ کیا گیا- مشہور مؤرخ غلام رسول مہر نے ''تحریک بالاکوٹ'' کا جائزہ لیتے ہوئے نہ معلوم کس مصلحت کے تحت ''تاریخ تناولیاں'' ایسے قدیم ماخذ کو یکسر نظر انداز کر دیا- غالباً یہ کتاب ان کی خود ساختہ کہانی کے مطابق نہ تھی-'' (تاریخ تناولیاں، ص:۲)

ثانی الذکر کتاب ''اشرف نامہ'' کوٹھا کر اشرف علی خان نے لکھا، جس میں انھوں نے اپنے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں- اشرف علی ۱۸۰۹ء سے اخیر تک مالوہ میں رہے، پنڈاریوں خصوصاً نواب امیر خاں سے ان کے خاص تعلقات تھے- وہ نواب کے ساتھ بھی رہے- یہ وہی دور ہے جب سید احمد رائے بریلوی نواب امیر خاں کی آزاد فوج میں سوار کی حیثیت سے شامل تھے-

اسی طرح ''سوانح میر تیتو شہید'' میر نثار علی عرف تیتو جؔ کے زمانے میں سید صاحب سے بیعت ہوئے اور پھر ان کی خدمت میں رہنے لگے- بنگال میں سید صاحب کی مقبولیت میں ان کا بڑا حصہ ہے- اس کتاب سے بھی سید صاحب کی تحریک پر خاصی روشنی پڑتی ہے- مگر مذکورہ دونوں کتابوں کو بھی نظر انداز کیا گیا- علی برادران کے رفیق خاص اور حکومت اتر پردیش کے پارلیمنٹری

سیکریٹری مولانا وحید احمد مسعود (ف: ۱۹۷۷ء) لکھتے ہیں:

> ''افسوس یہ ہے کہ نئے سوانح نگاروں نے اور خصوصاً جناب غلام رسول مہر صاحب جیسے محقق نے اشرف نامہ اور سوانح میر تیتو شہید کو کیوں نظر انداز کر دیا، حالاں کہ یہ دونوں کتابیں سید صاحب کے سوانحوں کی مستند و مضبوط کڑی ہیں- (سید احمد شہید کی صحیح تصویر، ص: ۱۶۳)

(۲) وہ قدیم اور مستند کتابیں جنھیں نظر انداز کرنا مشکل تھا، انھیں تو بطور حوالہ شامل کر لیا گیا، لیکن ان کتابوں سے انہی واقعات و بیانات کو لیا گیا جن سے سید صاحب اور ان کی تحریک کے اعلیٰ کردار و محاسن، ایثار، جفاکشی اور بے لوثی کا اظہار ہوتا ہو- وہ مسائل جن سے تحریک کی ناکامی، بے بصیرتی، تشدد اور بدعملی اجاگر ہوتی ہو، ان سے آنکھیں پھیر لی گئیں-

دراصل سید احمد بریلوی اور ان کی تحریک جہاد کی تاریخ کے ساتھ بڑی زیادتی یہ ہوئی کہ ان کے جتنے بھی اولین مؤرخ اور سوانح نگار گزرے، سید صاحب سے ان کا تعلق یا تو خاندانی و نسبی رہا یا پھر عقیدت و ارادت کا، جس کی وجہ سے ان کی تاریخ و سوانح ''حقائق کے اظہار'' سے زیادہ غلو مندانہ عقیدتوں کا مرقع بن کر رہ گئی- ذیل میں اُن اہم کتابوں کی فہرست اور ان کے لکھنے والوں کا سید صاحب سے والہانہ تعلق ملاحظہ ہو:

۱- مخزن احمدی از: مولوی سید محمد علی
(سید احمد رائے بریلوی کے بھانجے، مرید اور سفر حج و جہاد کے رفیق)

۲- منظورۃ السعداء از: مولوی سید جعفر علی
(سید صاحب کے منشی، مرید اور جہاد کے ساتھی)

۳- وقائع احمدی از: مریدین و خلفا
(نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کے حکم سے ان کی سرپرستی میں یہ کتاب ترتیب دی گئی جو سید صاحب کے مرید، خلیفہ، معاون اور عقیدت مند تھے)

۴- سوانح احمدی از: مولوی جعفر تھانیسری
(سید صاحب کے خلیفہ کے مرید اور تحریک جہاد کے خاص رکن اور راز دار)

۵- تواریخ عجیب از: مولوی جعفر تھانیسری
۶- سیرت سید احمد شہید از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
(سید صاحب کے خاندان کے ایک فرد اور عقیدت مند)
۷- ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از: مولانا مسعود عالم ندوی
(سید صاحب کے عقیدت مند)
۸- سید احمد شہید از: مولانا غلام رسول مہر
(سید صاحب کے عقیدت مند)
۹- جماعت مجاہدین از: مولانا غلام رسول مہر
۱۰- سرگزشت مجاہدین از: مولانا غلام رسول مہر

مولانا وحید مسعود نے ۱۹۶۵ء میں ایک کتاب ''سید احمد شہید کی صحیح تصویر''، لکھی تھی، اس کی تصنیف کے دوران جب مذکورہ کتابوں میں سے اکثر کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے:

> ''ان سب کتابوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے اور موازنہ کیا جائے تو دماغ چرخ ہوکر رہ جاتا ہے اور کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل داستان طلسم ہوشربا کا نمونہ ہے، ہر مصنف نیا ترانہ الاپ رہا ہے۔ ان حضرات نے محض اپنے نظریہ اور عقیدت کے مطابق روایات کا انتخاب کیا ہے اور بقیہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔''
>
> (سید احمد شہید کی صحیح تصویر، ص: ۱۷)

* * *

تحریک جہاد کا منشور: ایک مطالعہ

شاہ اسماعیل دہلوی کے شیخ و مربی سید احمد رائے بریلوی نے انیس ویں صدی کے ربع اول میں جہاد کی تحریک چلائی اور پھر اپنے خلفا اور مریدین کو لے کر ۱۸۲۶ء میں سکھ حکومت کے خلاف جہاد کے لیے انگریزی عمل داری سے باہر علاقہ سرحد چلے گئے، جہاں ۱۸۳۱ء میں وہ اور ان کے سیکڑوں مریدین و خلفا بشمول شاہ اسماعیل دہلوی سکھوں سے لڑتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ مگر سید صاحب کے بعد ان کی چلائی ہوئی تحریک جہاد اور اس سے وابستہ جماعت مجاہدین بیس ویں صدی کے ربع اول تک کسی نہ کسی شکل میں سرحد پر موجود رہی، نیز ہندوستان میں اس تحریک کے مراکز دہلی، ٹونک اور صادق پور (پٹنہ) بنام جہاد افراد اور مال و زر کی فراہمی کے لیے مدتوں سرگرم رہے۔

۱۹۳۰ء کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ف: ۱۹۹۵ء) نے سید صاحب کی مبسوط سیرت لکھنے کا آغاز کیا اور پہلی بار تحریک کا اس حیثیت سے نمایاں تعارف کرایا کہ یہ تحریک انگریزی مخالفت پر استوار ہوئی تھی اور اس کا اصل ہدف سکھوں سے نہیں بلکہ انگریزی حکومت سے جہاد تھا تاکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی جا سکے☆۔ اس کے بعد معروف مؤرخ مولانا غلام رسول مہر (ف: ۱۹۷۱ء) نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس تعارف کو مزید رنگ و آہنگ اور تسلسل

☆ ”ایک صاحب حمیت و عزم انسان (سید رائے بریلوی) جس کے سینے میں حمیت اسلامی کا دریا موجزن ہو اور جس کے ساتھ مخلصین و صادقین اور جانبازوں کی ایک منتخب جماعت ہو، وہ اپنا کام ایسے رخ سے شروع کرے، جہاں ایک طرف وہ اس عظیم الشان طاقت کو صحیح مصرف پر لگائے، دوسری طرف پنجاب کے ان مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے، جو ظلم کی اس چکی میں پس رہے تھے، ہندوستان کی طرف بڑھے اور اس ملک کو فرنگی تسلط سے آزاد کراتا ہوا صحیح اسلامی حکومت قائم کرے۔“ (سیرت سید احمد شہید، ابوالحسن علی ندوی، جلد: اول، ص: ۴۱۵)

کے ساتھ کئی جلدوں میں پیش کیا☆ - پھر تو ایک سلسلہ چل پڑا اور ایک منظّم تحریک کی شکل میں تحریک جہاد کے مذکورہ تعارف کو مختلف اسالیب و رنگ میں پیش کیا جانے لگا☆☆ - اب اس تعارف کو اس قدر قبولیت حاصل ہوگئی ہے کہ اس کے بالمقابل تحریک جہاد کے کسی دوسرے تعارف کو ''مسلکی تعصب'' اور ''دیوانے کی بڑ'' سمجھا جانے لگا ہے - ادبیات سید احمد رائے بریلوی اور تحریک جہاد کے مطالعے کے دوران مجھے شدت سے احساس ہوا کہ سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد کے منشور اور ہدف کو غیر جانب دارانہ پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انگریز مخالف حقیقی جاں بازوں کے چہرے سامنے آسکیں اور مسلکی جذبات کے زیر اثر لکھی گئی اس تاریخ کے حقیقی خد و خال نمایاں ہوسکیں -

کسی بھی تحریک کے منشور یا نصب العین سے باخبر ہونے کے دو ہی ذرائع ہوسکتے ہیں:

(۱) معاصر دستاویز اور مآخذ، یا (۲) تحریک کی عملی سرگرمیاں -

اول الذکر سے اگر متعینہ طور پر تحریک کے نصب العین یا منشور کا سراغ نہیں ملتا تو پھر دوسرے ذریعے یعنی تحریک کی معلوم سرگرمیوں اور عملی نظریات کی بنیاد پر تحریک کا رخ اور منشور متعین کیا جائے گا -

اب دیکھنا یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کی ''تحریک جہاد'' کے سلسلے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا غلام رسول مہر اور ان کے متبع مؤرخین نے تحریک جہاد کا جو نصب العین اور منشور بیان کیا ہے وہ مذکورہ دونوں ذرائع کی بنیاد پر ہے یا دونوں میں سے کسی ایک پر -

---

☆ ''ہندوستان کے کسی حصے میں بیٹھ کر شرعی جہاد کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی اور انہوں (سید رائے بریلوی) نے خود تمام پہلوؤں پر طویل و عمیق غور و فکر کے بعد مرکز کے لیے علاقہ سرحد تجویز کیا تھا، اس سلسلے میں سکھوں سے ٹکر ناگزیر ہوگئی -'' (سید احمد شہید، غلام رسول مہر، ص: ۲۶۷)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''کس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے یا استخلاص بلاد اسلام کے سلسلے میں سکھوں کو انگریزوں پر ترجیح دے سکتے تھے؟'' (ایضاً، ص: ۲۴۴)

☆☆ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''سید صاحب کو بدو شعور ہی سے جہاد کا شوق تھا اور یہ عزم جہاد مسلسل قائم رہا - یہ محض اتفاق تھا کہ جس مقام کو انہوں نے اپنا مستقر بنانے کا فیصلہ کیا، وہاں سکھوں سے پہلا مقابلہ پیش آیا -''

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۲۶)

قدیم اور مستند مآخذ میں تحریک جہاد کا نصب العین اور منشور:

مخزن احمدی:

سید صاحب کے بھانجے مولوی سید محمد علی☆ (ف: ۱۲۴۵ھ/ ۲۹-۱۸۳۰ء) کی فارسی تصنیف ہے- یہ کتاب سید صاحب کی پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور بہت اہم اور مستند ماخذ تسلیم کی گئی ہے- ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء میں پہلی بار مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی- اس میں سید صاحب کی تحریک جہاد کے تعلق سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے:

> ہجرت از دار الحرب بدار الاسلام و جہاد با کفرہ لیام وارتفاع اعلام اسلام و اشاعت اظہار دین پیغمبر علیہ السلام در ہر مواطن و مقام و در جذر قلب آن زبدۃ الکرام مخمر و مجبول بود، بذور وجوب این نیت عظمیٰ در کشت زار طبیعت مستتر و مخفی می بود، درایں والا کہ سنین عمر شریف باربعین رسیدہ بحکم بفحوائے آیۃ کریمہ **ولما بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنة** آلایۃ، ہمگین اغصان واوراق شجرہ طیبہ کہ موصوف بہ **اصلها ثابت و فرعها فی السماء** بہ احسن وجوہ سر برآوردہ مستعد ثمر آوری گردید، بموجب آنکہ مصرعہ کہ عشق و مشک را نتوان نہفتن تا دو سال کامل در تجہیز جیوش واتبیاع آلات حرب مثل تیر و تفنگ و گرد آوری رفقاء جویائے نام و ننگ مستعد و سرگرم بودند و درین مدت مسطورہ اکثر از زبان فیض ترجمان ارشاد میکردند کہ بتعداد اصحاب بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین یاران صادق و دوستان موافق یکجا شوند، ظہور این امور از قوت بفعل آید و این شاہد غیبی از جلباب احتجاب اختفا رونماید و درین مدت مسطور صبح و شام علی الدوام بہر منزل و مقام پیش ہر کرام ولیام

☆مولوی سید محمد علی کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ: ''(سید صاحب کے ساتھ) حج سے مراجعت پر غالباً اپنے پہلے مشاغل میں مصروف رہے، سفر ہجرت میں سید صاحب کے ساتھ نہ گئے، جس زمانے میں سید صاحب بنیر وسوات کا دورہ کر رہے تھے تو مجاہدین کا قافلہ لے کر سرحد پہنچے اور مختلف جنگوں میں شریک رہے، جنگ امب میں اس فوج کے سالار تھے، جس نے ستھانہ کی جانب پیش قدمی کی تھی، سید صاحب مشوروں میں بھی انہیں شریک رکھتے تھے-'' (جماعت مجاہدین، ص: ۱۳۲)

وعظ وتذکیر در فضائل ہجرت جہاد آن حضرت وخلفاء ایشان بیان میکردند و خطوط بجمیع احباء واخلاء کہ قبل ازین در امکنہ متعددہ مثل عقبہ اولی کہ در منا واقع است و در حدیبیہ کہ در راہ جدہ کہ بیعۃ الرضوان از صحابہ کرام در آنمقام بوقوع انجامید بیعت جہاد نمودہ بودند ارسال فرمودند۔‘‘

(مخزن احمدی، ص:۱۱۷)

ترجمہ: ’’دار الحرب سے دار الاسلام کی جانب ہجرت، کفار کے ساتھ جہاد، اسلامی پرچم کی سربلندی ہر جگہ اور ہر مقام پر، دین پیغمبر علیہ السلام کا اظہار واشاعت آپ کے دل میں فطری طور پر موجود تھی اور اس نیت عظمیٰ کے بیج آپ کی کشت طبیعت میں پوشیدہ تھے، جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کو پہنچی تو آیت کریمہ ’’**ولما بلغ اشدّہ**‘ اور ’’ **بلغ اربعین سنۃً**‘‘ الآیۃ کے حکم کے مطابق اس شجرۂ طیبہ (کہ جو ’’**اصلها ثابت وفرعها فی السماء**‘‘ کی شان سے متصف تھا) کے برگ وبار بہ احسن وجوہ نکلے اور ثمر آوری کے لیے تیار ہو گئے۔ اس مصرعے کے بہ موجب کہ:

عشق ومشک رانتواں نہفتن (عشق ومشک کو چھپایا نہیں جا سکتا)

دو سال تک لشکر اور آلات حرب کی تیاری مثلاً تیر ونیزہ وغیرہ اور رفقا کی تربیت میں مستعد وسرگرم رہے اور اس مدت مذکورہ میں اکثر زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے کہ ’’اصحاب بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین یارانِ صادق اور دوستان موافق جمع ہو جائیں گے اور ان امور کا ظہور ہوگا اور یہ شاہد غیبی پردۂ خفا سے ظاہر ہوگا‘‘ اور اس مدت مذکورہ میں صبح وشام ہر منزل اور ہر مقام پر ہر ایک کے سامنے آپ اور آپ کے خلفا ہجرت وجہاد کے فضائل میں وعظ وتذکیر کرتے اور اپنے ان تمام احباب کو خطوط ارسال فرماتے جو اس سے پہلے متعدد مقامات مثلاً عقبیٰ اولیٰ (جو منیٰ میں واقع ہے) اور حدیبیہ (جو جدہ کے راستے میں واقع ہے جہاں صحابہ کرام سے

بیعت رضوان کی گئی تھی) پر بیعت جہاد لے چکے تھے۔‘‘

اس کتاب میں جہاد کے تعلق سے صرف عزم وارادہ اور اس پر بیعت وتذکیر کے علاوہ مزید کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء:

دوسرا اہم اور مستند ماخذ ہے، یہ فارسی مخطوطہ ہے، جسے سید صاحب کے منشی سید جعفر علی نقوی (ف: ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء) نے ۱۸۵۵ء میں لکھا ہے۔ اس کے متعدد قلمی نسخے مولانا ابوالکلام آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک (راجستھان) میں محفوظ ہیں، انہی نسخوں میں سے ایک کا عکس شبلی نعمانی لائبریری، ندوۃ العلما لکھنؤ میں ہے اور ندوہ کے اسی نسخے کا عکس اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔ اس میں بھی جہاد کی غرض وغایت، حکومت الٰہیہ کے قیام کا منصوبہ، انگریزی حکومت کے استیصال کے ارادے اور قیام جہاد کی اسٹریٹجی کا کوئی ذکر تو نہیں ملتا ہے۔ البتہ مجموعی طور پر جہاد کے فضائل پر اس نوعیت کی باتیں ہیں:

> ’’اے مسلمانان بدانید کہ ایں مقام جہاد است کہ برائے آں ہر کسے کہ بایں سو روانہ کردیدہ ونیت اعلائے کلمۃ اللہ نمود، ہر قدم کہ برائے ایں عبادت بایں طرف می نہاد بسوئے جنت می نہاد ہر کہ درراہ مرد بجنت رفت وہر کہ درایں جا رسیدہ وفات یافت بجنت رفت وآں کہ ازایں جا روگردان شدہ ازایں مقام گریز کرد راہ دوزخ اختیار نمود میرد بدوزخ رود۔‘‘
>
> (منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء، ورق: ۱۱۹، ۱۲۰)
>
> (اے مسلمانو! جان لو کہ یہ جہاد کی جگہ ہے، ہر وہ شخص جو اس جانب روانہ ہو اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت کرے تو ہر قدم جو اس عبادت کے لیے اس جانب اٹھے گا وہ قدم جنت کے راستے میں اٹھے گا، جو شخص بھی راستے میں فوت ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا اور جو یہاں پہنچ کر وفات پائے گا وہ بھی جنت کو جائے گا اور جو اس جگہ سے روگردانی اور اس مقام سے گریز کرے گا وہ گویا جہنم کا راستہ اختیار کرے گا، اگر مرے گا تو جہنم میں جائے گا۔)

وقائع احمدی:

تیسرا اہم اور سب سے تفصیلی ماخذ ''وقائع احمدی'' ☆ ہے جو سید صاحب کے رفقا اور خدام کے چشم دید روایتوں پر مشتمل ہے اور تقریباً پونے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی ترتیب کا کام ۱۲۷۴ھ سے شروع ہوا- یہ کتاب بھی اپنی تمام تر جزئی تفصیلات کے باوجود تحریک جہاد کی غرض و غایت کی تعیین، انگریزی حکومت کے استیصال کے ارادے اور قیام جہاد کی منصوبہ بندی کے ذکر سے خالی ہے- پوری کتاب میں جہاد کے تعلق سے اگر کچھ ملتا ہے تو وہ اس کی فضیلت کا بیان ہے یا پھر معتقدین کو اس کی تلقین و ترغیب- مشتے نمونہ از خروارے دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

سید احمد رائے بریلوی مختلف علاقوں کے دورے سے کافی عرصے کے بعد ماہ شعبان ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء میں اپنے وطن تکیہ رائے بریلی پہنچے، معتقدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی، یہ جماعت آپ کی توجہ سے پورے شعبان اور رمضان میں عبادات و ریاضات اور مراقبات میں مشغول رہی، لیکن رمضان کے بعد ان چیزوں کی طرف سید صاحب کی توجہ کم ہو گئی، اس طرح چار مہینے گزر گئے، اس پر تمام حاضر باشوں کو تردد ہوا، آخر مشورے کے بعد سبھوں نے سید صاحب سے اپنے تردد کا اظہار کیا، مگر سید صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، پندرہ دنوں کے بعد دوبارہ لوگوں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا، اس بار بھی آپ خاموش رہے- کچھ دنوں کے بعد آپ نے خود ہی اپنے ایک مرید مولوی یوسف کو مخاطب کر کے کہا:

> ''یوسف جی! جس بات کا یہاں لوگوں نے دو بار ہم سے سوال کیا تھا سو ان دنوں دوسرا کام اس سے افضل ہمارے درپیش ہے، اب اس کی طرف ہمارا دل مشغول، وہ کام کون ہے یعنی کوشش جہاد فی سبیل اللہ کی، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں ہے، اس واسطے وہ کام یعنی تحصیل علم

☆ یہ کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہے جس کے متعدد قلمی نسخے مختلف لائبریریوں مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک اور رضا لائبریری رام پور وغیرہ میں موجود ہیں، اس کو پہلی بار ۲۰۰۷ء میں سید احمد شہید اکیڈمی لاہور نے ایک جلد میں، مولانا رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے- یہی مطبوعہ نسخہ اس وقت راقم کے پیش نظر ہے جو ۲۷۴۷ صفحات پر محیط ہے- اس کی قدیم طرز تحریر اور کتابت کو دیکھ کر اندازا ہوتا ہے کہ یہ مخطوطے کا عکسی ایڈیشن ہے یا پھر اس کی نقل- **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

سلوک اس کام کے تابع ہے، اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے اور تمام رات زہد و ریاضت گزارے اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے، اور دوسرا شخص نیت جہاد سے ایک ساعت رات یا دن کو زنجک اڑادے کہ مقابلہ کفار میں آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبہ کو ہرگز نہ پہنچے گا اور وہ کام (زہد و ریاضت) اس وقت کا ہے جب اس کام (جہاد) سے فارغ البال ہو اور اب جو پندرہ سولہ روز سے دوسرے انوار کی ترقی نماز یا مراقبہ میں معلوم ہوتی ہے وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے کہ کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیراندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدگا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پیلتا ہے، اگر ہم اس کام (زہد و مراقبہ) کی اس وقت تعلیم کریں تو یہ ہمارے بھائی لوگ اس کام (جہاد) سے جاتے رہیں اور یوسف جی تم خود اپنے ہی حال کو خیال کرو کہ گردن ڈالے ہوئے ایک سکوت کے عالم میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمل اوڑھے مسجد

(پچھلے صفحے کا بقیہ) اس کتاب پر اپنے مقدمے میں مولانا رابع ندوی نے ذکر کیا ہے کہ: ''یہ کتاب اس جماعت کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے جس کو نواب وزیر الدولہ مرحوم (والی ریاست ٹونک) نے سید صاحب کی وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے لیے مقرر کیا تھا، اس میں سید صاحب کے بعض خاص اعزہ، آپ کے رفقائے سفر و جہاد اور آپ کے خدام تھے، ہر ایک اپنی معلومات اور چشم دید واقعات بیان کرتا اور کاتب اس کو لکھ لیتا، یہ مجموعہ حضرت سید صاحب اور ان کی دعوت و تحریک سے متعلق مراجع میں سب سے وسیع ذخیرہ رکھتا ہے''۔ (مقدمہ وقائع احمدی، مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۷ء)

اس کتاب کے مطالعے کے دوران اس کی تاثیر کے تعلق سے اپنی وارفتگی کا اظہار مولانا ابوالحسن ندوی نے یوں کیا ہے: ''میں نے ''وقائع احمدی'' کے اس دفتر کو جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، لفظ بلفظ پڑھنا شروع کیا، جو وقت اس ذخیرے کے مطالعے اور تلخیص میں گزرا وہ عمر کے بیش قیمت ترین لمحات میں سے تھا، قلب پر ان حالات و واقعات کا عکس پڑتا تھا، ان واقعات نے جو بالکل سادی پوربی اردو میں بیان کیے گئے تھے، بارہا دل کے ساز کو چھیڑا، بارہا قلب کو ایمانی حرارت بخشی، بارہا آنکھوں کو غسل صحت دیا اور اہل یقین و مقبولین کی صحبت کے جو اثرات بیان کیے گئے ہیں ان واقعات کے مطالعے اور ان کتابوں کی ورق گردانی کے دوران میں ان کا بارہا تجربہ ہوا۔''

(سیرت سید احمد شہید، ۱/۲۶، ۲۷)

> کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرہ میں بیٹھا ہے کوئی جنگل میں جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے میں گڈھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا دشوار ہے، تم ہمارے بھائی لوگوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کاروبار (جہاد) میں دل لگاؤ یہ تمہارے واسطے اس سے بہتر ہے، پھر مولوی محمد یوسف صاحب نے یہی تقریر ان لوگوں سے جا کر کی کہ حضرت یوں ارشاد کرتے ہیں، سب نے کہا حضرت علیہ الرحمۃ کا فرمانا ہم کو منظور ہے، اب ہم اسی کام میں مشغول ہوں گے۔‘‘
>
> (وقائع احمدی، ص: ۴۴۹ تا ۴۵۱)

اس طویل گفتگو میں سید صاحب جہاد کی فضیلت بتا رہے ہیں اور ترغیب بھی دے رہے ہیں، مگر اس کی غرض، نوعیت اور منصوبے کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ جہاد کی فکر میں مہینوں سے سید صاحب مراقبات اور ریاضات کی طرف متوجہ نہیں ہیں، پوری جماعت متردد ہے، سوالات کر رہی ہے، مگر سید صاحب خاموش ہیں، مہینوں کے بعد جواب ملا بھی تو وہ صرف فضیلت اور ترغیب پر مشتمل تھا، اس کے آگے نہ کسی نے کچھ پوچھا اور نہ سید صاحب نے کچھ بتایا۔ اس پوری تحریک میں یہ صورت حال ہر مقام پر نمایاں ہے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ سید صاحب کے ایک معتقد میر امید علی کے ساتھ پانچ آدمی سید صاحب سے ملنے آئے، سید صاحب نے انھیں ’’توجہ‘‘ دلوائی، معاشی خوش حالی کے لیے تبرکاً کچھ روپے دیے اور پھر فرمایا:

> ’’اللہ تعالیٰ تم کو روزی کی فراغت دیوے تو نیت خالص جہاد فی سبیل اللہ کی رکھنا، خواہ جان سے خواہ مال سے اور جو نیت خالص نہ ہوگی تو تمہارے حق میں نقصان ہوگا، اس بات کو خوب سمجھ لو۔ انہوں (لوگوں) نے عذر کیا کہ نیت جہاد کی اگر اپنے جانے سے کریں اور جاویں تو یہاں اہل و عیال کی ہمارے کون خبر لیوے اور کون کھانا کپڑا دیوے اور جو نیت جہاد مالی کی کریں تو مال ہمارے پاس کہاں ہے، فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو مال و

> دولت دیوے تب تم پر حکم ہے بغیر اس کے نہیں، پھر سب نے اس کا عہد کیا
> ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کریں گے-'' (وقائع احمدی، ص: ۳۹۳/۳۹۴)

یہ صرف دو مثالیں ہیں، ڈھائی ہزار صفحات کے اس وقیع دستاویز کے مطالعے سے جہاد کے سلسلے میں کسی منصوبے، خاکے اور مقصد کا پتہ نہیں چلتا-

صراط مستقیم:

چوتھا مستند ماخذ ''صراط مستقیم'' ☆ ہے، یہ سید صاحب کے ملفوظات اور تعلیمات کا فارسی مجموعہ ہے، جو ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء میں تالیف کیا گیا- یہ چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلا اور چوتھا باب شاہ اسماعیل دہلوی نے تالیف کیا ہے، جب کہ دوسرا اور تیسرا باب مولوی عبدالحی بڈھانوی (ف: ۱۸۲۸ء) نے- اس میں بھی تحریک جہاد کے منصوبے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا- حالاں کہ اس کتاب کو تحریک کا مذہبی اور سماجی منشور بھی تصور کیا جاتا ہے اور اس کے دوسرے باب میں جہاد سے متعلق باقاعدہ ''افادہ'' کے تحت ایک فصل بھی قائم کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود اس میں جہاد کے تعلق سے صرف اس کے فوائد اور منافع کا بیان ہے- مثلاً

> ''جہاد بھی بے نہایت فوائد اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت
> بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے- (صراط مستقیم ص: ۱۶۴)

ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر (ف: ۱۹۰۰ء) نے اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں مختلف مقامات پر مسلمانوں کے تعلیمی، دینی اور سماجی اقدام کو انگریز مخالف قرار دینے کی کوشش کی ہے، جس کو متعدد مؤرخین نے تاریخی حیثیت سے مسترد کر دیا ہے- اس کتاب میں انھوں نے ''صراط مستقیم'' میں جہاد کے ذکر کو بھی انگریزی حکومت کے خاتمے کی طرف منسوب کر دیا تھا- ہنٹر کی مذکورہ کتاب کی اشاعت کے بعد سرسید احمد خاں (ف: ۱۸۹۸ء) نے ایک جوابی تحریر بعنوان ''ڈاکٹر ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ'' ☆☆ لکھی اور اس میں ''صراط مستقیم'' کے تعلق سے لکھا کہ:

☆ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کے بقول: ''اس فرقے کی مقدس کتاب ہے-'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص: ۶۲) بعض لوگوں نے اسے وہابیوں کے قرآن کا نام بھی دیا ہے- (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۲۸)

☆☆ بنگال کے افسر ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں Our Indian Musalmans **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

> ’’بلاشبہ مولوی اسماعیل صاحب نے اپنی کتاب کے اس فقرے میں عام طور پر جہاد کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر اُس جہاد کا ذکر ہے جس کا وجوب یا جواز بہت سی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے- کچھ مولوی اسماعیل صاحب نے سکھوں یا ہندوؤں یا انگریزوں کا ذکر نہیں کیا-‘‘
>
> (مقالات سرسید، حصہ نہم، ص: ۱۷۰)

یہی وجہ ہے کہ سید صاحب کے تمام مؤرخین آج تک مذکورہ تمام مستند اور قدیم مآخذ سے ایسا ایک اقتباس بھی پیش نہیں کر سکے جس سے یہ واضح ہوتا کہ سید صاحب کی تحریک کا منشور حقیقی انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا- نواب صدیق حسن خاں (ف: ۱۳۰۷ھ-۱۸۹۰ء) نے سید صاحب کے خلفا و مریدین کی مستند کتابیں پڑھنے کے بعد اسی نکتے کو واضح کیا ہے:

> ’’جو تصنیف سید احمد شاہ صاحب بریلوی اور ان کے مریدوں کی ہے اس میں کہیں بھی ذکر وہابیوں کا نہیں اور نہ مسئلہ جہاد کا لکھا ہے...... گورنمنٹ اگر ساری کتابوں کو جمع فرما کر ملاحظہ کرے گی تو کسی کتاب میں ان کتب سے مسئلہ جہاد کا یا بغاوت کا سرکار انگلشیہ سے یا فساد سکھانے کی کوئی بات نہ پاوے گی-‘‘ (ترجمان وہابیہ، ص: ۵۱/۵۲)

مکاتیب سید احمد شہید:

پانچواں اور سب سے اہم ماخذ سید احمد رائے بریلوی کے مکاتیب☆ کا مجموعہ ہے- یہ وہ مکاتیب ہیں جنھیں، سرحد پر پہنچنے کے بعد سکھوں کے ساتھ جنگ کے دوران سید صاحب نے سرحد کے رؤسا، امرا، علما، دیگر مملکتوں کے سلاطین اور اپنے معتقدین و خلفا کو لکھے- ان تمام مکاتیب کو موضوعاتی اعتبار سے چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(پچھلے صفحے کا بقیہ) لکھی، اس کے جواب میں سرسید کا مذکورہ مقالہ پہلے انگریزوں کے معروف روزنامہ The Pioneer الہ آباد میں چھپا، اس کے بعد سرسید نے اسے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنے اخبار ’’علی گڑھ گزٹ‘‘ میں ۲۴/نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۳/فروری ۱۸۷۲ء تک کے شماروں میں بالاقساط شائع کیا-

☆ مکاتیب سید احمد کے خطی نسخے برصغیر ہند و پاک کی مختلف لائبریریوں اور بعض شخصی کتب خانوں میں محفوظ ہیں- راقم کے پیش نظر جو نسخہ ہے اسے مولانا عبید اللہ غلام حسین ساہووالا ضلع سیالکوٹ نے **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

۱-ایسے مکاتیب کی تعداد سب سے زیادہ ہے جن میں سید صاحب نے حسب معمول جہاد کے فضائل بیان کیے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر اپنے جہادی مشن پر خود کو من جانب اللہ مامور کیے جانے نیز کشف والہامات ربانی کے ذریعے اپنے جہاد کی کامیابی کا دعویٰ کیا ہے:

> ''ایں فقیر از پردۂ غیب باشارات ربانی باستیصال کفار مامور است واز مکمن لاریب بہ بشارت رحمانی بہ غلبہ مجاہدین ابرار مبشر پس ہر کہ امروز جان ومال وعزت ووجاہت خود درا علائے کلمۂ رب العالمین واحیائے سنت سید المرسلین بخوشی خود صرف نخواہد کرد لابد فردا از بزور کشیدہ خواہد شد۔'' (بنام فقیر محمد خاں لکھنؤ، مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۱۵)
>
> ''یہ فقیر پردۂ غیب سے اشارۂ خداوندی سے کفار کے خاتمے کے لیے مامور ہے۔ غیر مشکوک پردۂ غیب سے نیک مجاہدین کے غلبے کے لیے اسے خدائی بشارتیں حاصل ہیں۔ لہٰذا آج جو شخص اللہ رب العزت کے کلمے کی بلندی اور سید المرسلین ﷺ کی سنت کے احیا کے لیے برضا ورغبت اپنی جان ومال اور عزت وشوکت کو قربان نہیں کرے گا یقیناً کل اسے بزور گھسیٹا جائے گا۔''

۲-ایسے مکاتیب کی تعداد بھی کافی ہے جن میں سکھوں اور کافروں سے پہلے سرحد کے ان مسلمانوں کو منافق اور کافر کہہ کر ان کی سرکوبی اور قتل کی ترغیب دی گئی ہے جو سید صاحب کی امامت اور عقائد کو تسلیم نہیں کرتے:

> ''ہر چند ایں معنی اقصائے مقاصد قلبی است، لیکن اگر عنان ظفر توامان بآں سمت منعطف گردد منافقین مفسدین فتنہ وفساد برپا خواہند نمود، پس

(پچھلے صفحے کا بقیہ) معرکۂ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) کے ۵۵/برسوں کے بعد ۱۳۰۱ھ میں ایک مستند خطی نسخے سے نقل کیا ہے، اسی خطی نسخے کا عکس ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں مکتبہ رشیدیہ لمیٹیڈ لاہور نے شائع کیا۔ اس عکسی ایڈیشن کا تعارف کراتے ہوئے سید نفیس نے لکھا ہے: ''مولانا (عبیداللہ) کا تعلق خاطر حضرت سید احمد شہید کے اہل علم و تقویٰ عقیدت مندوں سے تھا، اس لیے یقین ہے کہ انھوں نے کسی نہایت معتبر نسخے سے اپنا یہ نسخہ نقل کیا ہو۔''

(مکاتیب سید احمد شہید، ص:٦)

اصلح وانسب چناں می نماید کہ اولاً در بارۂ استیصال منافقین بدمآل سعی بلیغ بجا آوردہ شود، ہرگاہ قرب وجوار آں جناب از آثار منافقین بدکردار پاک گردد باز بجمعیت خاطر واطمینان قلب بسر انجام دادن اصل مقصود متوجہ تواند شد۔'' (بنام خان خاناں غلجان ہوتکی، رئیس قلات، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۶/۱۷)

''اگرچہ یہ کام (آپ کے علاقے کے کفار کی سرکوبی) میرا سب سے اہم مقصد ہے، لیکن اگر ہماری توجہ اس طرف ہوگئی تو فتنہ پرور منافقین (سرحدی مسلمان) فتنہ وفساد برپا کردیں گے، لہٰذا زیادہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ پہلے بدانجام منافقوں (مسلمانوں) کے استیصال کے لیے مکمل کوشش کی جائے، جب آں جناب قرب وجوار کے بدکردار منافقین (مسلمانوں) کے آثار سے پاک ہوجائے گا، پھر پوری دل جمعی اور اطمینان خاطر کے ساتھ اصل مقصد کی انجام دہی میں متوجہ ہوں۔''

۳- ایسے خطوط بھی ہیں جن میں چند متفرق مسائل، مثلاً اپنے منصب امامت، اطاعت، نقل مکانی، مجاہدین کی سرگرمیوں اور جنگی حالات کا ذکر ہے:

۴- سید صاحب کے سرحد پہنچنے کے کچھ عرصے بعد سرحدی مسلمان، علما اور امرا جب ان کے عقائد سے متعارف ہوئے، مجاہدین کے کردار وعمل کو دیکھا اور سید صاحب کی امامت وامارت کا بزور نفاذ کیا جانے لگا تو وہاں کی اکثریت سید صاحب کی مخالف ہوگئی، جب کہ پہلے پہل یہ لوگ سید صاحب پر دل وجان سے وارفتہ تھے۔ ان سرحدی مسلمانوں کا سید صاحب اور ان کے ہندوستانی اصحاب کے تعلق سے خیال تھا کہ:

الف: یہ لوگ انگریزوں کے اشارے سے اس ملک کو فتح کرنے آئے ہیں۔☆

ب: یہ لوگ ہابی عقائد ونظریات رکھتے ہیں۔☆☆

☆ تواریخ ہزارہ، مرزا محمد اعظم بیگ، ص: ۷۲۳ تا ۷۲۵، مطبوعہ لاہور، ۱۸۷۴ء

☆☆ مشاہدات کابل ویاغستان، مولوی محمد علی قصوری، ص: ۷٦، انجمن ترقی اردو پاکستان، سنہ ندارد

ج: ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے، یہ ملحد و زندیق ہیں، نفسانیت پرست اور خواہشات دنیوی کے خوگر ہیں، اس لیے ہمارے اموال اور خون کو مباح قرار دیتے ہیں۔☆

ان الزامات کی صفائی میں سید صاحب نے خطوط لکھے، جن کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ ان میں سید صاحب نے ضمنی طور پر اپنے مقصد کا اجمالاً ذکر کیا کہ:

- ”آنچہ داعیہ جہاد و عزم ازالہ کفر و فساد کہ در خاطر فقیر ریختہ اصلاً و مطلقاً بکدورت طلب مال و عزت و جاہ و حشمت و امارت و سلطنت و نام و نشان و ترفع بر اخوان و اقران ہرگز ہرگز ممزوج و مخلوط نیست۔“

(مکتوب بنام سردار یار محمد خان، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴)

(جو کچھ جہاد کا داعیہ اور کفر و فساد کے ازالے کا عزم فقیر کے دل میں پیدا ہوا ہے، وہ مال و عزت، جاہ و حشمت، امارت و سلطنت، نام و نمود، احباب اور معاصرین پر برتری کی کدورت سے مکمل پاک ہے)

- ”نہ با کسے از امرائے مسلمین منازعت دارم، نہ با کسے از رؤسائے مومنین مخالفت، با کفار لئام مقابلہ دارم نہ با مدعیان اسلام، با دراز مویان، بلکہ با سائر کفر جویان مقابلہ خواہم، نہ با کلمہ گویان و اسلام جویان...... لیکن حیف صد حیف کہ سردار پشاور ہرگز ایں معنی نہ فہمید۔“

(مکتوب بنام علما و روسائے سرحد، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۰)

(میرا جھگڑا امرا اور روسائے اسلام سے نہیں ہے، بلکہ مجھے سکھوں، بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب مسلمانوں سے...... لیکن افسوس صد افسوس اس مقصد کو پشاور کا سردار نہیں سمجھتا۔)

- ”چندے از منافقین کہ فرق درمیان منصب امامت و سلطنت نہ فہمیدہ و بندہ درگاہ حضرت اللہ را طالب سلطنت تصور کردہ، درپئے عداوت مجاہدین

☆ مکتوب سید احمد بریلوی بنام علمائے پشاور، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۱۶، مکتبہ رشیدیہ لاہور، ۱۹۷۵ء

افتادند۔‘‘

(مکتوب بنام شہزادہ کامران شاہ ہرات، مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۱۹)

(چند منافقین (سرحدی مسلمان) جو امامت وسلطنت کے منصب کے فرق کو نہیں سمجھ سکے اور اللہ کے اس بندے کو حکومت کا خواہش مند سمجھا اور مجاہدین کی دشمنی کے درپے ہوگئے۔)

- ’’بعد از پاک کردن ایں بلاد از انجاس مشرکین والواث منافقین بمستحقین حکومت وسلطنت ومستعدین ریاست ومملکت تفویض کردہ خواہد شد...... باز خود ایں جانب مع مجاہدین صادقین بسمت بلاد ہندوستان بنا بر ازالۂ کفر وطغیان متوجہ خواہد شد کہ مقصود اصلی خود اقامت جہاد بر ہندوستان است، نہ توطن در دیار خراسان۔‘‘

(مکتوب بنام شہزادہ کامران شاہ ہرات، مکاتیب سید احمد شہید، ورق:٦٢)

(سرحد کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک کرنے اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت وسلطنت کا استحقاق اور ریاست وانتظام سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا............ اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو شرک وکفر سے پاک کیا جائے، اس لیے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد وافغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔)

غور طلب سوالات:

سید صاحب نے اپنے بعض مکاتیب میں اپنے سر سے انگریز دوستی کے الزامات کو رفع کرنے کی کوشش میں ضمنی حیثیت سے جس طرح انگریزی حکومت کے قبضہ وتسلط کا ذکر کیا ہے، نیز تحریک کا مقصد اصلی ہندوستان پر جہاد بتایا ہے، بقول ایوب قادری اگر ’’ان کا سیاسی وتاریخی پس منظر میں مطالعہ وتجزیہ کیا جائے‘‘ تو حسب ذیل سوالات اٹھتے ہیں:

۱۔ سرحد کی طرف ہجرت سے قبل کی زندگی میں سید صاحب کی سیرت وتحریک سے متعلق کسی

بھی مستند ماخذ میں جہاد کی مقصدیت اور منصوبہ بندی کے ساتھ انگریزی حکومت کے استیصال کی کوئی تفصیل کیوں نہیں ملتی ؟

۲- سید صاحب کی عقیدت و ارادت کے زیر اثر ان کے معتقدین نے حکم کی تعمیل میں ہجرت کی اور سرحد پر سکھوں اور سرحدی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے- ان سے جہاد کی منصوبہ بندی اور اصل مقصد سے متعلق کبھی کچھ کیوں نہیں بتایا گیا؟

۳- جن چند خطوط کے حوالے سے سید صاحب کے مؤرخین تحریک جہاد کا مقصد اصلی انگریزی حکومت کا استیصال بتاتے ہیں، انھیں یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ سید صاحب کے اس مقصد سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے علاوہ اور کون واقف تھا؟

۴- انگریزی حکومت کا استیصال کوئی معمولی کام نہیں تھا، اس کے باوجود سید صاحب نے ہجرت سے قبل سرحد پر پہنچنے سے پہلے اپنے چند خطوط کے علاوہ کبھی اپنی کسی مجلس یا تحریر میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

۵- سرحد پر پہنچنے کے بعد بھی اگر سید صاحب نے اپنی تحریک جہاد کی غرض و غایت کا اعلان کر دیا ہوتا کہ ان کا مقصود اصلی انگریزی حکومت کا استیصال ہے تو پھر سرحد کے علما، رؤسا اور عوام یہ کیوں کہتے کہ ''یہ جماعت انگریزی حکومت کے اشارے سے اس ملک کو فتح کرنے آئی ہے''؟

۶- جو مقصد اصلی صرف ایک شخص (سید صاحب) کے ذہن و فکر میں ہو اور اس سے مجاہدین کی پوری جماعت اور سرحد کے علما، رؤسا اور عوام تک ناواقف ہوں، مؤرخین کا اس کو تحریک کا مقصود اصلی قرار دینا، کیا تاریخی حقیقت کی تکذیب نہیں ہے؟

جہاد کے حوالے سے ہم سید احمد رائے بریلوی کے اخلاص اور نیت پر شک نہیں کرتے اور نہ ہی اس امکان کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں کہ ان کا مقصد اصلی ہندوستان پر جہاد نہیں تھا- تاہم ان کے اس منشور حقیقی اور ان ہی کے مستند مآخذ میں مذکور دیگر تاریخی و سیاسی شواہد کے درمیان مطابقت نہیں ہو پاتی- اس مسئلے پر ہم بہت زیادہ حسن ظن اور عقیدت سے کام لیں تو بھی اس حقیقت کے اظہار میں ہماری عقیدت کو حائل نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا ذکر کردہ اجمالی منشور دماغ سے نکل کر عمل کا حصہ نہ بن سکا- اس لیے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سید صاحب نے اپنے چند خطوط میں

انگریزی حکومت کے قبضہ وتسلط کے خلاف جو باتیں لکھیں اور جہاد کا مقصد اصلی ہندوستان بتایا، وہ محض الزامات کو رفع کرنے کی کوشش تھی، مگر بعد کے مؤرخین کو جب یہ خطوط ہاتھ لگے تو انھوں نے مذکورہ تمام نکات، سوالات اور مآخذ سے صرف نظر کرتے ہوئے اس تحریک کا مقصد اصلی انگریزی حکومت کا استیصال قرار دینے میں قلم کی پوری توانائی صرف کردی، لیکن پھر بھی اہل علم ونظر کو مطمئن نہیں کرسکے- غلام رسول مہر نے اس عدم اطمینان کا ذکر اپنی کتاب ''جماعت مجاہدین'' میں ''مزید شہادتوں کی ضرورت'' کے عنوان سے یوں کیا ہے:

> ''(سید صاحب کے خطوط کے ذریعے) ان توضیحات کے باوجود بعض قلوب میں غالباً اب تک شبہات باقی ہیں یا کم از کم یقین وقطعیت کی وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو اس بارے میں لازماً پیدا ہونی چاہیے تھی- ایک بڑے صاحب علم نے تو صاف صاف فرمادیا کہ میرا اخذ کردہ نتیجہ محض قیاسی ہے اور قیاسی واستنباطی نتیجے پر بار بار زور دینے کی مصلحت سمجھ میں نہ آئی-'' (جماعت مجاہدین، ص:۱۳)

اہل علم کے عدم اطمینان کے اعتراف کے بعد مہر صاحب نے سید صاحب کے دو تین خطوط کے ذریعے تحریک کا رخ انگریزی حکومت کی طرف موڑنے کی مزید کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی مذکورہ سوالات اپنی جگہ قائم رہتے ہیں-

بعد میں اس تحریک کے زیر اثر جو طبقہ تیار ہوا، اس نے جب اس کی تاریخ لکھنا شروع کی تو اس کے سامنے تحریک کی مقصدیت اور جہت کا کوئی واضح نقشہ نہیں تھا، اس لیے قیاسات کے سہارے تحریک کی جہت متعین کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں اور پھر متضاد آرا پر مشتمل ایک دفتر تیار ہوگیا-

مولانا غلام رسول مہر کا یہ اعتراف میرے اس خیال کی تائید کرتا ہے:

> ''اس جنگ کی پوری تفصیلات میں نے مجاہدین کے بیانات وروایات کی روشنی میں قیاساً مرتب کی تھیں-'' (افادات مہر، ص:۱۰۹)

یہاں ممکن ہے کہ تحریک کی عدم منصوبہ بندی کی توجیہ میں کوئی سید صاحب کے مکتوب کا یہ

اقتباس پیش کرے:

> ''فقیر برہمیں مواعید الٰہیہ اعتماد نمودہ و امتثال احکام حاکم خود را قبلہ ہمت خود ساختہ و جمیع ما سویٰ اللہ را پس پشت انداختہ و از چپ و راست چشم ہمت بستہ و راہ راست رضا جوئے مولائے خود پیش رو نہادہ بکمال اطمینان و فرحت و غایت بشارت و مسرت دریں راہ تگا پومی نماید۔''
>
> (مکتوب بنام سردار یار محمد خان، مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۱۴)
>
> ''فقیر نے اللہ کے وعدوں پر اعتماد کیا اور حکم حاکم (اللہ تعالیٰ) کی تعمیل کو اپنا مرکز توجہ بنایا۔ ما سویٰ اللہ کو پس پشت ڈال دیا، گرد و پیش سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور رضائے مولیٰ کی راہ راست کو سامنے رکھ کر کمال اطمینان و فرحت اور بشارت و مسرت کے ساتھ اس راستے پر چلا جا رہا ہے۔''

تو پھر ایسی صورت میں سید صاحب کے مؤرخوں کو اپنے اس طرح کے عقیدت مندانہ دعوؤں کو سند جواز فراہم کرنا مشکل ہو جائے گا:

> ''اپنی عالی ہمتی اور دور اندیشی اور خطرات کے پورے احساس میں وہ (سید احمد رائے بریلوی) نہ صرف اپنے عہد میں صف اول کے مدبر اور ماہرین سیاست و امور سلطنت سے آگے تھے، بلکہ ان کے بعد سیاست دانوں کی رسائی بھی ان بلندیوں تک نہ ہو سکی، جہاں ان کے شہباز فکر و عمل نے اپنا آشیانہ بنایا تھا۔'' (تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ، سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۲۱)

سید صاحب کے ذریعے ''گرد و پیش کے خطرات سے آنکھیں بند کر لینے'' کا اعتراف جہاں تحریک کی بے سمتی اور عدم منصوبہ بندی کو ظاہر کرتا ہے، وہیں بانی تحریک میں دور اندیشی اور احساس خطرات جیسے اوصاف کی بھی نفی کرتا ہے۔ کجا شہباز فکر و عمل کی بلندی؟ اور کجا امور سیاست و سلطنت میں مہارت؟ یہی وجہ ہے کہ سرحد کے کسی ایک علاقے کو مجاہدین نے فتح کر بھی لیا تو بہت دنوں تک ایک فاتح کی حیثیت سے وہاں ٹھہر نہیں سکے۔ جب تحریک ایک ضلعی نظام کا بوجھ سنبھالنے

اور سکھوں کی محدود قوت کو سہارنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی تو پھر تحریک کے تعلق سے انگریزوں کے ہمالیائی قوت کو ختم کر کے پورے ہندوستان میں خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کا دعویٰ کرنا نظر ثانی کا جبری تقاضا کرتا ہے-

دروغ مصلحت کی ایک مثال:

سید احمد رائے بریلوی نے اپنے ایک خط میں اس بات کا اجمالی ذکر دیا تھا کہ ان کی تحریک کا مقصد اصلی ہندوستان پر جہاد ہے، اسی طرح بعض خطوط میں ہندوستان پر فرنگی قبضہ و تسلط کے خلاف بھی اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا- ان خطوط کا جب ہم نے تاریخی اور سیاسی پس منظر میں مطالعہ کیا اور یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ چند ایک خطوط کے علاوہ آخر ہزاروں صفحات پر مشتمل سید صاحب کے ملفوظات، تعلیمات، واقعات اور سوانحیات کے دفتر میں مذکورہ مقصد (ہندوستان پر جہاد) کا ذکر کیوں نہیں ملتا- اس مطالعے کے نتیجے میں یہ واضح ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں تھیں جنھیں سید صاحب نے مصلحت وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر محض الزامات کی صفائی میں کہہ دیا تھا، جب کہ تاریخی شواہد ان کی یکسر نفی کرتے ہیں- ہندوستان پر جہاد کا ذکر بھی انہی باتوں میں سے ایک تھا جس کے بغیر اس شبہے کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا کہ سید صاحب اور ان کی جماعت انگریزی حکومت کے اشارے سے سرحدی ملک کو فتح کرنے آئی ہے- اور انہی باتوں میں سے ایک سید صاحب اور ان کے ہندوستانی رفقا کا مسلکی معاملہ بھی تھا- اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سید صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں سرحدی مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ وہابی (غیر مقلد) ہیں بلکہ ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے اور یہ لوگ خواہشات دنیوی کے اسیر ہیں- اس بنیاد پر تنازعات کا دور شروع ہو گیا اور سرحد کے کٹر حنفی علما اور عوام سید صاحب کے مشن سے الگ ہونے لگے- اس وقت سید صاحب نے اپنے سر سے وہابیت (غیر مقلدیت) اور لامسلکیت کے الزامات کو رفع کرنے کے لیے اپنے آپ کو خالصتاً حنفی بتاتے ہوئے اپنے تمام اقوال و افعال کو حنفی اصول و آئین کے مطابق قرار دیا، حالاں کہ تاریخ اس قول کی تردید کرتی ہے-

اپنے ایک مکتوب میں سید صاحب اس الزام کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”این فقیر را بلکہ زمرہ مجاہدین را بالحاد و زندقہ نسبت می نمایند، یعنی چناں

> اظہار می کنند کہ ایں جماعت مسافرین ہیچ مذہب ندارند وہیچ مسلک مقید نیستند بلکہ محض راہ نفسانیت می پویند و بہر وجہ لذات جسمانی می جویند۔''
>
> (بنام علمائے پشاور، مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۱۱۶)
>
> (سرحدی مسلمان) اس فقیر بلکہ تمام مجاہدین کی نسبت الحاد و زندقہ کی طرف کرتے ہیں، یعنی اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مسافروں کی اس جماعت کا کوئی مذہب اور مسلک نہیں ہے، بلکہ یہ نفسانیت پرست اور جسمانی لذتوں کے خوگر ہیں۔)

اس کے بعد اسی مکتوب میں مذکورہ الزام و خیال کی صفائی میں سید صاحب نے جو کچھ کہا، تاریخی شواہد کلیتاً اس کی تائید نہیں کرتے:

> ''مذہب ایں فقیر اباً عن جد مذہب حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال ایں ضعیف بر قوانین اصول حنفیہ و آئین قواعد ایشاں منطبق است۔''
>
> (ایضاً، ورق:۱۱۶)
>
> (باپ دادا سے اس فقیر کا مذہب، مذہب حنفی ہے اور اس خاکسار کے تمام افعال و اقوال حنفی اصول و آئین کے مطابق ہیں۔)

بیان کا اتنا حصہ تو درست ہے کہ سید صاحب کے آبا و اجداد حنفی المذہب تھے، لیکن یہ درست نہیں کہ سید صاحب بھی نظریاتی طور پر اسی مذہب بلکہ کسی بھی مذہب کے پیروکار تھے۔ موروثی طور پر حنفی ہونے کے باوجود انھوں نے جس طرح ''نظریۂ ترک تقلید'' کی سرپرستی اور آبیاری کی ہے، اس کے بعد کم از کم انھیں مذاہب اربعہ کے فریم میں ایک مقلد کی حیثیت سے فٹ نہیں کیا جاسکتا۔ مولوی طفیل احمد منگلوری (ف:۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) نے اپنی معروف تصنیف ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' ☆ میں مسٹر جیمس اوکینلے کے حوالے سے سید صاحب کے اسی متضاد

☆ اس کتاب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور آغاز ۱۶۰۸ء سے زمانۂ تالیف ۱۹۳۷ء تک کے تمدنی، اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی حالات کا مستند حوالوں سے جائزہ لیا گیا ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی (ف:۱۹۵۷ء) اس کے تعلق سے لکھتے ہیں: ''یہ کتاب اپنے ذاتی محاسن اور کمالات حقیقہ کی وجہ سے مستغنی عن التوصیف والمدح ہے۔''

نظریات کو واضح کیا ہے:

> ’’(سید احمد کی مسلکی تھیوری) دو مختلف اور متضاد گروہوں سے مرکب تھی، جنھیں متحد رکھنے میں وہ مدت العمر مساعی رہے، ان میں سے ایک گروہ کے سردار مولوی عبدالحی اور مولوی کرامت علی جونپوری تھے جو اہل سنت کا طریقہ رکھتے تھے اور دوسرے گروہ کے سردار مولوی اسماعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے، خود سید احمد صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر اسی کے ساتھ مولوی اسماعیل کی جماعت کی سرپرستی کرتے تھے جو اپنے کو محمدی کہتے تھے-‘‘ (مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص:۱۲۸)

مولانا مسعود عالم ندوی نے بھی سید احمد رائے بریلوی صاحب کے مسلکی نظریات کو اجاگر کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کی تحریک دعوت و جہاد کے ہی زیر اثر ہندوستان میں نظریۂ ترک تقلید کا آغاز ہوا:

> ’’ہندوستان میں حضرت سید صاحب کی دعوت تجدید و جہاد کے ساتھ ساتھ اتباع سنت اور عمل بالحدیث (ترک تقلید) کا چرچا بھی شروع ہوا- خود سید صاحب اور ان کے خاص ماننے والے یعنی اہل صادق پور تو اپنے کو ’’حنفی مع القول بالترجیح‘‘ کہتے تھے، مگر خود سید صاحب کی جماعت میں مولانا اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) کے اثر سے خالص عاملین بالحدیث (غیر مقلدین) کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا-‘‘
>
> (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۲۰)

سید احمد بریلوی کے دفاع میں بہت سے نامور محققین شاہ اسماعیل دہلوی کو سید صاحب سے نظریاتی سطح پر الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور تحریک جہاد کی ناکامی کا سارا ٹھیکرا شاہ اسماعیل کے سر پھوڑتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ نظریاتی سطح پر دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ تھے- وہ سید صاحب ہی تھے جنھوں نے شاہ اسماعیل کی ذہنی و فکری تربیت کی، انھی کی تحریک کے زیر اثر

’’تقویۃ الایمان‘‘ تصنیف کی گئی، جسے محققین نے ہندوستان میں نظریاتی اور مسلکی کش مکش اور گروہ بندی کا نقطۂ آغاز مانا، اسی تحریک نے شاہ اسماعیل کے نظریات کو عوام تک پہنچایا، یہاں تک کہ سید صاحب کے ہی ایک مرید اور ان کے سفر حج کے رفیق سید عبداللہ بن سید بہادر علی نے اپنے مطبع احمدی سے ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء میں پہلی بار اس کی اشاعت کا سامان بھی کیا-

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے متعدد شواہد و دلائل کے ذریعے اس حوالے سے تفصیلی روشنی ڈالی ہے-موصوف لکھتے ہیں:

> ’’مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل نے سب کچھ شاہ عبدالعزیز سے پڑھا، لیکن جن اعمال کی وجہ سے وہ سرتاج زمانہ بنے، ان کے لیے ساری تربیت سید صاحب کے دامن میں ہوئی- یہی وجہ ہے کہ ۱۸۱۸ء میں سید صاحب کی بیعت کے بعد ان بزرگوں نے گھربار چھوڑ دیا-‘‘
>
> (مجلّہ ’’احوال و آثار‘‘ اکتوبر تا مارچ ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء، ص: ۲۰۲/۲۰۳)

سید صاحب نے اپنے ایک خاص مرید و خلیفہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (ف: ۱۲۶۹ھ/ ۵۲-۱۸۵۳ء) کو جنوبی ہند میں ہدایت اور تبلیغ کے لیے سرحد سے واپس ہندوستان بھیج دیا- مولانا نے ہندوستان آکر جو کچھ کیا، اس کی تفصیل تحریک جہاد کے خاص رکن مولانا عبدالرحیم صادق پوری (ف: ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) نے ’’الدر المنثور‘‘ میں بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ’’آپ (مولانا ولایت علی عظیم آبادی) نے وطن پہنچ کر سید صاحب کے مسلک اور ہدایت کے مطابق کارہائے تبلیغ و تعلیم شروع فرمایا-‘‘
>
> (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص: ۱۵۳)

سید صاحب کا مسلک اور ان کی ہدایت کیا تھی جس کی تبلیغ و تعلیم مولانا ولایت علی نے فرمائی، مولانا عبدالرحیم کی ہی زبانی ملاحظہ ہو:

> ’’آپ کی ترغیب تحصیل قرآن واحادیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچہ ہوا اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضمحل ہونے لگی-‘‘ (ایضاً، ص: ۱۶۸)

سید صاحب اور شاہ اسماعیل کے مسلکی نظریات نہ صرف تحریک پر حاوی رہے، بلکہ سید صاحب کا خاندان جو، اباً عن جد حنفی تھا، ان کے مسلکی رجحان کے زیر اثر اپنے موروثی نظریات پر قائم نہیں رہ سکا اور متعدد افراد تقلید حنفیت سے آزاد ہوکر اپنے آپ کو اہل حدیث کہنے اور کہلانے لگے- پھر دہائیوں کے بعد صاحب ‘‘نزہۃ الخواطر’’ مولانا سید حکیم عبدالحیٔ لکھنوی (ف:۱۹۲۳ء) نے اپنی کوششوں سے اپنے خاندان کو موروثی حنفیت پر لانے کی کوشش کی-

‘‘تاریخ اہل حدیث’’ میں ذکر ہے:

> ‘‘سید احمد بریلوی بقول مسعود عالم ندوی اپنے آپ کو حنفی مع الترجیح بالحدیث الصحیح کہا کرتے تھے اور تحریک کا عام رجحان شاہ اسماعیل کی وجہ سے کھلی سلفیت اور صریح اہل حدیثیت کا تھا- ولایت علی، عنایت علی، اساطین ستھانہ، نواب اولاد حسن قنوجی، مولوی محمد علی رامپوری، مولوی حیدر علی رامپوری، مولوی عبدالحق نیوتنوی بنارسی، سب اہل حدیث تھے اور سید احمد شہید کے دونوں فاضل خواہرزادے مولانا سید عرفان اور مولانا سید مصطفیٰ بھی صریح قسم کے اہل حدیث تھے- اس کے بعد اس خاندان میں مولانا سید محمد طلحہ ٹونکی اور مولانا سید ابوالخیر برق حسنی بھی خالص اہل حدیث تھے-
>
> (تاریخ اہل حدیث، جلد: سوم، ص:۱۲۱)

ان تمام تاریخی شواہد و حقائق کے بعد سید صاحب کے اس بیان کو ‘اس خاکسار کے تمام افعال و اقوال حنفی اصول و آئین کے مطابق ہیں’ ‘‘دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز’’ ☆ کے قبیل سے کہنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے- سید صاحب نے یہ بیان دے کر، جو خلاف واقعہ تھا، اپنے سر سے لامذہبیت، وہابیت اور غیر مقلدیت کے الزام کو رفع کرنے کی کوشش کی تھی، کیوں کے مسلمانان سرحد مذہباً کٹر اور متصلب حنفی واقع ہوئے تھے- ☆☆ اسی طرح انھوں

☆ مصلحت کے تحت کہا جانے والا جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جو فتنہ انگیزی کا سبب بنے-

☆☆ (i) مذاہب الاسلام: نجم الغنی خاں رامپوری، ص:۶۱۱، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۸ء

(ii) سرگزشت سوات: سراج الدین سواتی، ص:۱۳، الحمراء اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۰ء

نے اپنے دو ایک خطوط میں اپنی تحریک کا جو مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد بتایا تھا، تاریخی شواہد اور حالات اس کی بھی تائید نہیں کرتے۔

سرحدی مسلمانوں کی منشور حقیقی سے بے خبری:

تحریک جہاد اور سید صاحب کی سیرت کے قدیم اور مستند مآخذ کے ذریعے یہ تو واضح ہو گیا کہ سرحد کی طرف ہجرت سے قبل تحریک کی مقصدیت اور منصوبہ بندی سے نہ کوئی آگاہ تھا اور نہ کبھی اس کی وضاحت کی گئی، سید صاحب نے ہجرت سے قبل مجملاً جہاد بالکفار کا نعرہ بلند کیا اور جاں نثار مریدوں کا ایک جتھا اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں نکل پڑا۔ حیرت کی بات ہے کہ سرحد پر پہنچنے کے بعد بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، یعنی جس طرح ہندوستان میں جماعت مجاہدین تحریک کے منصوبے سے ناواقف تھے، اسی طرح سرحد کے امرا، علما اور عوام بھی تحریک کے ''منشور اصلی'' سے بے خبر رہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید تین باتوں سے ہوتی ہے:

پہلی بات:

سرحد پر پہنچنے کے بعد وہاں کے ہزاروں مسلمان اور ان کے امرا اور علما سید صاحب کے معتقد ہو گئے، لیکن رفتہ رفتہ ان کے سخت رویے، مجاہدین کے کردار و عمل اور ان کے افکار و عقائد سے، جن کے نہ تو وہ عادی تھے اور نہ آشنا، بدظن اور مخالف ہونے لگے۔ اس صورت حال نے ان کے درمیان مختلف خدشات اور سوالات کو جنم دیا۔ مخالفت کے اس طوفان کو روکنے کے لیے سید صاحب نے کشف و الہامات کے ذریعے کار جہاد پر اللہ عز و جل کی جانب سے مامور کیے جانے کا دعویٰ کیا، تاہم پھر بھی لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں حاکم پشاور سردار یار محمد خاں نے اپنے عوام و خواص کی نمائندگی کرتے ہوئے سید صاحب کو خط لکھا اور تحریک کے مقصد اور منصوبے کو جاننے کا خواہش مند ہوا۔ لیکن سید صاحب نے ایک بار پھر اللہ رب العزت کی طرف سے اپنی ماموریت کا ذکر کرتے ہوئے تحریک کا مقصد اور اس کے منصوبے کو بتانے سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا:

> ''بالجملہ از گفتگوے چوں و چرا بیزاریم واز مایدہ اطاعت محض ذلہ بردار،
> **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و اجتنب عن اتباع النفس و الھویٰ** واز بسکہ آں والا مناصب نگارش فرمودہ بودند کہ فقیر مکنون خاطر خود

> را بر نگارد و ہر چہ آں چہ در دل ہدایت منزل از الہامات رحمانی و انوار ایمانی مکنون می دارد از حیطۂ تحریر و تقریر بیرون است۔
>
> (مکتوب بنام سردار یار محمد خان، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴)
>
> (بالجملہ چوں و چرا کی گفتگو سے ہم بیزار ہیں اور خوان اطاعت کے خوشہ چیں ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ و اجتنب عن اتباع النفس و الہویٰ (اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور اتباع نفس و ہویٰ سے بیزار رہا) اگرچہ عالی جاہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ فقیر اپنے دل کے راز کو لکھ ڈالے، لیکن جو کچھ دل میں ربانی الہامات اور ایمانی انوار نازل ہوئے، وہ پوشیدہ ہیں، اسے دائرۂ تحریر و تقریر میں نہیں لایا جا سکتا۔)

خط کے مذکورہ اقتباس سے مندرجہ ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

الف: تحریک جہاد کے تعلق سے سید صاحب خاموش اطاعت کے خواہش مند تھے، ان کی اس خواہش کا احترام ان کے ہندوستانی ارادت مندوں نے ہمیشہ کیا اور ان کے حکم کی تعمیل میں جہاد بالکفار کے لیے سرحد پہنچ گئے، لیکن سرحدی مسلمان تحریک کے مکمل منصوبے کو جاننے پر مصر رہے۔

ب: سرحد پر پہنچنے کے بعد بھی سید صاحب نے تحریک جہاد کے مکمل منصوبے اور خاکے سے عوام کے ساتھ خواص کو بھی ناواقف رکھا۔

ج: یا تحریک کے سلسلے میں سید صاحب کے ذہن میں کوئی تفصیلی خاکہ یا ''بلیو پرنٹ'' نہیں تھا، اس لیے وہ خاموش اطاعت کے آرزومند رہے۔

دوسری بات:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ سید احمد اور ان کے ہندوستانی مجاہدین سے سرحدی مسلمانوں کو بہت سی شکایتیں تھیں، وہ دینی اور معاشرتی امور میں ان کے بے جا تشدد سے دل برداشتہ اور ان کے عقائد و نظریات کے سلسلے میں مشکوک تھے۔ سرحدی مسلمانوں کی یہ شکایت رفتہ رفتہ سید صاحب کے مقرر کردہ ہندوستانی قاضیوں اور عمال کے اجتماعی قتل کا سبب بن گئی۔ اس قتل کے بعد سید صاحب بہت دل برداشتہ ہوئے اور سرحدی مسلمانوں اور علما و امرا کی ناراضگی کا حقیقی سبب جاننے

کے لیے تختہ بند کے ایک سردار سید میاں کو ان سرحدی مسلمانوں کے پاس بھیجا جنھوں نے سید صاحب کے قاضیوں اور عمال کا قتل کیا تھا- سید میاں نے پہلے ان سے اس قتل کا سبب پوچھا اور پھر انھیں یاد دلایا کہ سید صاحب اور ان کے مجاہدین تمہیں سکھوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے کتنی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں اور پھر آخر میں تحریک جہاد کے مقصد کو واضح کیا:

> ’’سید بادشاہ (سید احمد بریلوی) رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی کا ارادہ
> رکھتے ہیں اور اسی نیت سے ہندوستان کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں- یہ حال
> تم سب جانتے ہو- (وقائع احمدی، ص: ۲۰۶۰)

یہ اقتباس تحریک کے منشور کو واضح کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ سرحدی مسلمان اُس ’’منشور حقیقی‘‘ سے ناواقف تھے، جو مہر صاحب اور مولانا علی میاں ندوی نے پیش کیا ہے-

تیسری بات:

مولانا غلام رسول مہر نے سید صاحب کی سیرت اور تحریک پر تین ضخیم جلدوں میں علیٰ الترتیب تین کتابیں بنام ’سید احمد شہید‘، ’جماعت مجاہدین‘ اور ’سرگزشت مجاہدین‘ لکھی- ان کتابوں کی ترتیب وتصنیف میں انھیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اصل مآخذ تک رسائی میں جن صبر آزما دور سے گزرنا پڑا، ان کی تفصیل انھوں نے اپنے ایک مضمون ’’سید احمد شہید: ایک کتاب کی سرگزشت‘‘ میں بیان کی، جو ماہنامہ ’’ماہ نو‘‘ کراچی (پاکستان) کے شمارہ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا- اس مضمون کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مذکورہ تصانیف کی ترتیب وتالیف میں زیادہ تعاون سید عبدالجبار شاہ ستھانوی (سابق بادشاہ سوات) نے کیا تھا اور اس موضوع سے متعلق مہر صاحب کو بے شمار قیمتی معلومات بھی فراہم کی تھی- مہر صاحب نے اپنے اس مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی بھی سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد کو سکھوں تک محدود سمجھتے تھے- اب اس اعتراف کو مہر صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

> ’’۱۹۳۳ء میں میری ملاقات سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی مرحوم سے
> ہوئی، وہ دور حاضر کے ایک ایسے جلیل القدر فرد تھے، جن کے امتیازی
> اوصاف ومحاسن کا تفصیلی ذکر یہاں نہیں چھیڑا جاسکتا- تاہم اتنا عرض کر دینا

> ضروری ہے کہ وہ شیر خوار تھے جب ان کے خاندان کے تمام افراد شہید کر دیے گئے- وطن سے باہر انھوں نے تعلیم و تربیت پائی، پھر اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ریاست امب کے مشیر و وزیر بنے- دو سال سوات کے بادشاہ بھی رہے- سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ دائرۃ المعارف تھے- انھوں نے متعدد ضخیم جلدیں مرتب کر دیں جو علاقہ سرحد اور علاقہ آزاد کے ایک ایک رئیس، ایک ایک قبیلے، ایک ایک خطے کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں- وہ بھی سید صاحب کے جہاد کو سکھوں تک محدود سمجھتے تھے..........ان کا خاندان تین چار پشتوں سے سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے مخلص رفیقوں میں چلا آتا تھا- اس وجہ سے سید عبد الجبار شاہ کی معلومات صاحب البیت کی معلومات بن گئی تھیں-'' (ماہنامہ 'ماہ نو' کراچی، ص: ۵۶، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

اس مختصر اقتباس میں سید عبد الجبار شاہ کے تعلق سے حسب ذیل نکات توجہ طلب ہیں:

(الف) وہ سوات کے وزیر اور پھر بادشاہ رہے-

(ب) سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تھے-

(ج) ان کا خاندان تین چار پشتوں سے سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے مخلص رفیقوں میں چلا آتا تھا-

(د) وہ صاحب البیت تھے-

ان چاروں اہم حیثیتوں کے باوجود انھیں بھی علم نہیں تھا کہ سید صاحب کی تحریک جہاد کا مقصد اصلی ''انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا'' جیسا کہ مولانا غلام رسول مہر، مولانا علی میاں ندوی اور ان کے دیگر تذکرہ نگاروں نے سمجھا، اگر واقعی ایسا تھا تو کم از کم ''صاحب البیت'' (گھر والے) کو اس کا علم ضرور ہونا چاہیے تھا-

مذکورہ تینوں مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرحد کے عوام و خواص سید صاحب کے اصل مشن سے بے خبر تھے- خانوادۂ صادق پور پٹنہ کے ایک اہم فرد ڈاکٹر قیام الدین نے بھی

خود اس کا اعتراف کیا ہے:

> ”وہابی تحریک کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ قبائلیوں نے تحریک کی اصل غرض و غایت کو نہ سمجھا اور اس کے سربراہوں (سید احمد اور ان کے رفقا) سے حقیقی اور مستقل اعانت سے دریغ کیا۔“
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص:۳۶۲)

تحریک کی اصلی غرض و غایت اگر وہی ہوتی جس پر سید صاحب کے مؤرخوں کو اصرار ہے تو سید صاحب مسلمانان ہند و سرحد کو اس سے متعارف بھی کراتے اور ابتدا سے ہی اس کا اظہار بھی فرماتے، مگر ادبیات سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک میں ایسا کچھ نہیں ملتا، اس لیے ہندوستانی مجاہدین کے ساتھ سرحدی مسلمانوں پر مشن کے اصل منشور سے بے خبری کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔

کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس سے وابستہ افراد کے دل میں انقلابی جذبات بیدار ہوں اور کسی نظام کے خلاف شدید بے چینی ہو، وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ ان کے ذہن و فکر میں مستقبل کی تعمیر کا واضح خاکہ، نصب العین سے کماحقہ واقفیت اور تحریک کی انجام دہی کا مکمل نقشہ ہو۔ سید احمد رائے بریلوی صاحب کی تحریک جہاد کی تاریخی حقیقت یہ ہے کہ وہ تحریکات کی مذکورہ خصوصیات کی حامل نہیں تھی۔ تحریک جہاد پر لکھی جانے والی تمام اہم کتابوں، مکاتیب، وقائع اور دستاویزات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سید صاحب کے دل میں عہد طفولیت سے ہی جہاد کا جذبہ موجزن تھا، جب بیعت وارادت کے نتیجے میں ان کے پاس افرادی قوت مجتمع ہوگئی تو انہوں نے اس جذبے کی عملی تکمیل کے لیے اپنے جانثار خلفا، ارادت مندوں اور عقیدت کیشوں سے ہجرت اور جہاد کے فضائل بیان کرنا شروع کیے اور اپنے خلفا کو ہجرت اور جہاد کی اہمیت پر وعظ کہنے کی تلقین کی۔ کشف والہامات کے ذریعے جہاد کی کامیابی کا مژدہ سنایا جانے لگا، یہاں تک کہ طریقت پر بیعت لینے کی بجائے جہاد پر بیعت لی جانے لگی اور چھوٹے پیمانے پر ہی سہی جہاد کے لیے مشق و تربیت کا اہتمام کیا جانے لگا۔ لیکن جہاد کس طرح ہو، کس کے ساتھ ہو، کس مقصد کے لیے ہو، تحریک جہاد کی ترجیحات کیا ہوں، مجاہدین کے رسد اور کمک کا انتظام کیسے ہو اور جہاد کے لیے اسلحہ کہاں سے فراہم ہو؟ ان تمام سوالات کے جوابات دینے سے تحریک جہاد کے مآخذ خاموش ہیں۔

تحریک جہاد کی عملی سرگرمیاں:

سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد کے بنیادی مآخذ اور دستاویز سے اُس منشور اور نصب العین کی تائید تو نہیں ہوتی جس کو پچھلی پون صدی سے غلام رسول مہر اور مولانا علی میاں ندوی کی متابعت میں مؤرخین دہرا رہے ہیں- اب دیکھنا یہ چاہیے کہ تحریک جہاد کی عملی سرگرمیاں مذکورہ مؤرخین کی کتنی مؤید ہیں- اگر تحریک جہاد کی عملی سرگرمیاں اپنے قیام و بنا سے اخیر تک تسلسل کے ساتھ انگریز مخالف رہی ہیں اور حکومت انگلشیہ کا معاملہ بھی تحریک کے ساتھ معاندانہ رہا ہے تو پھر تحریک کے نصب العین کے حوالے سے مولانا علی میاں اور مہر صاحب کے اختیار کردہ موقف کو قبول کرنے میں مسلکی تعصّبات کو حارج نہیں ہونا چاہیے- اگر معاملہ اس سے مختلف ہے، یعنی تحریک کی عملی سرگرمیاں انگریز مخالف نہیں ہیں تو پھر مذکورہ بزرگ مؤرخین کے متبعین اور سید صاحب کے عقیدت مندوں سے ہم بھی اسی وسعت فکر و نظر کی توقع رکھتے ہیں-☆

(۱)۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء-۱۸۲۰ء سے سید صاحب نے تحریک جہاد کا علانیہ آغاز کیا- اس کے بعد جہاد کے فضائل پر ہندوستان کے طول و عرض میں مریدین و متوسلین کو جہاد پر ترغیب و تلقین کی جانے لگی، اسی موضوع پر وعظ و خطاب کی محفلیں منعقد کی جانے لگیں اور گاہے بگاہے مریدین کو جنگی تربیت بھی دی جانے لگی-

(۲) جہاد کی خاطر افراد، مال و زر اور دیگر اسباب کی فراہمی کے لیے دہلی، ٹونک اور صادق پور پٹنہ کو تحریک کے مراکز قرار دیے گئے-

(۳) مذکورہ جہادی سرگرمیوں اور تیاریوں کی حکومت انگلشیہ کو اطلاع دی گئی تو اس نے اس شکایت کو حسد بتاتے ہوئے مذکورہ علی الاعلان جہادی سرگرمیوں کو نظر انداز کیا-

(۴)۱۸۲۶ء میں سید صاحب نے اپنے چند سو رفقا اور مریدین کے ساتھ انگریزی عمل داری سے باہر سرحد کا رخ کیا اور وہاں مسلسل چھ برسوں ۱۸۳۱ء تک سکھ حکومت اور اُن سرحدی علما، خوانین، رؤسا اور عام مسلمانوں سے جنگ و جہاد میں مصروف رہے جو ان کی اطاعت کے منکر تھے-

---

☆ یہاں تحریک کی عملی سرگرمیوں کو مستند مآخذ کے توسط سے اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، اس کی تفصیلات اور حوالجات زیر نظر کتاب میں شامل دیگر ابواب میں ملاحظہ کریں-

(۵) مذکورہ چھ برسوں میں انگریزی حکومت کے ساتھ جماعت مجاہدین کی معمولی مزاحمت بھی نہیں ہوئی، اس کے برخلاف انگریزی عمل داری میں تحریک کے مذکورہ مراکز سے مسلسل افراد، مال وزر اور دیگر اسباب مہیا کیے جاتے رہے اور ان سرگرمیوں کو انگریزی حکومت نہ صرف نظرانداز کرتی رہی بلکہ تعاون سے بھی دریغ نہیں کیا۔

(۶) ریاست ٹونک انگریزی سرکار سے مصالحت کے نتیجے میں ۱۸۱۷ء میں وجود میں آئی اور والی ٹونک کو اپنی عیش وعشرت کے لیے سرکار سے ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ ملنا طے ہوا۔ مگر تحریک کے اس مرکز ''ریاست ٹونک'' کو تحریک کے گراں قدر اور مسلسل تعاون پر سرکار انگریزی نے کبھی باز پرس نہیں کی۔

(۷) انقلاب ۱۸۵۷ء میں جب کہ پورا ہندوستان انگریزی حکومت کے خلاف کھڑا ہو گیا تھا، تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا، یوں ہی تحریک جہاد کے مراکز صادق پور (پٹنہ) اور ٹونک نے بھی اس جنگ میں ہندوستانیوں کا ساتھ نہیں دیا، جس کے نتیجے میں ریاست ٹونک کی فوج نے والی ریاست سے بغاوت کر دی۔

(۸) ۱۸۲۶ء سے ۱۸۴۸ء تک جماعت مجاہدین کا مقابلہ براہ راست سکھوں کے ساتھ رہا، جب تک سرکار انگریزی نہ صرف تحریک کی جہادی سرگرمیوں کو نظرانداز کرتی رہی بلکہ معاون بھی بنی رہی۔ ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب اور سرحدی علاقوں پر انگریزی سرکار قابض ہو گئی اور تحریک کے ذریعے ان کا منشا پورا ہو گیا تو پھر انھوں نے تحریک کو ختم کرنے کے لیے جماعت مجاہدین پر دباؤ بنایا اور اس کے نتیجے میں ان کی دار و گیر شروع ہوئی۔

تحریک کی مذکورہ سرگرمیوں کے پیش نظر مندرجہ ذیل مؤرخین نے اس کے منشور اور نصب العین کو یوں بیان کیا ہے:

تحریک جہاد کے خاص راز دار اور رکن مولوی جعفر تھانیسری (ف: ۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں:

> ''سرکار انگریزی گو کافر تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے روریائی اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں، اس واسطے آپ (سید

> صاحب) کو منظور ہوا کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظلم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھے، جہاد کیا جائے-‘‘ (سوانح احمدی، ص:۴۵)

مولوی جعفر تھانیسری کی اس رائے سے زیادہ تر قدیم مؤرخین اور اہل قلم متفق نظر آتے ہیں- سر سید احمد خاں نے معرکہ ستاون کے بعد رسالہ ’’اسباب بغاوت ہند‘‘ لکھا اور اس میں ذکر کیا کہ:

> ’’مولوی محمد اسماعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی، اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکاری انگریزی کی امن میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے،☆اس لیے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی-‘‘ (رسالہ اسباب بغاوت ہند، ص:۱۶)

شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی (ف:۱۹۰۲ء) کی اولین اور مستند سوانح ’’الحیاۃ بعد المماۃ‘‘ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں لکھی گئی، جس کے مؤلف فضل حسین بہاری نے بھی لکھا:

> ’’رنجیت سنگھ کے زمانہ میں تو مسلمانان پنجاب کی وہ بری گت بنائی گئی کہ الاماں الحفیظ، مولانا شہید (شاہ اسماعیل دہلوی) کو ان مظالم کی خبریں متواتر پہنچتی تھیں، شہید کا دل خدا نے ایسا بنایا ہی نہ تھا کہ وہ مظلوموں کی امداد میں اپنی جان فدا نہ کر دے- آخر جور و ستم کی خبریں سنتے سنتے جب یارائے ضبط نہ رہا تو آپ نے اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لیے پنجاب پہنچے-‘‘ (الحیاۃ بعد المماۃ، ص:۱۱۳)

☆شاہ اسماعیل دہلوی کے مذکورہ بیان کو تواتر کے ساتھ تحریک جہاد کے اولین مؤرخین، مثلاً: مولوی جعفر تھانیسری نے ’’سوانح احمدی‘‘ کے صفحہ ۵۷، شاہ اسماعیل دہلوی کے اولین سوانح نگار مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب ’’حیات طیبہ‘‘ کے صفحہ ۴۳۳/۴۳۴، مولانا محمد حسین بٹالوی نے بھی ’’اشاعۃ السنۃ‘‘ جلد:۳، ضمیمہ:۶ کے صفحہ ۵/ اور نجم الغنی خاں رامپوری نے ’’مذاہب الاسلام‘‘ صفحہ ۶۱۱/ پر لکھا ہے-

شاہ اسماعیل دہلوی کی اولین سوانح ''حیات طیبہ'' ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا، اس میں مرزا حیرت دہلوی (ف: ۱۹۲۸ء) نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا:

> ''یہ جہاد صرف سکھوں ہی کے لیے مخصوص تھا، سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز مخاصمت نہ تھی-'' (حیات طیبہ، ص: ۴۳۱)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''سیرت سید احمد شہید'' پر مولانا سلیمان ندوی (ف: ۱۹۵۳ء) نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے، یہ کتاب ایک جلد میں ۱۹۳۹ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی، اس کے کئی سالوں کے بعد ''حیات شبلی'' شائع ہوئی، جس میں سید سلیمان ندوی صاحب نے لکھا کہ:

> ''تیموریوں کا جب دور ختم ہوا اور سکھوں نے سر اٹھایا تو پھر دہلی اور رائے بریلی کے خانوادوں سے وہ اکابر اٹھے جنہوں نے پورے ہندوستان کو جگادیا-'' (حیات شبلی، ص: ۱۰)

ان کے علاوہ مولوی عبدالرحیم صادق پوری، نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولوی سید طفیل احمد منگلوری اور شیخ محمد اکرام کی بھی اس سلسلے میں یہی رائے ہے-

یہاں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ متعدد محققین نے غیر محتاط اسلوب و بیان، شخصی کردار و عمل اور سیاسی مصلحتوں کو بنیاد بنا کر مذکورہ کئی مؤرخوں اور ان کی کتابوں کی ثقاہت پر انگلی اٹھائی ہے، اُن محققین کے تبصروں اور دلائل کی سچائی اپنی جگہ، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ تحریک کے نصب العین کے سلسلے میں مذکورہ مؤرخوں کے بیانات کو تحریک کے بنیادی مآخذ، اس کی عملی سرگرمیوں اور ناقابل تردید داخلی اور خارجی شواہد کے پیش نظر مسترد نہیں کیا جاسکتا- ان شواہد کے مدنظر تاریخ کے ایک طالب علم کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تحریک جہاد کا حقیقی منشور انگریزی حکومت کا خاتمہ نہیں تھا اور نہ اس حوالے سے اس نے منصوبہ بند کسی اقدام کی کوشش کی- ہزاروں صفحات پر مشتمل ادبیات تحریک جہاد، اس کی برسوں کی متواتر سرگرمیوں اور دیگر حقائق و شواہد کو نظرانداز کرکے صرف دو تین نجی خطوط میں ضمنی کلمات کی بنیاد پر اس تاریخی حقیقت پر خط تنسیخ نہیں پھیرا جاسکتا-

* * *

تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ

مؤرخین اور اہل تحقیق کے درمیان سید احمد رائے بریلوی کی ''تحریک جہاد'' کا سب سے متنازع پہلو اس کا ''ہدف اور منشور'' رہا ہے کہ آیا تحریک کا مقصد پنجاب سے سکھ حکومت کا خاتمہ کر کے شعائر اسلامی اور مسلمانوں کا تحفظ تھا یا ہندوستان سے انگریزی حکومت کا استیصال کر کے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام؟ پچھلے صفحات میں مستند معاصر مآخذ اور مراجع کے ذریعے تحریک کے منشور کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی تھی- زیر نظر باب میں تحریک کی عملی سرگرمیوں اور برٹش حکومت سے اس کے تعلقات کی نوعیت کے ذریعے اس کے ہدف کو جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے-

برٹش گورنمنٹ کا تحریک جہاد کو نظر انداز کرنا:

سید احمد رائے بریلوی نے ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء سے جب تحریک جہاد کا باقاعدہ آغاز کیا تو اس وقت پنجاب اور سندھ کو چھوڑ کر پورا ملک ہندوستان انگریزوں کے قبضہ وتصرف میں تھا-

بقول سید احمد رائے بریلوی:

> ''بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریاے اباسین تا ساحل دریاے شور کہ تخمیناً
> ششماہ راہ باشد تسلط یافتند-''
>
> (مکتوب بنام شاہ بخارا، مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۲۶)
>
> (ہندوستان کے اکثر صوبوں پر دریائے اباسین سے ساحل شور تک جو
> تقریباً چھ ماہ کی مسافت ہے (انگریز) مسلط ہیں-)

انگریزی حکومت کی عسکری قوت، انتظامی صلاحیت، سیاسی تدبر اور حکومتی منصوبہ بندی ضرب المثل تھی، جس کا اعتراف خود سید صاحب کو بھی تھا:

"کفار فرنگ کہ بر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہوشیار اند
وحیلہ باز و مکار–" (ایضاً، ورق: ۲۸)

(فرنگی کفار جو مسلط ہیں انتہائی تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ ساز اور مکار ہیں)

یہ زمانہ انگریزی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا، مختلف صوبائی اور شاہی طاقتوں کو کچل کر وہ اقتدار کی دہلیز تک پہنچے تھے، اس لیے حکومتی استحکام کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین اور دشمنوں پر بھی وہ کڑی نگاہ رکھتے تھے–لیکن حیرت کی بات ہے کہ اپنی تمام تر تجربہ کاری اور ہوشیاری کے باوجود ۱۸۱۹ء سے لے کر ۱۸۲۶ء☆ تک انھوں نے تحریک جہاد کو، جو بعض مؤرخین کے بقول انگریزی حکومت کے خلاف تھی، نظر انداز کیا، جب کہ ان برسوں میں:

الف: جہاد کے فضائل پر عمومی مجالس میں وعظ و بیانات ہوتے رہے–

(منظورۃ السعداء/ وقائع احمدی)

ب: تزکیہ و توبہ کی بجائے جہاد پر بیعت لی جاتی رہی– (مخزن احمدی/سوانح احمدی)

ج: جہاد کے فضائل پر مشتمل کتابیں اور رسائل لکھے اور شائع کیے جاتے رہے–☆☆

د: جہاد کی تیاری کے لیے گھوڑ سواری، تیراندازی، چاند ماری اور دیگر جنگی فنون کی مشق و تربیت کی جاتی رہی– (مخزن احمدی/منظورۃ السعداء)

ہ: جہاد اور ہجرت میں شامل ہونے کے لیے لوگوں کو دعوت اور ترغیب دی جاتی رہی–

(وقائع احمدی)

و: بشمول سید احمد رائے بریلوی بہت سے مجاہدین جہاد کے خروش میں علانیہ ہتھیار لے کر چلتے رہے– (وقائع احمدی)

ز: اور تحریک کے لیے مدرسوں، مسجدوں اور مجلسوں میں چندے کیے جاتے رہے–

(سرگزشت مجاہدین)

☆ان برسوں کے درمیان سید احمد رائے بریلوی چار سو سے زائد افراد پر مشتمل قافلے کو لے کر ۱۸۲۲ء کے اوائل میں کلکتہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۶/اگست ۱۸۲۳ء میں تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد بمبئی واپس آئے–

☆☆"صراط مستقیم" از شاہ اسماعیل دہلوی، "قصیدۂ جہاد" از مولوی کرم الٰہی کان پوری اور "ترغیب الجہاد" از مولوی خرم علی بلہوری جیسے رسائل اسی زمانے کی یادگار ہیں–

جہاد کی تیاری میں مذکورہ سرگرمیاں ڈھکی چھپی نہیں تھیں، بلکہ بر سر انجام پا رہی تھیں، تاہم سید احمد رائے بریلوی اور ان کی جماعت سے حکومت نے کبھی باز پرس نہیں کی کیوں کہ ان کا مقصد سکھوں سے جہاد تھا-

سید محمد لطیف (ف:۱۹۰۲ء) History of the Punjab (تاریخ پنجاب) میں لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے بے دین سکھوں کے خلاف جہاد میں اپنے ساتھ شامل ہونے کے لیے مسلمانوں پر زور دیا- انھوں نے کہا کہ سکھوں نے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں پر بے شمار زیادتیاں کی ہیں، لہٰذا انھیں نیست و نابود کر دینا چاہیے- انھوں نے برطانوی حکام سے پیچیدگیاں پیدا ہونے سے بڑی احتیاط سے احتراز برتا، حالاں کہ انگریزوں کے علاقوں میں ان کے مبینہ منصوبوں کی مدد کے لیے چندے جمع کیے گئے، لیکن انھوں نے اس حکومت کے افسروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا-''
>
> (تاریخ پنجاب، ص:۸۲۲)

یہاں تک کہ ان سرگرمیوں کے پیش نظر کچھ لوگوں نے بعض انگریزی افسروں سے متعدد مرتبہ شکایتیں بھی کیں کہ یہ لوگ غالباً انگریزی حکومت سے جہاد کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، مگر حکومتی نمائندوں نے ان شکایتوں کو حسد پر محمول کرتے ہوئے ہمیشہ نظر انداز کر دیا-

سید صاحب کے مرید کی زبانی اسی طرح کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

> ''ان دنوں وہاں (عظیم آباد) رافضیوں کی بہت کثرت تھی اور اب بھی ہے، ان لوگوں نے جو سنیوں کی رجوع سید صاحب کی طرف بہت دیکھی کہ ہزاروں آدمی بیعت کرتے ہیں، عداوت مذہب سے ان میں سے چند ناکسوں نے وہاں کے بڑے انگریز سے جا کر کہا کہ سید صاحب جو یہاں شہر میں اتنے لوگوں سے آئے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے اور ان کو ماریں گے اور یہ حال ہم آپ سے از روئے خیر خواہی کے کہتے ہیں- وہ

> انگریز بڑا دانا اور عاقل تھا، اس نے جانا یہ رافضی لوگ بڑے مفسد ہیں اور فتنہ انگیز، یہ بات سنیوں کی عداوت سے کہتے ہیں کہ کسی طور ان کو ذلت دیویں۔" (وقائع احمدی،: ۷۶۸/ ۷۶۹)

ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ انگریز افسر اپنے منشی سے کہتا ہے:

> "یہ جن کا حال کہتے ہیں وہ پادری صاحب (سید احمد رائے بریلوی) تو بہت نیک بخت حقانی شخص ہیں، اس لیے کہ جاسوس ان کے حال کی تلاش میں رہتے ہیں، ہم سے کسی نے یہ بات اب تک نہیں کہی جو یہ کہتے ہیں ....ان سے کہہ دو کہ خبردار اب بار دگر ایسی فساد کی بات ہم سے نہ کہیں۔" (ایضاً،: ۷۶۹)

اس کے بعد اس نے سید صاحب کی حفاظت کا حکم بھی جاری کیا۔ اس واقعے کے بعد بھی ان لوگوں نے انگریزی حکومت کے خلاف سید صاحب کے ارادۂ جہاد کی شکایت کی مگر ہر بار افسر نے ڈانٹ پھٹکار کے بھگا دیا۔ غور طلب یہ ہے کہ مذکورہ انگریزی افسر کی ان شکایتوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سید صاحب کا زہد و تقویٰ یا ان سے عقیدت نہیں تھی، بلکہ اس نے صاف کہا تھا کہ جو جاسوس ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے کبھی بھی سید صاحب کے تعلق سے ایسے کسی بھی ارادے کا ذکر نہیں کیا۔ قرائن بھی بتا رہے ہیں کہ اگر سید صاحب کا ایسا کچھ بھی ارادہ ہوتا تو "تجربہ کار" اور "ہوشیار" فرنگی حکومت کی عقابی نظر سے بچ پانا ممکن نہیں تھا۔

سر سید احمد خاں نے ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں ایک مضمون لکھا تھا، جو "انسٹی ٹیوٹ گزٹ" علی گڑھ میں شائع ہوا، اس میں بھی انھوں نے انگریزی حکام کی نظر اندازی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا، مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی، گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہیے۔"

(انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، ۸/دسمبر ۱۸۷۱ء)

اسی طرح کے ایک واقعے کا ذکر جماعت مجاہدین کے خاص رکن مولوی جعفر تھانیسری نے بھی کیا ہے:

> ''اُس وقت ہر شہر وقصبہ وگاؤں برٹش انڈیا یعنی انگریزی عمل داری واقع ہند میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا۔ مگر براہ دور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لفٹننٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی ومغربی کو بھی اس تیاری جہاد سکھوں کی اطلاع دی گئی تھی، جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عمل داری میں کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو، ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔'' (سوانح احمدی، ص:۷۰)

سید احمد بریلوی کے تذکرہ نگاروں نے سرسید اور مولوی جعفر پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے مصلحت کی وجہ سے اس طرح کی باتیں لکھ دی ہیں۔ ہم بھی اس الزام کی یکسر نفی نہیں کرتے، تاہم یہ بھی سچ ہے کہ سرسید اور جعفر تھانیسری کے مذکورہ اقتباسات کی تائید ''وقائع احمدی'' جیسے مستند ماخذ سے بھی ہوتی ہے، اس لیے حکومت انگلشیہ کی جماعت مجاہدین سے نظر اندازی کو تاریخی حیثیت سے غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی سرکار کی اس پالیسی کا اظہار کیا ہے:

> ''سید صاحب کی تبلیغ کی طرف انگریزی حکام نے کوئی توجہ نہ کی۔''
>
> (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص:۵۳)

ہنٹر سرکاری کیمپ کے ایک فرد تھے، مسلمانوں کے دفاع یا اپنے بچاؤ کی انھیں کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ سید صاحب کے بیشتر مؤرخین نے انھیں تحریک جہاد کے دشمن کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے، اس لیے مصلحت وقت کا الزام ہنٹر پر نہیں عائد کیا جا سکتا۔

یہاں ضمنی حیثیت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید سید صاحب نے انگریزی عتاب سے محفوظ رہنے کے لیے ہجرت سے قبل اپنے حقیقی منشور کا اظہار نہ کیا ہو، اس لیے حکومت انگلشیہ نے انھیں نظر انداز کیا۔ لیکن اس احتمال کی گنجائش نہیں رہتی، کیوں کہ سرحد پر پہنچنے کے بعد بھی انھوں نے

اصرار کے باوجود اپنے مقصود اصلی کو ظاہر نہیں کیا، جس کی وجہ سے سرحدی مسلمانوں کے دل میں مختلف شکوک وشبہات اٹھتے رہے۔ اس کے علاوہ تحریک جہاد سے حکومت انگلشیہ کی نظر اندازی کا سلسلہ ہجرت (۱۸۲۶ء) تک محیط نہیں ہے، بلکہ یہ سلسلہ دراز ہو کر ۱۸۴۹ء تک پہنچتا ہے، جب تک پنجاب پر پوری طرح ان کا قبضہ وتسلط نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر ایوب قادری ''تواریخ عجیب'' (کالا پانی) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''۱۸۴۹ء سے تحریک جہاد کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے، چوں کہ اب تک مقابلہ سکھوں سے تھا، اس لیے سرکار کمپنی خاموش تھی، جب پنجاب پورے طور سے انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین کی سرگرمیاں انگریزی حکومت کو ایک آنکھ نہ بھائیں۔'' (تواریخ عجیب (کالا پانی)، ص: ۲۵)

مولانا مسعود عالم ندوی نے بھی اس اعتراف سے گریز نہیں کیا ہے:

> ''شروع شروع مجاہدین سے روک ٹوک نہیں گئی، لیکن جب پنجاب کا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔'' (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۴۷)

لطف کی بات یہ ہے کہ غلام رسول مہر نے بھی ایسی شکایتوں پر حکومت انگلشیہ کی نظر اندازی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ جب سید صاحب اپنے قافلے کے ساتھ سفر حج وزیارت کے لیے کلکتہ پہنچے تو:

> ''بعض حاسدوں نے انگریزوں کے پاس شکایت کی کہ سید احمد پہلے نواب امیر خاں کے لشکر میں نشان بردار تھا۔ نواب کمپنی سے مل گیا تو سید احمد نے پیری مریدی کا ڈول ڈالا اور اب انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہے، یہ محض بے علم ہے۔ اس شکایت پر کسی نے توجہ نہ کی۔''
>
> (سید احمد شہید، ص: ۲۱۱)

''وقائع احمدی'' اور مہر مرحوم کے مذکورہ اقتباسات میں لفظ ''حاسدین'' غور طلب ہے جو خود شکایت کے بے جا اور خلاف واقعہ ہونے کا اشارہ کر رہا ہے۔

سید احمد رائے بریلوی کے تذکرہ نگاروں کے بقول سید صاحب کے سرحد چلے جانے کے بعد قافلوں کی ضیافت، ان کے سفر کے انتظام، راستوں کے تعین، کتابوں کی اشاعت، افراد اور مال و زر کی فراہمی کے لیے تین مراکز تھے؛ دہلی، ٹونک اور پٹنہ۔ یہ تینوں مراکز حکومت انگلشیہ کی عمل داری میں تھے، اس کے باوجود:

> ''(قاصد) مختلف مقامات سے جمع شدہ روپے لے کر دہلی پہنچاتے۔ وہاں شاہ محمد اسحٰق ہنڈیاں تیار کرا دیتے یا کبھی کبھی روپوں کو اشرفیوں میں تبدیل کر کے کپڑے میں اس طرح سی دیا جاتا تا کہ کسی کو خبر نہ لگ سکے۔''
>
> (جماعت مجاہدین، ص: ۹۰)
>
> ''شاہ اسحٰق وعظ فرماتے تو مولوی نصیر الدین (شاہ اسحٰق کے بھائی، شاگرد اور داماد) مدرسے کے دروازے پر فراہمی زراعانت میں مصروف رہتے۔''
>
> (سرگزشت مجاہدین، ص: ۱۳۰)

اور

> ''پورے ملک سے جو مجاہدین آتے تھے وہ دہلی ٹھہر کر وہاں سے راستہ اور زادراہ کے سلسلے میں ہدایات اور سید صاحب کے نام پیغام لے کر آگے بڑھتے تھے۔'' (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص: ۶۳)

سید احمد رائے بریلوی کے سرحد جانے سے پہلے اور اس کے بعد بھی انگریزی عمل داری میں یہ تمام سرگرمیاں جاری رہیں مگر برٹش حکومت، جو نہایت تجربہ کار، ہوشیار، طاقت ور اور تحریک کی حقیقی دشمن تھی، ان سے چشم پوشی کرتی رہی۔

جہادی سرگرمیوں کے مراکز پر سکھ حکومت کی نظر:

جب کہ پنجاب کی سکھ حکومت، بقول غلام رسول مہر، جس سے اتفاقی جہاد ہو رہا تھا، وہ انگریزی عمل داری میں واقع مذکورہ تمام جہادی مراکز اور مجاہدین پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی اور ان کی سرگرمیوں پر قدغن لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سرحد پر سکھوں سے جنگ کے دوران سید صاحب کا ایک قاصد پیر محمد ان کے خطوط اور

پیغامات لے کر ہندوستان جاتا تھا اور وہاں سے خطوط اور روپے وغیرہ لے کر سرحد آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی سے شاہ اسحٰق کے ذریعے جمع کیے گئے روپے کو لے کر وہ سرحد جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک معلوم ہوا کہ:

> ”پیر محمد کے ہندوستان آنے کی اطلاع رنجیت سنگھ کی حکومت کو مل گئی ہے اور اس کا حلیہ بھی بتا دیا گیا ہے، چنانچہ لاہور سے سکھ حکومت کے مختلف کارندوں کو احکام بھیج دیے گئے کہ اس حلیے کا آدمی جہاں ملے گرفتار کر لیا جائے۔“ (جماعت مجاہدین، ص: ۹۲)

خطرے کا علم ہونے کے باوجود شاہ اسحٰق کے حکم سے پیر محمد نکل پڑا اور جہلم کے پاس گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت سکھ کے کارندوں نے اسے بہت زد و کوب کیا اور سارا مال ضبط کر کے اسے قید کر لیا۔ ☆

اب بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر حکومت انگلشیہ بھی چاہتی کہ اس کی عمل داری میں واقع مذکورہ تمام مراکز سے افرادی اور مالی امداد سرحد نہ پہنچے تو کیا سکھوں کے خلاف سرحد پر سید صاحب اپنا جہاد جاری رکھ سکتے تھے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

تحریک جہاد کو برٹش گورنمنٹ کی امداد:

سید احمد بریلوی کے مستند مآخذ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حکومت انگلشیہ نے تحریک کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ مختلف وقتوں میں اس کی اعانت اور امداد بھی کی ـــــ ایک مرتبہ شاہ اسحٰق نے سات ہزار نو سو پچاس روپے کی ایک ہنڈی دہلی کے ساہوکار کے ذریعے سید صاحب کو سرحد بھیجی، مگر:

> ”ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی دائر ہو کر ڈگری ہوا اور پھر ہنگام اپیل عدالت عالیہ دیوانی (ہائی کورٹ) آگرہ میں بھی حکم ڈگری بحق مدعی بحال رہا۔“
>
> (سوانح احمدی، ص: ۷۰)

انگریزی عدالت میں مقدمہ کر کے روپے کی وصولیابی کے لیے شاہ اسحٰق نے اس بابت سید

☆ اس واقعے کی پوری تفصیل پیر محمد قاصد کی ہی زبانی ”وقائع احمدی“ کے صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۸ میں درج ہے۔

احمد رائے بریلوی سے ایک خط لکھنے کو کہا، جسے عدالت میں پیش کر کے یہ بتایا جاسکے کہ سرحد پر مجاہدین کو روپے بھیجے گئے تھے وہ وصول نہیں ہوئے-

اس مقصد کے پیش نظر سید صاحب نے شاہ اسحٰق کو عربی کی بجائے پہلی مرتبہ فارسی میں خط لکھا اور اتنی ہی بات لکھی جتنی عدالت میں دعوے کے لیے ضروری تھی- اس خط کا پورا متن حسب ذیل ہے:

> ''از امیر المومنین سید احمد ـــــ بخدمت بابرکت صاحبزادہ والا تبار مولانا محمد اسحٰق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ- بعد از سلام مسنون ودعائے اجابت مقرون واضح آں کہ بتاریخ دہم ماہ رمضان ہنڈوی مبلغ ہفت ہزار نہ صد پنجاہ روپے درایں جا رسید، لیکن بجز پرچہ کاغذ یک خرمہرہ نہ رسید، موجبش دریافت نیست لازم کہ سبب تعویق آں برنگارند-''
>
> (مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴۵)
>
> (از امیر المومنین سید احمد ـــــ بخدمت بابرکت صاحبزادہ والا تبار مولانا محمد اسحٰق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ- سلام ودعا کے بعد یہ واضح ہو کہ ۱۰ر رمضان کو سات ہزارر نو سو پچاس روپے کی ہنڈی یہاں (سرحد پر) پہنچی، لیکن کاغذ کے پرچے کے علاوہ ایک پیسہ بھی نہیں ملا- اس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی- اس کی تاخیر کی وجہ ضرور لکھیے-)

اس خط کے تعلق سے حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> ''اس خط کا اجنبیانہ اور کاروباری و دفتری انداز تحریر ظاہر کر رہا ہے کہ یہ عدالت میں پیش کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، ورنہ سید صاحب کے جو خطوط ان دونوں بھائیوں (شاہ اسحٰق اور شاہ یعقوب) کے نام آتے تھے، وہ عربی میں ہوتے تھے، صرف یہ خط فارسی میں تھا-
>
> (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص: ۶۳)

اس کے علاوہ شاہ اسحٰق اور شاہ یعقوب کے نام سید صاحب جو خطوط لکھتے تھے وہ زیادہ تر

روپے کے متعلق ہوتے تھے، اس لیے احتیاطی تدابیر کے تحت اپنے نام کے ذکر کی بجائے ’’من عبد اللّٰه المنتهض لاعلاء كلمة اللّٰه‘‘ وغیرہ اور مکتوب الیہما کے ناموں کی جگہ ’’الیٰ کریم الاخلاق‘‘، ’’الیٰ اخیه المحبوب‘‘، وغیرہ لکھتے تھے- یہاں تک کہ رقموں کی رسید کے متعلق بھی اطلاع دینے میں بھی مرموز پیرایہ اختیار کرتے تھے- مثلاً دو ہزار پانچ سو کی رسید یوں دیتے ہیں: ’’اثنین من المرتبة الرابعة وخمس من الثلاثه-‘‘

لیکن اس خط کو استثنائی طور پر سید صاحب نے فارسی میں لکھا اور اس میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام صراحتاً ذکر کیا، نیز رقم سے متعلق تعداد بھی وضاحت سے لکھی- یہ خط عدالت میں پیش کیا گیا اور حکومت انگلشیہ کی خصوصی مدد سے مذکورہ رقم کی وہ ہنڈی واپس مل گئی اور پھر کسی دوسرے ذریعے سے دوبارہ سرحد بھیجی گئی- اس سلسلے میں سر سید لکھتے ہیں:

> ’’دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادی لوگوں کی امداد کے واسطے روپیہ جمع کیا گیا تھا، امداد کے روپیہ میں کچھ تغلب کیا اور مسٹر ولیم فریزر بہادر متوفی کمشنر دہلی کے روبرو اس پر نالش ہوئی اور انجام کار مولوی محمد اسحٰق صاحب مدعی کے حق میں اس دعوے کی ڈگری ہوئی اور جو روپیہ مدعا علیہ سے ڈگری کا وصول ہوا، وہ اور ذریعے سے سرحد کو بھیجا گیا- بعد اس کے اس مقدمہ کی اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوئی، وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا-‘‘ (مقالات سر سید، حصہ نہم، ص: ۱۴۲، ۱۴۳)

اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے طفیل احمد منگلوری نے ایک بنیادی سوال قائم کیا اور پھر خود ہی جعفر تھانیسری کے ایک اقتباس کو، جو سوانح احمدی کے صفحہ ۷۰ پر مذکور ہے، جواب کے طور پر پیش کیا:

> ’’اب سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے اس وقت یہ کیوں گوارا کیا کہ تمام ہندوستان میں جہاد کے لیے سامان جنگ اور روپے فراہم ہوتا رہے اور گورنمنٹ کی طرف سے نہ صرف اس کی اجازت ہو بلکہ مجاہدین کو ہر قسم کی امداد دی جائے اور ان کا روپیہ وصول کر کے انھیں دیا جائے- اس کا جواب حسب ذیل اقتباس میں ملے گا:

> ''اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار اُس وقت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو-''
>
> (مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص:۱۳۴)

تحریک جہاد کو والیان ٹونک کا تعاون:

۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں سید احمد رائے بریلوی نواب امیر خاں☆ کی آزاد فوج میں ایک سوار کی حیثیت سے بھرتی ہوئے اور تقریباً چھ سال گمنامی میں گزارے- ''وقائع احمدی'' میں ذکر ہے:

''حضرت سید المجاہدین (سید احمد) کے حال خیر مآل سے اس فوج ظفر

☆ مالوہ کے لٹیرے پنڈاری کہلاتے تھے، سفاکی اور درندگی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا- کھیتوں کو اجاڑنا، بستیوں میں آگ لگانا اور لوٹ پاٹ کرنا ان کا شیوہ تھا- ان کے سردار چیتو، واصل خان، کریم خان اور امیر خان تھے- امیر خاں سنبھل (ضلع مراد آباد صوبہ اتر پردیش) میں ۱۱۸۲ھ/ ۱۷۶۸ء میں پیدا ہوا، پچیس برسوں تک وہ تنگ دستی کی وجہ سے بھینسیں چرایا کرتا تھا- ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۷ء میں قسمت آزمائی کے لیے سنبھل سے نکل پڑا اور پنڈاریوں میں شامل ہو گیا، اپنی شجاعت اور کارناموں کی وجہ سے جلد ہی ان میں افسر اعلیٰ کی حیثیت سے جگہ بنا لی- امیر خاں کے راجہ ہلکر سے گہرے روابط تھے، ہلکر اسے نواب کہا کرتا تھا- رفتہ رفتہ اس نے اپنی ایک جمعیت بنا لی- ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء میں جب وہ سرونج کی طرف نکلا تو ستر ہزار سوار اور پیادے اس کے ہمراہ تھے- کچھ برسوں کے بعد اپنی بڑی جمعیت کے ساتھ وہ راجپوتانہ اور مالوہ کے علاقوں کی طرف بڑھا جہاں اپنی شجاعت اور بے رحمی سے دھاگ جمالی- لیکن اس کی فوجی قوت کا کوئی ہدف نہیں تھا، بقول غلام رسول مہر:

''(امیر خاں کو) کام کے بہترین مواقع حاصل ہونے کے باوجود اپنی کارروائی اور سپاہ کی کثرت سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا نہ کر سکا، جو تاریخ میں اس کے لیے دائمی عزت وعظمت کی یادگار بن سکتا- اس کی ساری طاقت اور پورے اوقات صرف معمولی وقتی فوائد کے لیے وقف رہے- کبھی ایک رئیس کو دبایا، کبھی دوسرے کو جا دبوچا، جس نے پیسے دے کر فوجی مدد مانگی، اس کی اعانت ویاوری کے لیے نکل پڑا-'' (سید احمد شہید، ص:۱۰۵)

شمالی ہند میں امیر خاں ایک آزاد طاقت کی صورت میں انگریزی حکومت کے لیے خطرہ بنتا جا رہا تھا، جب کہ انگریزی حکومت نظم وضبط کے ساتھ اکثر ریاستوں پر دھیرے دھیرے قابض ہوتی جا رہی تھی- اس لیے اس نے ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں ایسے حالات پیدا کر دیے کہ امیر خاں کو ۹/دسمبر ۱۸۱۷ء کو اس سے معاہدہ صلح کرنا پڑا- اس کے بعد وہ والی ٹونک نواب امیر الدولہ امیر خاں بہادر ہو گیا- ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں ٹونک میں وفات پائی- ریاست ٹونک ۱۳۱/سال تک قائم رہی اور پھر آزادی ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد انڈین یونین میں ضم ہو گئی- ان ۱۳۱/ برسوں میں ریاست میں سات نواب ہوئے- نواب اسماعیل علی خاں اس سلسلے کی آخری کڑی تھے- (تاریخ ٹونک)

موج میں کوئی آگاہ نہ تھا، بعض بعض جانتے تھے کہ یہ شخص سید، آل رسول، پرہیزگار، نیک کردار ہے۔'' (وقائع احمدی، ص: ۲۲/۲۳)

بقول مؤرخین ان چھ برسوں میں سید صاحب نے اپنی پرہیزگاری اور بزرگی سے امیر خاں کو بھی متاثر کیا اور اس سے کافی قربت اور مراسم پیدا کر لیے۔ دسمبر ۱۸۱۷ء میں جب امیر خاں نے انگریزی حکومت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور اس سے معاہدۂ صلح کر لیا تو سید صاحب دہلی واپس چلے گئے۔ کیوں کہ صلح کے نتیجے میں امیر خاں کی فوج منتشر کر دی گئی اور اسے مالوہ اور راجپوتانہ کے چند متفرق علاقے دے دیے گئے، جن کے مجموعے کا نام ریاست ٹونک تھا، جہاں وہ اور ان کے بعد ان کی اولادوں نے والیان ٹونک کی حیثیت سے انگریزی وظیفے پر عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزار دی۔ انگریزی حکومت کے ساتھ امیر خاں کے معاہدے کی جو شرائط طے ہوئیں، ان میں قابل ذکر یہ تھیں:

۱۔ ساری فوج منتشر کر دی جائے گی اور صرف اتنے آدمی باقی رکھے جائیں گے، جو ریاست ٹونک کے علاقوں کے انتظام کے لیے ضروری متصور ہوں گے۔

۲۔ انگریزی سرکار زیادہ تر منتشر کردہ آدمیوں کو اپنی فوج میں لے لے گی۔

۳۔ توپ خانہ اور ساز و سامان جنگ انگریز مناسب معاوضے دے کر خرید لیں گے۔

۴۔ توپ خانہ اور ساز و سامان جنگ کے معاوضے کی رقم پانچ لاکھ ہوگی، جس میں سے دو لاکھ فوری ادا کیے جائیں گے۔

۵۔ نواب کسی علاقے پر حملہ نہ کرے گا بلکہ پنڈاریوں کو ختم کرنے میں انگریزوں کو مدد دے گا۔ (سید احمد شہید، ص: ۱۰۸)

مذکورہ شرائط کے ساتھ امیر خاں کے بیٹے نواب محمد وزیر خاں (ف: ۱۸۶۴ء) کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ بھی سرکار انگریزی سے ملنا طے ہوا۔

یہاں بنیادی سوال یہ اٹھتا ہے کہ انگریزی حکومت سے مصالحت کے نتیجے میں جو ریاست وجود میں آئی ہو اور جہاں کے والی و امیر انگریزی وظیفے پر داد عیش دے رہے ہوں، وہاں سے کسی ایسی تحریک کو امداد فراہم کرنا اور اس کا تعاون کرنا جو حکومت انگلشیہ کے استیصال کا ارادہ لے کر اٹھی

ہو، ممکن ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کی جہادی تحریک کے ساتھ والیانِ ٹونک نے نہ صرف ہر طرح کا تعاون کیا بلکہ وہ اور ان کی ریاست تحریک جہاد کی سرگرمیوں کا مرکز بنی رہی۔ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی لکھتے ہیں:

> ’’(تحریک جہاد) کے مراکز ہمارے خیال میں صرف تین تھے، ٹونک، دہلی اور سندھ، باقی حضرات سفیر تھے۔‘‘
>
> (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص:۶۲)

سید صاحب نے ۱۸۲۱ء میں جب رائے بریلی سے جہاد کے لیے پانچ سو سے زائد مریدین وعقیدت مندوں کے ساتھ سرحد کی طرف ہجرت کی تو تمام افراد کو تین گروپ میں تقسیم کر دیا اور تمام گروپ کو ہدایت دے دی کہ وہ مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ٹونک میں جمع ہوں، پھر وہاں سے سرحد کی طرف کوچ کریں۔ ظاہر ہے کہ ٹونک میں سبھوں کو جمع کرنے کا فیصلہ والیِ ٹونک کے تعاون اور امداد کے پیشِ نظر ہی کیا گیا تھا۔ سید صاحب کے بھانجے مولوی سید محمد علی لکھتے ہیں:

> ’’زیادہ از پانصد مجاہدین فراہم شدند، جملہ را سہ فرقہ ساختہ، دو فرقہ را وداع فرمودہ، موعد ہر فرقہ شہر ٹونک مقرر ساختند۔‘‘
>
> (مخزن احمدی (فارسی)، ص:۱۱۷)
>
> (پانچ سو سے زائد مجاہدین فراہم ہو گئے، تمام مجاہدین کے تین گروپ بنے، دو گروپ کو روانہ کر دیا، ہر گروپ کے ملنے کی جگہ شہر ٹونک کو مقرر کیا)

اس طرح جب سید صاحب اپنے گروپ کے ساتھ ٹونک پہنچے تو نظر باغ میں قیام کیا، نواب امیر خاں اور اس کا بیٹا وزیر خاں گھوڑوں پر سوار ہو کر سید صاحب سے ملنے کے لیے آئے۔ یہاں تمام مجاہدین جمع ہوئے اور تقریباً ایک ماہ قیام کیا، اس عرصے میں تمام مجاہدین کی ضیافت امیر خاں نے کی اور اس تحریک کے استحکام کے لیے تعاون بھی کیا۔ مولانا عمران خاں ندوی (۱۹۲۸ء/ ۱۹۸۶ء) ’’وصایا وزیریہ‘‘ مؤلفہ نواب وزیر الدولہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ’’قیام ٹونک کے زمانے میں نواب نے اسلحہ اور دیگر ساز وسامان کے علاوہ خاص مقدار میں نقد روپے بھی دیا اور سید صاحب سے یہ اقرار بھی لیا کہ

> وقت ضرورت مصارف کے لیے مجھے اطلاع نہ دی گئی تو یگانگی کا معاملہ باقی نہ رہے گا- ” (تذکرۂ علمائے ٹونک، جلد:۱، ص:۴)

چوں کہ ٹونک کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس لیے سرحد جانے کے بعد بھی سید صاحب اور ان کی تحریک کو وقتاً فوقتاً والیان ٹونک امداد فراہم کرتے رہے- نواب امیر خاں کے وصال ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء کے بعد ان کے صاحبزادے نواب وزیر خاں ٹونک کے امیر و والی ہوئے، ان کی جانشینی کی سند وائسرائے نے انھیں دی- اپنی تیس سالہ دور امارت میں اور اس سے قبل اپنی ولی عہدی کے دور میں بھی سب سے زیادہ تحریک کی اعانت اور سرپرستی کی- غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ”سید صاحب سے عقیدت کے جو عملی ثبوت نواب وزیر الدولہ نے پیش کیے، کم از کم امرا کی صف میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی- جہاد میں ہر ممکن امداد کی، سفر ہجرت میں ٹونک سے اجمیر تک سید صاحب کے ہم رکاب رہے- جب سنا کہ سرحد میں سید صاحب کو امام جہاد بنالیا گیا ہے تو نواب مرحوم نے معاً بیعت نامہ سید صاحب کی خدمت میں بھیج دیا اور عرض کیا کہ حکم ہو تو وہاں حاضر ہو جاؤں- ” (جماعت مجاہدین، ص:۱۸۸)

نواب وزیر خاں سرحد پر سید صاحب اور ان کے مجاہدین کے مصارف اور احوال و ظروف کے تعلق سے بھی ہمیشہ حد درجہ فکر مند رہا کرتے تھے- ایک بار انھوں نے سید صاحب کو تحریک جہاد کے مصارف کے تعلق سے ایک خط لکھا اور ہندوستان سے مصارف بھیجنے کی کوئی صورت نہ ہونے پر اپنے تردد اور فکر کا اظہار کیا- اس خط کا جواب سید صاحب نے ۲۶ رشعبان ۱۲۴۳ھ کو خار ضلع سوات سے دیا- خط کا مندرجہ ذیل اقتباس تحریک جہاد اور نواب وزیر الدولہ کے گہرے رشتے کو واضح کرتا ہے:

> ”مخلصین ہندوستان کہ از جنس غربا و ضعفا اند و بحمیت اسلامی و غیرت ایمانی موصوف اند و در خدمت گزاری مہاجرین و مجاہدین مصروف ہر چند جدوجہد می کردند کہ در خدمت گزاری حزب اللہ شریک شوند، اما چوں طریق ارسال مصارف نمی یافتند بجز یاس و تاسف نمی داشتند، آخر الامر

طریقے نہایت محکم وسہل بدست آمدہ، صاحبزادہ یگانہ آفاق مولانا محمد اسحٰق براں اطلاع می دارند، بناءً علیہ مخلصین مذکورین بجان و دل کوشش نمودند وبقدر استطاعت خود مثل انصار کبار از خرمہرہ وفلوس گرفتہ، روپیہ واشرفی قدرے جمع نمودہ ارسال کردند، اکثر آں رسید وبعضے از اں ان شاء اللہ خواہد رسید، بالجملہ ہر کہ نزد مولوی محمد اسحٰق چیزے خواہد فرستاد نزد ایں جانب بلاتکلف خواہد رسید وآں چہ مولانا ممدوح سابق انکار از اخذ مرسولہ محبین می نمودند محض بنابر ہمیں معنی بود کہ ایشاں را طریق ارسال بدست نیامدہ بود، الحال کہ بدست آمد ان شاء اللہ انکار ہم نخواہند فرمود اطلاعاً نوشتہ شد تا خاطر عاطر از پریشانی مسئول ماند واز طرف ما فقرا ترددے وتفکرے لاحق حال شود کہ از طرف خرچ ہم عسرتے نیست وآں چہ مصارف بنائے مقدمہ جہاد ضروری است خواہد رسید۔ (مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۰۸)

(ہندوستان کے وہ مخلصین جو خود غریب الدیار اور کم زور ہیں مگر محض حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی کی دولت رکھتے ہیں وہ مہاجرین اور مجاہدین کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں، ہر چند کوشش کرتے ہیں کہ حزب اللہ کی خدمت گزاری میں شریک ہوں مگر جب سامان بھیجنے کا راستہ نہیں پاتے تھے تو سوائے حسرت وافسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ آخر کار ایک بہت مضبوط اور آسان طریقہ نظر آیا، صاحبزادہ یگانہ آفاق مولانا محمد اسحاق اس طریقے سے واقف ہیں۔ اسی وجہ سے مذکورہ مخلصین نے جان ودل سے پوری کوشش کی اور انصار کبار کی طرح خرمہرہ، فلوس اشرفی اور روپیہ وغیرہ جمع کر کے بھیجا۔ اکثر اس میں سے یہاں پہنچ گیا اور بعض ان شاء اللہ پہنچنے والا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کوئی بھی مولوی محمد اسحاق کے پاس کوئی چیز بھیجے گا وہ بلاتکلف یہاں تک پہنچ جائے گی اور وہ جو پہلے مولانا ممدوح (یعنی مولوی اسحاق) محبین کے بھیجے ہوئے مال کو لینے سے انکار کرتے

> تھے وہ محض اسی وجہ سے تھا کہ اس وقت تک ان کے پاس سامان بھیجنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مگر اب وہ راستہ مل گیا ہے، ان شاء اللہ اب انکار نہیں کریں گے۔ یہ اطلاعاً تحریر کیا گیا تا کہ آپ کو اطمینان ہو جائے اور ہم فقرا کے بارے میں کوئی فکر و تردد لاحق نہ ہو، کیوں کہ خرچے کی طرف سے کوئی تنگی نہیں ہے اور جو مصارف جہاد کی تیاری کے لیے ضروری ہیں وہ پہنچنے والے ہیں۔)

اس خط سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ خط کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے: ''از امیر المومنین سید احمد بخدمت نواب صاحب حشمت مآب، شوکت انتساب، مناقب اکتساب، شہامت نشان، جلالت عنوان نواب وزیر الدولہ محمد وزیر خان بہادر۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کو حکومت انگلشیہ کی جانب سے خط کی گرفتاری اور اس کے نتیجے میں باز پرس کا کوئی خطرہ نہیں تھا، ورنہ وہ اپنے ناموں کا اظہار کبھی نہیں کرتے۔

۲۔ سرحد پر مجاہدین کے مصارف اور جنگی سامان کی فراہمی کے لیے والی ٹونک پیش پیش رہتے تھے۔

۳۔ ہندوستان میں تحریک سے وابستہ افراد جہاد میں اعانت کے لیے مصارف جمع کر کے شاہ محمد اسحٰق کے سپرد کرتے تھے اور وہ سرحد بھیجا کرتے تھے۔

۴۔ دہلی اور ٹونک کے ذریعے تحریک کو بھیجی جانے والی امداد کو حکومت انگلشیہ نظر انداز کرتی تھی۔

سید احمد بریلوی کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بعد جب سرحد پر ان کی ازواج، اہل و عیال اور متعلقین کا کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں رہا تو نواب وزیر خاں نے ان سبھوں کو ٹونک بلا لیا۔ اس کا اجمالی تذکرہ مہر صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو:

> ''شہادت کے بعد سید صاحب کے اہل و عیال اور متعلقین کو بہ اصرار ٹونک میں بلوا لیا اور سید صاحب کی اہلیہ کی پالکی ایک میل کے فاصلے سے اپنے کندھے پر اٹھا کر ٹونک لائے۔ تمام متعلقین کے لیے وظیفے مقرر کیے، سید

> صاحب کی بڑی صاحبزادی سیدہ سائرہ کے لیے گیارہ ہزار کی جاگیر مقرر فرمائی۔ جماعت مجاہدین سے جتنے اصحاب ٹونک پہنچے، ان سب کے لیے موزوں عہدے تجویز فرمادیے، جن اصحاب نے عہدے قبول نہ کیے، ان کے لیے وظیفے مقرر کردیے۔ جماعت مجاہدین کے لیے ایک الگ محلّہ آباد کردیا، جواب تک ’’محلّہ قافلہ‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔‘‘
>
> (جماعت مجاہدین، ص: ۱۸۸)

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد سید صاحب کے سیکڑوں رفقا بددل ہوکر ہندوستان لوٹ آئے تھے۔ نواب وزیرخاں نے ان سبھوں کو پے در پے قاصد بھیج کر ٹونک بلالیا اور انھیں تمام سہولتیں بہم پہنچا کر سید صاحب کی سیرت اور تحریک کو قلم بند کرنے کے لیے مامور کردیا۔ چنانچہ اس نتیجے میں ’’مخزن احمدی‘‘ (فارسی)، ’’منظورۃ الشہداء فی احوال الغزاۃ والشہداء‘‘ (فارسی)، ’’وقائع احمدی‘‘ (اردو) جیسی ضخیم اور مستند کتابیں وجود میں آئیں۔ نواب وزیرخاں نے خود بھی اس حوالے سے فارسی میں ایک کتاب بنام ’’وصایا الوزیر علیٰ طریق البشیر والنذیر‘‘ لکھی۔

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد تحریک مردہ ہوچکی تھی اور بدنظمی کا دور دورہ تھا، ایسے ماحول میں تحریک کے احیا کے لیے شاہ اسحٰق کے بھائی، داماد اور شاگرد مولوی نصیرالدین دہلوی نے ۱۸۳۵ء میں دہلی سے سرحد کا رخ کیا اور ٹونک ہوتے ہوئے ۱۸۳۷ء میں سندھ پہنچے۔ تحریک کے اس دور انحطاط میں بھی نواب وزیرخاں نے اسے مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر قیام الدین لکھتے ہیں:

> ’’دوران سفر میں ہندوستان کے بہت سے رنگروٹوں کی ٹولیاں ان (مولوی نصیرالدین دہلوی) سے آملیں اور ٹونک میں نواب سے بیش قرار امداد بھی حاصل کیا۔‘‘ (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۱۱۵)

نواب وزیرالدولہ کی وفات کے بعد ۱۸/ جون ۱۸۶۴ء کو ان کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں☆ تخت نشیں ہوئے۔ انھوں نے بھی تحریک کے ساتھ خاصا تعاون کیا۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ’’نواب وزیرالدولہ کے فرزند ارجمند یمین الدولہ وزیرالملک نواب محمد علی

☆ نواب محمد علی خاں کی جانشینی کے تقریباً ڈھائی برسوں کے بعد لاوا کے ٹھاکر **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

> خاں بہادر صولت جنگ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔‘‘
>
> (جماعت مجاہدین، ص: ۱۸۹)

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ نواب یمین الدولہ کے تعلق سے مذکورہ جملے کے ساتھ مہر صاحب نے خلاف واقعہ یہ جملہ بھی ٹانک دیا کہ:

> ’’یہی (تحریک سے تعاون) وجہ تھی کہ انگریزوں نے انھیں تین سال کے بعد مسند حکومت سے اتار کر بنارس بھیج دیا۔ اگرچہ اس عزل کے وجوہ بہ ظاہر کچھ اور بتائے گئے۔‘‘ (ایضاً، ص: ۱۸۹)

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سخن گستری سے قبل مہر صاحب نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس سوال کی توجیہ کس طرح کی جائے گی کہ ۱۸۲۱ء سے ۱۸۶۴ء تک تقریباً ۴۳؍ برسوں میں نواب امیر خاں اور نواب وزیر خاں کو حکومت نے کیوں نہیں معزول کیا؟ جب کہ یہ دونوں سب سے زیادہ تحریک کے معاون و مددگار تھے۔ سید احمد بریلوی کی تحریک کا جذبۂ شہادت بجائے خود قابل ستائش ہے، کیا ضروری ہے کہ اس کے منشور کو حکومت انگلشیہ کے استیصال سے جوڑ کر اس کی تاریخ کو اپنے منشا و خیال کا تابع بنایا جائے۔ کیوں کہ مذکورہ تاریخی شواہد تحریک جہاد کے انگریز مخالف ہونے کی تغلیط کرتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ جب نواب محمد علی خاں کو حکومت نے ایک معمولی لغزش پر معزول کر کے ریاست بدر کر دیا۔ اگر تحریک حقیقتاً حکومت انگلشیہ کے استیصال کا ارادہ لے کر اٹھی ہوتی تو انگریزوں کے رحم و کرم اور وظیفے پر وجود میں آنے والی اس بے دست و پا ریاست (ٹونک) اور اس کے امیروں کو اس جرم عظیم پر کیسے معاف کر دیتی؟

تحریک جہاد: برٹش گورنمنٹ کی نظر اندازی اور امداد کی وجہ:

۱۸۰۹ء میں والی پنجاب رنجیت سنگھ (۱۷۸۰ء/ ۱۸۳۹ء) اور انگریزی حکومت کے درمیان ’’معاہدۂ امرتسر‘‘ ہوا، جس کے مطابق یہ طے پایا کہ دریائے ستلج کی مغربی ریاستیں سکھوں کی تحویل

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) اور اس کے متعلقین کا بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ حکومت انگلشیہ سے ان کی خاصی قربت تھی، تحقیقات سے پتہ چلا کہ ان کے قتل کی ترغیب نواب محمد علی خاں نے دی تھی، اس لیے حکومت انگلشیہ نے انھیں ۱۴؍ نومبر ۱۸۶۷ء کو معزول کر کے بنارس بھیج دیا جہاں ۱۸۹۵ء میں ان کی وفات ہو گئی۔

میں ہوں گی اور مشرقی حصہ انگریزی حکومت کے زیر تسلط ہوگا - اس معاہدے نے رنجیت سنگھ کے اس منصوبے پر پانی پھر دیا، جس میں وہ سکھوں کو متحد کر کے دریائے ستلج سے جمنا تک سکھ ایمپائر کی تشکیل کا خواب دیکھ رہا تھا - یہ معاہدہ کر کے انگریزی حکومت نے سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو لگام دے دی - اس معاہدے کے تحت ۱۸۲۳ء تک انگریزوں اور رنجیت سنگھ کے تعلقات میں کشیدگی نہیں رہی، لیکن اس عرصے میں اگر رنجیت سنگھ کی خواہش ستلج کے تمام حصوں پر قابض ہونے کی رہی تو ۱۸۱۸ء کے بعد انگریزی حکومت کی نگاہ بھی پنجاب و سندھ پر ٹکی رہی - اس لیے ستلج سے متعلقہ کئی معاملوں میں دونوں شکوک وشبہات میں مبتلا رہے اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے رہے - ۱۸۲۳ء تک دونوں کی سرگرمیاں مختلف رہیں - انگریزی طاقت رہی سہی مرہٹہ طاقت کا قلع قمع کرنے اور راجپوت قبائل کو باج گزار بنانے میں لگی رہی، جب کہ رنجیت سنگھ ملتان، ڈیرہ جات، کشمیر، پشاور اور پنجاب کے میدانی اور پہاڑی علاقوں کو سر کرنے اور فوج کو دوبارہ منظّم کرنے میں لگا رہا - اس کے بعد کی صورت حال کے تعلق سے نریندر کرشن سنہا لکھتے ہیں:

> ’’وہ (حکومت انگلشیہ) سندھ اور پنجاب کے مشرق میں ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت بن گئی - رنجیت سنگھ بھی پنجاب کا مالک بن گیا تھا - انگریزوں نے اس طرف توجہ نہیں کی - رنجیت سنگھ کے لیے یہ مسلسل خوشی کا دور تھا - کشمیر، اٹک اور ملتان کی تسخیر، چچ کے میدان اور نوشہرہ کی لڑائیوں میں افغانوں پر فتح، یورپ کے جنگی طریقوں سے اس کے جرنلوں کی واقفیت، یورپین ڈھنگ پر اس کے سپاہیوں کی جنگی تربیت اور بہت سی لڑائیوں میں فتح ونصرت کا پرچم لہرانے کے بعد پنجاب کا یہ سردار رنجیت سنگھ ہندوستان میں ایک طرح سے انگریزوں کا مدمقابل بن گیا - اب وقت آ گیا کہ اس کو آگے بڑھنے سے روکا جائے اور اس کی طاقت کو کم کیا جائے -‘‘ (رنجیت سنگھ، ص: ۸۸)

یہ وہی دور ہے جب سید احمد رائے بریلوی نے سکھوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور پنجاب کے مسلمانوں کو رنجیت سنگھ کے مظالم سے نجات دلانے کا بیڑہ اٹھایا - اپنے اس مشن کی

تکمیل کے لیے انھوں نے ملک کے مختلف علاقوں اور صوبوں کا دورہ کیا اور پوری تندہی سے جہاد کی تیاری میں لگ گئے۔ سرسید لکھتے ہیں:

> ”کسی زمانے میں سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ایک اتفاق ہوا تھا اور اس سے گورنمنٹ بھی واقف تھی، مگر اس کو بغاوت (انگلشیہ) سے کچھ سروکار نہ تھا۔“ (مقالات سرسید، حصہ نہم، ص:۱۸٦)

اُس وقت سید احمد رائے بریلوی کی یہ تحریک حکومت انگلشیہ کے لیے نعمت مترقبہ بن گئی۔ رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو محدود یا ختم کرنے کے لیے اسے نہ کسی پلاننگ کی ضرورت پڑی اور نہ اپنے فوجی اور مالی سرمائے کی قربانی دینی پڑی۔ حکومت انگلشیہ جانتی تھی کہ مذہبی سرفروشی کی تمنا میں اٹھنے والا یہ جتھا سرحدی جنگ جو قبائل اور پٹھانوں کے ساتھ رنجیت سنگھ کی حکومت کے لیے وبال جان بن جائے گا۔ یہ وہاں رنجیت سنگھ کی طاقت کو کم کرنے یا ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ان سے پنجاب وسندھ کو حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوگا اور اگر کامیاب نہیں ہوتا ہے تو کم از کم اسے اپنی سلطنت کو وسیع تر کرنے کی مہلت نہیں دے گا۔ پھر یہ کہ ایسے مذہبی جنونیوں سے ہماری عمل داری بھی خالی رہے گی، جو حکومتی استحکام میں کبھی بھی خلل کا باعث ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت نے نہ صرف تحریک جہاد کو نظر انداز کیا بلکہ حتی الامکان اسے امداد فراہم کرنے میں بھی کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مولانا سید حسین احمد مدنی (ف:۱۹۵۷ء) اپنی خودنوشت سوانح ”نقش حیات“ میں لکھتے ہیں:

> ”جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔“ (نقش حیات، حصہ: دوم، ص:۱۹)

اسی حوالے سے مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

> ”حکومت (انگلشیہ) کی پالیسی یہ تھی کہ جب تک ان پر براہ راست زد نہ پڑے، مجاہدین سے ٹکر نہ لی جائے اور انھیں سکھوں سے لڑنے دیا جائے۔ مجاہدین اور سکھوں میں سے جس کی بھی شکست ہو سرکار انگریزی کا بہر حال

فائدہ تھا۔'' (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۴۷)

تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ۱۸۲۶ء سے ۱۸۴۹ء تک:

تحریک جہاد کے مؤرخوں کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ تحریک کے آغاز ۱۸۲۶ء سے ۱۸۴۹ء (پنجاب پر انگریزوں کے مکمل تسلط) تک انگریزی حکومت سے تحریک کا براہ راست کوئی ٹکراؤ نہیں رہا اور نہ تحریک سے وابستہ مجاہدین نے منصوبہ بندی کے ساتھ انگریزی فوج کا سامنا کیا۔ مزید اس بات کو آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے:

(الف) تحریک جہاد کے آغاز ۱۸۲۶ء سے سید احمد رائے بریلوی کی شہادت تک تحریک کا پہلا دور ہے، اس دور میں ہندوستانی مجاہدین سے براہ راست یا بالواسطہ انگریزی حکومت سے کوئی معمولی جھڑپ بھی نہیں ہوئی، بلکہ انگریزی حکومت کی جانب سے معاملہ نظر اندازی اور درپردہ امداد وتعاون کا رہا۔ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

(ب) سید صاحب کی شہادت کے بعد تحریک کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں تحریک کی امارت شیخ ولی محمد پھلتی کو سونپی گئی۔ شیخ صاحب سید صاحب کی زوجہ کی حفاظت کے لیے انھیں سندھ لے کر چلے گئے تو مولوی نصیرالدین منگلوری کو امیر بنا دیا گیا۔ اس دور میں تحریک انتشار کا شکار رہی اور ہندوستانی مجاہدین سے سرحدی مسلمانوں اور قبائلی امرا کی کافی کشمکش رہی۔ اس عہد میں انگریزی حکومت سے کجا سکھوں سے بھی انھیں جہاد کا موقع نہیں ملا۔ آخر ۱۸۳۸ء میں سرحدی مسلمانوں سے ایک معرکے میں مولوی صاحب شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد شاہ اسحٰق دہلوی کے داماد مولوی نصیرالدین دہلوی سرحد میں تحریک کے مرکز ستھانہ پہنچے۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ''مولوی نصیرالدین منگلوری کی شہادت کے بعد صرف ستر اسّی مجاہدین باقی رہ گئے، جن کا انتظام میر اولاد علی عظیم آبادی نے سنبھال رکھا تھا۔ مولوی سید نصیرالدین (دہلوی) ستھانہ پہنچے تو وہ امیر بن گئے، لیکن ابھی وہاں کوئی کارنامہ انجام نہ دینے پائے تھے کہ خدا کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ صحیح تاریخ معلوم نہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کی وفات ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔''
>
> (سرگزشت مجاہدین، ص: ۱۹۶)

مولوی نصیرالدی دہلوی نے ۱۸۳۵ء میں دہلی سے سرحد کا رخ کیا اور ٹونک ہوتے ہوئے سندھ پہنچے، اس وقت والیان سندھ انگریزی حکومت کے زیر اثر تھے، ان علاقوں میں کئی برسوں تک آپ سکھوں سے جہاد کی تدبیر اور مشورے کرتے رہے، آخر بلوچی قوم ’’مزاری‘‘ جو سکھوں سے برسر پیکار تھی، کے ساتھ مل کر روجھان اور کنی کے علاقوں میں سکھوں سے جہاد کیا- بعد میں روجھان حوالے کرنے کی شرط پر سکھوں سے مزاریوں کی مصالحت ہوگئی- جنگ روجھان کے بعد مولوی نصیرالدین دہلوی بلوچستان چلے گئے اور مختلف کوہستانی علاقوں میں مقیم رہے اور پھر وہاں سے افغانستان- مگر بقول مہر اس دوران ان کی سرگرمیوں کے تعلق سے تاریخ خاموش ہے- ’’مجاہدین کی جماعت بکھر گئی تھی اور مولوی صاحب تنہا ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرتے پھراتے ستھانہ پہنچے- ☆‘‘ ستھانہ پہنچنے سے قبل مولوی صاحب بلوچستان میں ہی تھے کہ انگریز افغان سیاسی جنگ چھڑ گئی، یہ کابل پر اقتدار پانے کی جنگ تھی- مولانا فیصل احمد ندوی ’’سرگزشت مجاہدین‘‘ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ’’دوست محمد خان کابل کا والی تھا- انگریز شاہ شجاع کو جو زماں شاہ کا ماں جایا بھائی تھا اور اب افغانستان کی خانہ جنگیوں میں شکست کھا کر لدھیانہ میں انگریزوں کی پناہ میں تھا، جنھوں نے اس کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا- شاہ شجاع انگریزوں کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھا، جس سے افغانستان پر انگریزوں کے لیے قبضہ کی راہیں ہموار ہو جائیں- برخلاف دوست محمد خان کے جو ایک غیرت مند حکمراں تھا- وہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے کے لیے تیار نہیں تھا، چنانچہ انگریزوں نے بلا کسی جواز کے دوست محمد خان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تا کہ اسے شکست دے کر شاہ شجاع کو کابل کا بادشاہ بنائیں-‘‘
>
> (تحریک آزادی میں علما کا کردار، ص: ۳۶۵/۳۶۶)

اس سیاسی جنگ میں والی کابل دوست محمد خان نے مولوی نصیرالدین دہلوی سے مدد چاہی

☆ سرگزشت مجاہدین، ص: ۱۹۰

اورغزنی (کابل) میں انگریزوں سے دوست محمد خان کی جنگ ہوئی، جس میں بچے کھچے ہندوستانی مجاہدین نے بھی ان کی مدد کی اور شکست سے دوچار ہوئے۔ انگریزی حکومت سے یہ جنگ تحریک سے براہ راست نہیں تھی۔ اس جنگ کو انگریزی حکومت کے استیصال کے جذبے اور تحریک آزادی سے جوڑ کر اسے تحریک جہاد کا مقصود اصلی قرار دینا تاریخ کے ساتھ جبر ہے۔

(ج) مولوی نصیرالدین دہلوی کے وصال ۱۸۴۰ء کے بعد، بقول مہر مجاہدین کا مرکز تباہ ہو چکا تھا، جو تھوڑے سے مجاہدین باقی رہ گئے تھے، انھوں نے میر اولاد علی کو اپنا امیر بنالیا تھا۔ کئی برسوں کے بعد وادی کاغان کے سردار سید ضامن شاہ کی دعوت پر ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۶ء میں یکے بعد دیگرے صادق پور، پٹنہ سے سید احمد رائے بریلوی کے مرید مولانا عنایت علی اور ان کے بڑے بھائی مولانا ولایت علی سرحد آئے، تحریک میں جان ڈالنے کی کوشش کی اور سکھوں سے جہاد کا ایک بار پھر سے آغاز کیا، تاہم اس وقت تک حالات بدل چکے تھے۔ تحریک کے اس تیسرے دور میں پنجاب کے کئی علاقوں پر انگریزی حکومت کا قبضہ ہو چکا تھا اور کچھ علاقے اس کے زیر اثر آ چکے تھے۔ اس لیے اس نے تحریک کی جہادی سرگرمیوں پر لگام کسنا شروع کر دیا اور اس کی جمعیت کو توڑ کر تمام مجاہدین کو ۱۸۴۷ء میں ہندوستان واپس بھیج دیا۔ (تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ کریں)

اس درمیان سکھوں سے مجاہدین کی جو جنگیں یا جھڑپیں ہوئیں، ان میں (پنجاب پر اپنا مکمل تسلط قائم کرنے کے لیے) انگریزی حکومت سکھوں کا ساتھ دے رہی تھی، یہ جھڑپیں بھی انگریزی حکومت سے براہ راست نہیں تھی اور نہ ان سے جہاد کرنا تحریک کا مقصود و مطلوب تھا۔

اگلے کئی برسوں تک تحریک جہاد بے جان رہی، یہاں تک کہ ۱۸۴۹ء میں رنجیت سنگھ کی یہ بڑی سلطنت انگریزی سلطنت میں شامل ہوگئی۔

برٹش گورنمنٹ کی جانب سے تحریک جہاد کو لگام دینے کا آغاز:

والی پنجاب رنجیت سنگھ کے انتقال ۱۸۳۹ء کے بعد اس کی سیاسی سلطنت، جو تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مربع میل سے زائد پر پھیلی ہوئی تھی ☆، کمزور ہونے لگی، انگریزی سرکار کی نگاہ

☆ ”(سلطنت) کی ایک حد لداخ اور اسکردو کی جانب تبت تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری جانب درۂ خیبر سے چل کر کوہ سلیمان کی پہاڑیوں سے ٹکراتی ہوئی جنوب میں شکار پور سندھ تک پہنچتی تھی۔ **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

برسوں سے پنجاب پر لگی ہوئی تھی، انگریزوں نے سکھوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور پنجاب کے مختلف خطوں میں اپنی ہوشیاری اور عسکری قوت کے ذریعے رفتہ رفتہ قابض ہونے لگی۔

نومبر ۱۸۴۵ء میں انگریزوں اور سکھوں کی پہلی جنگ ہوئی۔ اس وقت گلاب سنگھ سکھوں کے ماتحت جموں کا گورنر تھا، جب کہ امام الدین کشمیر کا۔ اس جنگ میں سکھوں کو شکست ہوئی اور جموں، کشمیر اور بالائی ہزارہ کے علاقوں پر انگریزی حکومت کا دبدبہ قائم ہوگیا۔ گلاب سنگھ اس جنگ میں الگ تھلگ رہا، اس لیے انگریزی حکومت نے ۱۹/ مارچ ۱۸۴۶ء کو ایک معاہدے کے تحت ان علاقوں کو گلاب سنگھ کے حوالے کردیا۔ اس کے علاوہ بھی پنجاب کے کئی حصے انگریزی حکومت کے ماتحت آچکے تھے اور وہ ملکی معاملات میں کافی دخیل ہوگئے تھے ـــــ پنجاب کے جن حصوں پر وہ قابض اور دخیل ہوگئے تھے، اب ان میں ہندوستانی مجاہدین کی طرف سے کسی طرح کی شورش انھیں گوارا نہیں تھی۔ سکھوں کے خلاف اٹھنے والی اس تحریک سے ان کا مقصد پورا ہوچکا تھا، جس کے لیے ابتدا سے نہ صرف انگریزی حکومت نے اسے نظر انداز کیا بلکہ درپردہ تعاون سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ مگر اب وقت آگیا تھا کہ ان پر لگام کسی جائے۔

مولانا مسعود عالم ندوی نے بھی اس اعتراف سے گریز نہیں کیا ہے:

> ”شروع شروع مجاہدین سے روک ٹوک نہیں گئی، لیکن جب پنجاب کا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔“ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۴۷)

تحریک جہاد کو لگام دینے کا آغاز کچھ اس طرح سے کیا گیا:

۱۸۳۱ء میں سید احمد رائے بریلوی کی شہادت کے بعد تحریک بکھراؤ کا شکار ہوگئی تھی، ان کے بعد تحریک میں نہ وہ اجتماعیت اور قیادت باقی رہی اور نہ ہی وہ جوش وولولہ، اس لیے وادی کاغان (سرحد) کے سردار سید ضامن شاہ (ف: ۱۸۷۱ء) جو سکھوں سے برسرپیکار تھے، سید صاحب کے

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) مشرق میں انگریزوں کے ساتھ دریائے ستلج حد فاصل مقرر ہوچکی تھی۔ یہ سلطنت چار بڑے بڑے صوبے میں منقسم تھی، جن کے نام مہاراجہ کے سرکاری کاغذات میں اس طرح درج ہیں: (۱) صوبہ لاہور (۲) صوبہ دار الاماں ملتان (۳) صوبہ جنت نظیر کشمیر (۴) اولکائے پشاور۔“

(مہاراجہ رنجیت سنگھ، سیتارام کوہلی، ص: ۲۹۱، الہ آباد ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۳۳ء)

مرید وخلیفہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی ☆ کو اپنی مدد کے لیے ۱۸۴۳ء میں پٹنہ سے طلب کیا، سکھوں نے ان کا علاقہ ان سے چھین لیا تھا- مولانا ولایت علی نے سکھوں کے خلاف سید ضامن شاہ کی مدد کے لیے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی اور ایک بڑی جمعیت کو ۱۸۴۴ء میں ہندوستان سے سرحد بھیجا اور دو سال کے بعد ۱۸۴۶ء میں خود بھی سید ضامن شاہ کی اعانت کے لیے سرحد کی طرف روانہ ہوئے، جہاں انھیں تحریک کی امارت سونپ دی گئی- اس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ سے ہندوستانی مجاہدین برسر پیکار تھے- مولانا ولایت علی نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی- اس موقع پر گلاب سنگھ نے انگریزی حکومت سے امداد طلب کی- آگے کی تفصیل تحریک کے رکن اور خانوادۂ صادق پور کے فرد مولانا عبدالرحیم صادق پوری کی زبانی ملاحظہ ہو:

> ”گورنمنٹ ہند نے مولانا (ولایت علی) کے پاس خط لکھا کہ گلاب سنگھ گورنمنٹ ہند کا معاہد ہے اور اس کی حمایت میں آگیا ہے- لہٰذا اب سے برسر پیکار رہنا گورنمنٹ ہند سے مقابلہ کرنا ہے، اس لیے آپ کنارہ کش ہوگئے-“ (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص: ۱۶۱)

انگریزی سرکار کی اس تنبیہ سے مولانا ولایت علی گلاب سنگھ کے خلاف جنگی اقدام سے فوراً کنارہ کش ہوگئے- اس کے بعد لاہور کے ریذیڈنٹ نے گلاب سنگھ کی مدد کے لیے سکھ فوج کے ساتھ دیوان کرم چند کی کمان میں انگریزی فوج کا ایک دستہ بھی بھیج دیا اور دو فوجی افسروں مسٹر

☆ معرکۂ بالاکوٹ کے بعد سید صاحب کے بے شمار مجاہدین اور رفقا ہندوستان لوٹ آئے تھے اور جوان کی زندگی میں کسی مشن کے تحت سرحد سے ہندوستان بھیجے گئے تھے، ان کی شہادت کے بعد ان میں سے بھی اکثر لوٹ کر دوبارہ سرحد نہیں گئے- خانوادۂ صادق پور (پٹنہ) کی معروف شخصیت اور سید صاحب کے مرید وخلیفہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی بھی انہی لوگوں میں تھے جنھوں نے سید صاحب کی شہادت کے بعد پندرہ برسوں تک سرحد کا رخ نہیں کیا- یہ دونوں جہاد کی غرض سے سید صاحب کے ساتھ سرحد پر گئے تھے- کچھ عرصے کے بعد سید صاحب نے اپنے عقائد ونظریات کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاحات کی غرض سے چند لوگوں کو منتخب کر کے انھیں ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھیجا، اسی غرض سے مولانا ولایت علی کو حیدرآباد دکن روانہ کیا، جب کہ چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی معرکۂ بالاکوٹ تک سرحد پر ہی رہے، پھر اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے پٹنہ لوٹ آئے- اس کے بعد وہ مشرقی بنگال کے علاقے میں دعوت وتبلیغ میں سرگرم رہے- تاہم دونوں بھائی تحریک سے وابستہ رہے-

لمسڈ ین اور مسٹر وینس ایگنیو کو اس دستے کے ساتھ تعینات کیا گیا، ان لوگوں نے تحریک سے وابستہ بشمول ضامن شاہ، مقامی سرحدی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا دونوں طبقوں میں مقابلہ ہوا اور ہندوستانی مجاہدین نے اس طاقت کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیے- مولانا ولایت علی نے تحریک سے وابستہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہزارہ کا علاقہ خالی کر کے سید اکبر شاہ کے پاس سوات جانے کی اجازت چاہی، مگر وہاں پہنچنے کے لیے راستے میں وہ علاقے آتے تھے جو اس وقت انگریزی حکومت کے قبضے میں آ چکے تھے، اس لیے وہاں سے بحفاظت گزرنے کی ضمانت مذکورہ دونوں افسروں نے لکھ کر دے دی اور مولانا چار سو افراد کے اپنے قافلے کے ساتھ سوات کی طرف روانہ ہوئے، مگر انگریزی عمل داری میں پہنچتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور مذکورہ دونوں افسروں کی دی ہوئی ضمانت اس لیے منسوخ کر دی گئی کہ یہ اعلیٰ حکام کی اجازت کے بغیر مقامی افسروں کی دی ہوئی ضمانت ہے- اس کے بعد:

> ’’وہابیوں نے مع برادران علی (ولایت علی، عنایت علی) اپنے ہتھیار اور سامان جنگ حوالے کر کے جنگ سے دست برداری قبول کر لی اور لاہور بھیج دیے گئے-‘‘ (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۱۵۱)

لاہور پہنچنے کے بعد کی تفصیل مولانا عبدالرحیم صادق پوری نے لکھی ہے:

> ’’(لاہور پہنچنے کے بعد) جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے دو منزل آگے جا کر آپ لوگوں کا اہتمام اور گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور فوج انگریزی کے ہمراہ لاہور لایا اور آپ کی داد شجاعت دی اور انداز اطاعت و دانش مندی کی خوب تعریف کی اور ضامن شاہ کی حرکت بے وفائی پر سخت نفریں ہوا اور آپ سے درخواست کی کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے روہلہ فوج کی تنخواہ ادا کر دی جائے اور یہ برخواست کر دی جائیں اور بقیہ پانچ سو ہندی مجاہدین کے آپ دونوں بھائی (ولایت علی، عنایت علی) وطن (پٹنہ) کو مراجعت کریں- آپ حضرات نے اسے بھی منظور فرمایا- چیف کمشنر نے ایک روز آپ حضرات کی مع مجاہدین کے گورنمنٹ کی طرف سے دوسرے روز اپنی طرف سے دعوت کی- تیسرے

> دن مولوی رجب علی صاحب میر منشی چیف کمشنر پنجاب نے آپ سب لوگوں کی دعوت کی۔ اس کے بعد اس نے گورنمنٹ کے خرچ سے باہتمام واکرام آپ لوگوں کو مع بقیہ مجاہدین کے پٹنہ پہنچادیا۔ یہ لوگ پٹنہ پہنچ کر اول کمشنر صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے، کمشنر صاحب نے بڑے تپاک وگرم جوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا اور اندر لے جا کر آپ سے فرمایا کہ گورنمنٹ آپ دونوں بھائیوں سے دو برس کے لیے مچلکہ دو سو روپیہ کا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے حسب فرمان مچلکہ پر دستخط کردی اور وہاں سے رخصت ہو کر مکان تشریف لائے۔''
>
> (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص: ۱۶۲/۱۶۳)

جب یہ لوگ لاہور لائے جا رہے تھے تو بیر کا دوراہ کے مقام پر ان لوگوں سے انگریزی افسر مسٹر جیمز ایبٹ ملا، اس سے اور اس کے بعد ہزارہ میں لاٹ صاحب (ایچ ایم لارنس، جو لاہور دربار میں ریذیڈنٹ اور گورنر جنرل کا ایجنٹ تھا) سے مولانا ولایت علی اور ان کے رفقا کا جو مختصر مکالمہ ہوا ہے، اس کو مولانا کے رفیق جہاد اور مرید عبداللہ حاجی پوری نے جو وہاں موجود تھے، بیان کیا ہے، اس مکالمے سے بھی تحریک کے عزائم کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

> ''وہاں مسٹر ابوٹ (ایبٹ) نے ولایت علی سے پوچھا: اب تم کدھر جاؤ گے؟ انھوں نے کہا: ستھانہ، اس پر مسٹر ابوٹ بولے: بہتر ہے کہ تم ہزارہ چلے جاؤ اور لاٹ صاحب سے ملو، جو وہ حکم دیں، وہ کرو۔''
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۱۵۴)

چنانچہ وہ لوگ ہزارہ چلے گئے۔ اس کے بعد عبداللہ بتاتا ہے:

> ''چند دن کے بعد لاٹ صاحب نے ولایت علی، عنایت علی، مقصود علی، فیاض علی اور یحییٰ علی کو بلا بھیجا، وہ خیمہ میں داخل ہوئے تو ان سے سوال کیے گئے: کیا تم صادق پور عظیم آباد کے باشندے نہیں؟ کیا تم انگریز کی رعایا نہیں؟ کیا تم گورنمنٹ کو مال گزاری ادا نہیں کرتے؟ تم اس ملک میں

> کیوں آتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے دین کی رو سے ہم کو کافروں
> سے لڑنا ہے، سکھ ہمارے دشمن ہیں، اس لیے ہم ان سے لڑنے آئے ہیں۔
> لاٹ صاحب نے جواب دیا کہ یہ ملک تو انگریزوں کا ہے، اب تم کیا
> کروگے؟ انھوں نے کہا: ہم کابل چلے جائیں گے۔ مگر لاٹ صاحب
> نے کہا کہ وہ ملک کابل تک یاغستان (آزاد) ہے۔ اگر تم وہاں چلے جاؤ
> گے تو پھر سازش کروگے اور انگریزوں سے لڑنے لگوگے، اس لیے میں تم
> کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا، تب انھوں نے حکم صادر کیا ہم
> اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں۔'' (ایضاً، ص: ۱۵۵)

اس مکالمے سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تحریک کا مقصد کبھی بھی انگریزی حکومت کا استیصال نہیں تھا اور چند سو افراد پر مشتمل دم توڑتی ہوئی تحریک کے ذریعے ہمالیائی قوت وسلطنت رکھنے والی انگریزی حکومت کے خاتمے کے بارے میں کوئی بھی باشعور سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تاہم اس طرح کے واضح شواہد کے باوجود تحریک سے فکری ہم نوائی رکھنے والے بعض اہل قلم نے انھیں ہمیشہ نظر انداز کیا یا پھر ان شواہد کو بھی انگریز مخالف شواہد بنا کر پیش کرنے کی کوشش فرمائی۔ مذکورہ اقتباس کا یہ جملہ ''سکھ ہمارے دشمن ہیں، اس لیے ہم ان سے لڑنے آئے ہیں'' تحریک کے حوالے سے جدید مؤرخین کے موقف کی نفی کر رہا تھا، اس لیے ڈاکٹر قیام الدین صادق پوری نے اپنی تصنیف ''ہندوستان میں وہابی تحریک'' میں لفظ ''سکھ'' پر یہ حاشیہ چڑھایا:

> ''یہ ان کے اصل مقصد پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک سہل عذر تھا۔ انگریز خود
> ان کے اصل مقصد (انگریزوں سے جنگ) سے خوب واقف تھے۔ یہ
> حقیقت لاٹ صاحب کے جواب سے ظاہر ہے۔'' (ایضاً، حاشیہ، ص: ۱۵۵)

مذکورہ مکالمے کو نقل کر کے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ لفظ ''سکھ'' پر یہی حاشیہ مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی نے اپنی کتاب ''تحریک آزادی میں علما کا کردار'' میں چڑھایا ہے اور دونوں محققین نے اس جملے (سکھ ہمارے دشمن ہیں، اس لیے ہم ان سے لڑنے آئے ہیں) پر لاٹ صاحب کے جواب کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ تحریک کی اصل جنگ انگریزوں کے ساتھ تھی، ورنہ

وہ کیوں کہتے کہ ''اگر تم وہاں چلے جاؤ گے تو پھر انگریزوں سے لڑنے لگو گے؟'' حالاں کہ جملے کا یہ حصہ حالیہ دنوں میں ہونے والی ان جھڑپوں کی طرف اشارہ تھا جو مجاہدین سے سکھوں کے خلاف ہوئی تھیں، جن میں بالواسطہ انگریزی حکومت نے سکھوں کی حمایت میں حصہ لیا تھا، کیوں کہ پنجاب کے بیشتر علاقے ان کے زیر نگیں آ گئے تھے یا وہ سرحد کے فساد زدہ علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے سکھ حکام کی مدد کر رہے تھے- ورنہ اس مکالمے سے قبل براہ راست انگریزی حکومت سے تحریک کا کبھی بھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا اور نہ انگریزی حکومت نے ۱۸۴۶ء سے قبل، جب تک پنجاب میں وہ دخیل نہیں ہو گئے تحریک کی جہادی سرگرمیوں پر کسی طرح کا کوئی محاسبہ کیا-

پنجاب کے الحاق کے بعد برٹش گورنمنٹ اور تحریک جہاد:

پچھلے صفحات میں گزرا کہ برٹش گورنمنٹ نے مولانا ولایت علی اور عنایت علی کو دو برس کے مچلکہ پر سرحد سے لا کر پٹنہ چھوڑا تھا- دو برس کے مچلکہ کی میعاد پوری ہونے میں کچھ ماہ رہ گئے تھے، جب ہی مولانا ولایت علی نے اپنی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ فروخت کر دی اور اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر خاموشی کے ساتھ پٹنہ سے ہمیشہ کے لیے ہجرت کر گئے اور دہلی ہوتے ہوئے سرحد کا رخ کیا، آرہ میں ان کے اہل و عیال بھی ساتھ ہو لیے اور لدھیانہ میں ان کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی بھی ان سے مل گئے اور اس طرح دونوں بھائی ۱۸۵۱ء میں ستھانہ (سرحد) پہنچ گئے- ان کے پہنچنے کے بعد ہندوستانی لوگوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت وہاں اکھٹی ہو گئی-

ایک اہم نکتہ:

مذکورہ دونوں حضرات کے پہنچنے کے بعد تحریک کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے- اب یہ علاقے انگریزی عمل داری میں آ گئے تھے، اس لیے دو تین دہائیوں تک انگریزی حکومت سے تحریک کی جھڑپیں ہوتی رہیں، حالاں کہ ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے- تحریک سے وابستہ افراد ہندوستان سے اپنی کشتی جلا کر یہاں آئے تھے اور ان علاقوں کو اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا، اس لیے اپنے وجود و بقا کے لیے حکومت سے برسر پیکار رتھے- تحریک کے عقیدت مند مؤرخوں نے انگریزی حکومت سے ہونے والی ان چند جھڑپوں کو تحریک کے جذبۂ جہاد، انگریزی حکومت کے خاتمے کے مشن، تحریک آزادی کی جدوجہد اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی کوششوں سے تعبیر کیا ہے، جو تاریخی

حقائق کی تکذیب ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تحریک سے وابستہ افراد جس طرح سکھوں کے خلاف منصوبہ بند طریقے سے پیش قدمی کرتے رہے اور برسوں تک سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے ان سے نبرد آزما رہے، انگریزی حکومت کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ رہتا۔ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ پنجاب کے الحاق کے بعد کئی دہائیوں تک انگریزی حکومت تحریک کی جمعیت ختم کرنے کے لیے مسلسل ان پر حملے کرتی رہی اور تحریک کے مجاہدین صرف اپنا دفاع کرتے رہے۔

مولانا عبدالرحیم صادق پوری لکھتے ہیں:

> ”آپ (مولانا ولایت علی) کی ہجرت کی خبر سن کر مختلف جگہوں سے لوگ سوات روانہ ہونے لگے اور وہاں اچھا خاصا اجتماع ہوگیا۔ مولانا ولایت علی صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ جو اجتماع سوات میں ہوا تھا، وہ انگریزوں کو سخت ناگوار تھا۔ انگریزی حکومت کی یہ کوشش رہی کہ ان کی جمعیت کو توڑ دیں۔ جمعیت کو توڑنے کے لیے انگریزی حکومت کی طرف سے بار بار حملے ہوتے رہے۔ مولانا ولایت علی صاحب علیہ الرحمہ انگریزی حکومت کے حملوں کا دفاع کرتے رہے۔“
>
> (الدرالمنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص:۱۸۱)

اپنے دفاعی رویے کے تعلق سے مولانا کا خیال تھا کہ:

> ”جس جماعت کے غلبے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، ویسی ہی جماعت ہم بنانا چاہتے ہیں۔ ابھی ویسی جماعت نہیں بنی ہے۔“ (ایضاً)

حالاں کہ تحریک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو انگریزی حکومت تو دور کی بات ہے سکھوں کے مقابلے میں بھی تحریک ایسی جماعت تیار کرنے میں ناکام رہی جو شرق و غرب کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی اس کی سلطنت کو ختم کرنے کا سبب بن سکے۔ اپنے قیام تاریخ سے لے کر خاتمے تک تحریک کا کئی بار شیرازہ بکھرا، افرادی قوت ختم ہوگئی، جہادی سرگرمیاں تعطل کا شکار ہوگئیں اور ہر آنے والا وقت تحریک کو کمزور کرتا چلا گیا۔ جب کہ دوسری طرف انگریزی حکومت کا دائرۂ قوت و اثر بڑھتا ہی چلا گیا۔

انگریزی حکومت کے حملوں کے جواب میں مولانا کے دفاعی رویے کی وجہ سے ہی ان کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت سے مولانا ولایت علی کا شدید اختلاف ہوگیا- مولانا نہ صرف انگریزی حکومت سے بلکہ اُن علاقائی سرداروں سے بھی جنگ کرنے کو تیار نہیں تھے جنھوں نے حکومت سے مصالحت کرلی تھی- اس اختلاف کے نتیجے میں مولانا عنایت علی اپنے ساتھ چند سو افراد کو لے کر ایک دوسرے علاقے منگل تھانہ چلے گئے- یہاں تک کہ ۱۸۵۲ء میں مولانا ولایت علی کا وصال ہوگیا، اس کے بعد مولانا عنایت علی ستھانہ آ گئے، اب امارت ان کو سونپ دی گئی- مگر صورت حال وہی رہی، حکومت سے تحریک کا براہ راست ٹکراؤ نہیں رہا، بلکہ زیادہ تر ان علاقائی قبائل سے رہا جو انگریزی حکومت کے زیر اثر آ گئے تھے-

انیس ویں صدی کے نصف سے لے کر صدی کے آخر تک تحریک کی امارت بدلتی رہی، چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، کبھی ہندوستانی مجاہدین کسی علاقے پر قبضہ کر لیتے، پھر حکومت حملہ کر کے ان سے وہ علاقے خالی کروالیتی، بار بار علاقائی امرا سے دھوکہ کھانے کے باوجود تحریک ان پر اعتماد کر کے انھیں اپنے ساتھ ملا لیتی، پھر وہ دغا دے کر حکومت کے ساتھ ہو جاتے- اس طرح بیسویں صدی کے اوائل تک یہ تحریک سرحدی دروں اور پہاڑوں میں بے مقصد چلتی رہی اور بدترین حالت و کردار میں آخر اپنے انجام کو پہنچی- تحریک سے وابستہ ایک اہم شخصیت مولوی محمد علی قصوری ۱۹۱۶ء میں کابل میں قیام کرتے ہوئے سرحد گئے تا کہ انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستان میں تحریک آزادی کی جو لہر چل رہی تھی اسے کابل و یاغستان سے کمک پہنچائی جائے، وہاں جا کر انھوں نے امیر مجاہدین اور جماعت کی جو حالت دیکھی، ان کے پیروں تلے زمین کھسک گئی-

مولوی قصوری لکھتے ہیں:

> ’’نبیر پہنچ کر مجھے امیر المجاہدین امیر نعمت اللہ صاحب کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ میں ان کے صدر مقام میں ضرور آؤں...... مجھے بھی خاص مسرت ہو رہی تھی کہ جس جماعت کے ساتھ میرا اتنا پرانا تعلق رہا ہے اس جماعت کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا-‘‘

(مشاہدات کابل و یاغستان، ص: ۹۳)

مزید لکھتے ہیں☆:

> ’’افسوس کہ جب اس جماعت کی عنان اہل لوگوں کے بجائے نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تو اس میں بھی فساد اور خسران کے جراثیم پرورش پانے لگے اور گو کہ ہندوستان کے لوگوں کو اصل واقعات کا علم نہ تھا لیکن مرکز کی حالت ناگفتہ بہ ہوچکی تھی-‘‘ (ایضاً، ص: ۹۲)

ایک اہم سوال:

جیسا کہ پچھلے سطور میں گزرا کہ پنجاب کے الحاق کے بعد کئی دہائیوں تک انگریزی حکومت تحریک کی جمعیت کو ختم کرنے کے لیے مسلسل ان پر حملے کرتی رہی- اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر ایسی کون سی وجہ تھی کہ حکومت تحریک کی جمعیت ختم کرنے کے درپے رہی یا اسے کچلنے کے لیے کوشاں تھی؟ اس اہم سوال کا جواب مندرجہ ذیل سطور میں ملاحظہ کریں-

انگریزی حکومت اور تحریک کے ٹکراؤ کی بنیادی وجہ:

سرحدی علاقے مختلف قبائل اور طاقتوں میں بٹے ہوئے تھے، جہاں ہر قبیلے اور علاقے کی ایک متوازی طاقت تھی، ان کے سردار، ان کے حاکم تھے- اپنے علاقے میں وہ کسی بیرونی طاقت کی مداخلت پسند نہیں کرتے تھے- سکھ حکومت کو شکست دے کر ۱۸۴۹ء میں سرکار انگلشیہ کے پنجاب پر قابض ہونے کے بعد بھی سرحدی مسلمانوں کی صورت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی- پہلے سکھ حکومت ان کی آزادانہ قبائلی زندگی میں مداخلت کر کے انھیں اپنا مطیع وفرماں بردار بنانا چاہتی تھی، اب سرکار انگریزی کا مقصد یہی تھا- ان سرحدی امرا اور قبائل کے سرداروں سے سید احمد بریلوی کے اختلافات کے چند بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب بھی یہی تھا کہ سید صاحب اپنی امارت وامامت کے ذریعے انھیں اپنا مطیع بنانا چاہتے تھے، اس لیے ان سرحدی مسلمانوں نے پہلے سکھوں کے خلاف ان کا ساتھ دیا، پھر سید صاحب کے خلاف کھڑے ہوگئے اور اس کے بعد

☆ یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے یہاں اس کی تفصیل نہیں دی جا رہی ہے- بیسویں صدی کے اوائل میں تحریک کی بدترین صورت حال اور بدکرداری کی تفصیل جاننے کے لیے ’’مشاہدات کابل ویاغستان‘‘ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے-

انگریزی حکومت کی مداخلت کے خلاف بھی برسر پیکار رہے-

انگریزی سرکار ان قبائل کی جنگجویانہ قوت ختم کر دینا چاہتی تھی تا کہ یہ لوگ حکومت کو پریشان کرنے کی جسارت نہ کریں- ۱۸۴۹ء سے پہلے تک ہندوستانی مجاہدین کے ساتھ مل کر سرحدی امرا اور قبائل کے سردار حکومت سکھ سے مقابلہ آرا رہے، مگر ۱۸۴۹ء کے بعد جب سکھوں کی جگہ انگریزوں نے ان علاقوں پر قبضہ جما لیا تو یہی سرحدی امرا اور قبائلی سردار ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقے میں پناہ دے کر ان کو انگریزوں کے خلاف سرابھارنے میں استعمال کرنے لگے، کبھی معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا- انیس ویں صدی کے آخر میں سرکاری استعمال کے لیے حکومت نے تحریک جہاد پر ایک رپورٹ تیار کی تھی- یہ رپورٹ انگریزی زبان میں بڑے سائز کے پندرہ صفحات پر مشتمل ہے- اس رپورٹ کا ابتدائیہ اور اختتامیہ مذکورہ باتوں کا مؤید ہے- رپورٹ کا عنوان ہے:

Report on the Hindustani Fanatics (ہندوستانی کٹ ملاؤں پر ایک رپورٹ)

اسے لفٹیننٹ کرنل اے ایچ میسن، ڈی ایس او، ڈپٹی اسسٹنٹ کوارٹر ماسٹر جنرل، شملہ نے مرتب کیا تھا اور یہ رپورٹ گورنمنٹ سینٹرل پرنٹنگ آفس سے ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی-

رپورٹ کا ابتدائیہ یہ ہے☆:

> ’’اگرچہ پیشاور کی سرحد پر آباد آزاد قبائل کے خلاف بھیجی جانے والی تعزیری مہمات کی فوری وجہ یہی لوگ ہیں، تاہم عمومی اعتبار سے ان کے آغاز اور تاریخ کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں- اس سبب سے یہ خیال

☆مولانا شاہ حسین گردیزی (کراچی) کی کتاب ’’حقائق تحریک بالاکوٹ‘‘ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی اور اس پر ماہ نامہ ’’ترجمان القرآن‘‘ لاہور کے شمارہ اگست ۱۹۸۲ء میں تبصرہ لکھا گیا- اس کتاب میں مصنف نے سید صاحب اور ان کی تحریک پر مختلف پہلوؤں سے جارحانہ نقد کرتے ہوئے انگریزی جاسوس ہونے کا الزام عائد کیا تھا- اس الزام کے جواب میں سید میر بادشاہ بخاری (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور) نے ’’تحریک مجاہدین اور انگریز‘‘ کے زیر عنوان برطانوی سرکار کی رپورٹوں کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون لکھا جو مذکورہ رسالے کے شمارہ فروری ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا- مضمون کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر مدیر ماہ نامہ ’’الفرقان‘‘ لکھنؤ نے اسے اپنے رسالے کے اکتوبر ۱۹۸۳ء کے شمارے میں بعنوان ’’سید احمد شہید کی تحریک جہاد اور انگریز: برطانوی سرکار کی رپورٹوں کی روشنی میں‘‘ شائع کر دیا- فاضل مضمون نگار نے مذکورہ رپورٹوں کا انگریزی متن بھی نقل کیا تھا، مگر طوالت کے خوف سے مدیر ’’الفرقان‘‘ نے صرف ترجمہ ہی باقی رکھا- رپورٹس پر مشتمل مذکورہ تمام حوالے اسی مضمون سے نقل کیے گئے ہیں-

> آیا کہ ان کی ابتدا اور برطانوی سرکار کے تعلق میں ان کا رویہ معلوم کرنے کے لیے ایک مختصر رپورٹ کا تیار کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا- ان کٹ ملاؤں کو بار بار ہمارے فوجیوں کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑی- پھر بھی ماضی قریب یعنی ۱۸۹۱ء کی ہزارہ مہم تک یہ لوگ ہمارے مقابل صف آراء رہے اور حالت یہ ہے کہ اب بھی جب ان کے پاس وہ قوت نہیں جو کبھی تھی، وہ پشاور اور ہزارہ کی سرحدات سے درے آزاد قبائل کی جانب سے پیدا کی جانے والی پیچیدہ صورت حال کی پشت پر موجود شرارت کے تعلق میں ایک عامل کی حیثیت رکھتے ہیں-‘‘
>
> (ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، ص: ۱۷، اکتوبر ۱۹۸۳ء)

رپورٹ کے اختتام پر کم وبیش یہی باتیں دہرائی گئی ہیں-

> ’’مندرجہ بالا رپورٹ سے یہ ظاہر ہوگا کہ گذشتہ نصف صدی سے ہندوستانی ہمارے ساتھ کم وبیش چھ بار متصادم ہوئے ہیں- ہر بار انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا اور ہر بار اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا- لیکن جیسا کہ اس رپورٹ کے آغاز میں کہا گیا تھا- اب بھی وہ پنجاب کی سرحد سے وابستہ آزاد قبائل کے تعلق سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کے پس پشت موجود شرارت کے سلسلے میں ایک عامل کی حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ پہلے کے مقابلہ میں کہیں کم درجہ-‘‘ (ایضاً، ص: ۱۸)

’’پنجاب کی سرحد سے وابستہ آزاد قبائل کے تعلق سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کے پس پشت موجود شرارت کے سلسلے میں‘‘ اس عامل (تحریک) کی جمعیت اور قوت کو انگریزی حکومت ختم کرنا چاہتی تھی، اس لیے اس نے متعدد قبائلی سرداروں اور سرحدی امرا کے ساتھ مل کر مختلف معاہدے کیے، جن میں دم توڑتی تحریک جہاد اور اس سے وابستہ بچے کھچے ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقوں میں پناہ نہ دینے پر اصرار کیا، کیوں کہ ان کا ساتھ ہو جانے کے بعد کسی بھی سرحدی علاقے کی افرادی اور حربی قوت بڑھ جانے کا اندیشہ تھا- حکومت کو کئی بار اس کا تجربہ بھی ہوا- حکومت کی تیار

کردہ رپورٹس کے حوالے سے یہاں چند ایسے معاہدے بطور حوالہ پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۲/ستمبر ۱۸۶۱ء کو ایک معاہدہ اتمان زئی کی کایا اور کبل KAYAAND KABBAL نیز ٹپہ TAPPA سالار گدوں کے ساتھ کیا گیا جو اس طرح تھا:

> ’’ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد کرتے ہیں کہ جناب سید (سابق ساکن ستھانہ حال وارد ملکا) کسی ہندوستانی کٹ ملا کو یا ان سے متعلق کسی اور شخص کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ امازئی علاقہ یا کسی اور جگہ آئے۔
> ہم کسی شخص یا اشخاص کو رقم لے کر، یا اسلحہ یا گولہ بارود یا کسی طرح کا امدادی سامان ہندوستانی کٹ ملاؤں کی امداد کے لیے اپنے علاقے سے لے کر گذرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔‘‘ (ایضاً، ص:۱۹)

اس کے بعد ۶/جنوری ۱۸۶۴ء کو ایک معاہدہ اتمان زئی قبیلہ کے ساتھ طے ہوا، جس کی شق نمبر ۱/یہ ہے:

> ’’تاوقت کہ حکومت اجازت نہ دے ہم کسی شخص کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ منڈی یا ستھانہ میں سکونت یا رہائش اختیار کرے۔ نہ ہی ہم مولوی حضرات یا ہندوستانیوں کو اپنے علاقے سے گذرنے کی آزمائش بھگتیں گے یا انہیں یہ موقع دیں گے کہ وہ ان علاقوں میں بار دگر سکونت اختیار کریں۔‘‘ (ایضاً، ص:۲۰)

۹/جنوری ۱۸۶۴ء کو ایک معاہدہ قبیلہ مدّوخیل کے ساتھ ہوا، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

> ’’ہم ہرگز باغی ہندوستانیوں کو اپنے علاقے میں رہنے کی زحمت نہیں دیں گے۔‘‘ (ایضاً)

۹/جنوری ۱۸۶۴ء کو قبیلہ امازئی کے ساتھ معاہدہ ہوا، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

> ’’حکومت وقت ہم سے اس امر کا اقرار نامہ لینے کی خواہش رکھتی ہے کہ ہم کبھی بھی باغی ہندوستانیوں کو اپنے علاقہ میں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہم صدق دل سے ایسا اقرار نامہ کرنے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں

> اور تحریری طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ہرگز ہندوستانیوں کو یہ زحمت نہیں دیں گے کہ وہ کسی بھی بہانے ہمارے علاقے میں آئیں اور یہاں بودوماند اختیار کریں۔'' (ایضاً)

پھر ۲۲؍جنوری ۱۸۶۴ء کو قبیلہ حسن زئی کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا، جس کی شق نمبر ۱؍ یہ تھی:

> ''ہم کسی طرح بھی باغی ہندوستانیوں کو اس امر کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے کہ وہ آکر ہمارے ملک کی حدود میں رہیں۔'' (ایضاً)

اسی طرح ایک معاہدہ قبیلہ چغرزئی (CHAGHARZAI) کے ساتھ ۱۲؍جون ۱۸۹۱ء کو ہوا جس کی شق نمبر ۶؍ یہ تھی:

> ''ہم کسی ہندوستانی کٹ ملا یا ان کے پیروؤں کو اپنے ملک میں بودوماند رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔'' (ایضاً، ص: ۲۰/۲۱)

مولانا غلام رسول مہر کا نام اُن مؤرخوں میں نمایاں ہے جو تحریک کے تعلق سے یہ موقف رکھتے ہیں کہ وہ انگریزی حکومت کے خاتمے اور آزادی کے حصول کے لیے اٹھی تھی، تاہم غیر ارادی طور پر ان کے قلم سے متعدد مقامات پر کچھ ایسے حقائق بھی بیان ہوئے ہیں جو ہمارے بیان کردہ موقف کی بھرپور تائید کرتے ہیں: مہر صاحب رقم طراز ہیں:

> ''بلاشبہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف جہاد ضروری سمجھتے تھے، لیکن گزشتہ مہموں کی سرگزشت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی پیش دستی نہ کی، جھگڑے ہمیشہ قبائل سے ہوتے رہے، مجاہدین دفاعی کارروائیوں میں برابر شریک رہے۔ ان کے بنیادی عقیدے اور قبائل سے عہد تعاون کا تقاضا یہی تھا، لیکن غور کیجیے کہ انگریز ہمیشہ انھیں ہر علاقے سے خارج کرانے کی کوششیں کرتے رہے۔'' (سرگزشت مجاہدین، ص: ۴۶۲)

اس اقتباس میں تین باتیں غور طلب ہیں:

الف: مجاہدین نے انگریزی حکومت کے خلاف کبھی پیش دستی نہیں کی۔

ب: مجاہدین کے جھگڑے ہمیشہ قبائل سے ہوتے رہے۔

ج: مجاہدین دفاعی کارروائیوں میں برابر شریک رہے۔

یہی ہمارا بھی نقطۂ نظر ہے۔ ''پنجاب کی سرحد سے وابستہ آزاد قبائل کے تعلق سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کے پس پشت موجود شرارت کے سلسلے میں'' اس عامل (تحریک) کی جمعیت اور قوت کو انگریزی حکومت ختم کرنا چاہتی تھی، اس لیے تحریک سے حکومت کا ٹکراؤ رہا۔

سرحدی قبائل کے ساتھ تحریک کا معاہدہ:

مولانا عنایت علی صادق پوری کے وصال ۱۸۵۸ء کے بعد تین برسوں تک تحریک کی امارت یکے بعد دیگرے مولوی نور اللہ اور میر مقصود علی کے کندھوں پر رہی، ان دونوں کے وصال کے بعد ۱۸۶۲ء میں مولانا ولایت علی صادق پوری کے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ صادق پوری کو امیر بنایا گیا۔ ان کے وصال ۱۹۰۲ء تک تقریباً چالیس برس تحریک کا بار انہی کے دوش پر رہا۔ پنجاب کے الحاق کے بعد تحریک کو انگریزی حکومت سے انہی کے دور امارت میں چار دہائیوں تک واسطہ رہا۔ انہی چار دہائیوں میں انگریزی حکومت نے تحریک کی قوت اور جمعیت ختم کرنے میں اپنی سرگرمی تیز تر کر دی، مجاہدین پر مقدمے کیے اور سزائیں دیں۔ دوسری طرف تحریک اپنے دفاع میں لگی رہی اور جب بھی وہ انگریزی حکومت سے ٹکرائی تو اپنی حفاظت خود اختیاری کے لیے۔ یہاں تک کہ مجاہدین نے حکومت کے زیر اثر قبائل سے یہ معاہدہ بھی کر لیا کہ وہ برطانوی علاقے میں کسی کارروائی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ جب مجاہدین کو ہر علاقے سے نکالا جانے لگا تو امیر تحریک مولانا عبداللہ صادق پوری نے ۶رمئی ۱۸۹۵ء کو قبیلہ امازئی کے سرکردہ اشخاص غلام خاں اور مولوی احمد جی کو ایک خط لکھا، جس میں انھوں نے اپنے اس معاہدے کو دہرایا۔ اس اہم خط کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جب میں نے پہلے پہل آپ کے ملک میں رہائش اختیار کرنے کا عزم کیا تھا تو آپ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں برطانوی علاقہ میں کسی کارروائی کا مرتکب نہیں ہوں گا اور اس سے اتفاق کرتے ہوئے آپ کو بتایا تھا کہ اگر حکومت برطانیہ نے ہمارے معاملات میں کبھی مداخلت کی تو حفاظت خود اختیاری کے طور پر ہم اپنی ساری قوت کے ساتھ اقدام کرنے پر مجبور

> ہو جائیں گے............اس سے قبل بھی اگر میں نے کبھی تلوار اٹھائی ہے تو صرف حفاظت خود اختیاری کی خاطر- میں کبھی بھی جارحیت کا مرتکب نہیں ہوا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے بائیو مہم میں حصہ نہیں لیا...... براہ کرم حکومت برطانیہ سے پوچھ کر بتائیں کہ وہ ہماری موجودہ عدم جارحانہ حالت میں ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں گے یا نہیں؟ بالخصوص جب ہم اپنے وعدہ پر کاربند ہیں اور برطانوی حکومت کے تعلق میں کسی شورش کا مظاہرہ نہیں کرتے-'' (ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، ص:۲۴/۲۳، اکتوبر ۱۹۸۳ء)

تحریک جہاد کے خلاف انگریزی حکومت کی تمام کارروائیوں کو بیان کردہ ردعمل کے تناظر میں ہی دیکھنا چاہیے، نہ کہ اس طور پر کہ ''تحریک'' ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ چاہتی تھی، اس لیے حکومت نے ان کے گرد زندگی کا حلقہ تنگ کر دیا تھا- اگر انگریزی حکومت کے ساتھ ہر کشمکش کو ''تحریک آزادی کی جدوجہد'' کا عنوان دے دیا جائے تو پھر اس زمرے میں مرہٹوں، رنجیت سنگھ کی سکھ فوجوں، پنڈاریوں اور مختلف سیاسی طاقتوں کو بھی شامل کیا جانا چاہیے جو انگریزوں سے اپنے اقتدار اور تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے-

❑❑❑

تحریک جہاد اور انقلاب ۱۸۵۷ء

پہلی قومی تحریک:

۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار کے خلاف جو انقلاب برپا ہوا، اس نے ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی تاریخ میں ایک نیا باب لکھ دیا۔ اس انقلاب کو ہندوستانی مؤرخین نے ’قومی تحریک‘ اور ’پہلی جنگ آزادی‘ کہا ہے، جب کہ انگریزوں نے اسے ’عوامی شورش‘، ’غدر‘ یا ’بغاوت‘ قرار دیا۔ انگریزی اقتدار کے خلاف اس سے قبل جتنی بھی جنگیں ہوئیں☆، وہ خودمختار ریاستی حکمرانوں، نوابوں اور علاقائی امرا سے ہوئیں۔ یہ جنگیں انگریزوں کے خلاف ملک و سماج میں عام فضا ہموار نہ کر سکیں اور نہ ہی سیاسی اور سماجی بیداری کا سبب بن سکیں۔

مذکورہ جنگوں کے برخلاف معرکۂ ستاون کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں دوش بدوش حصہ لیا، یہاں تک کہ وہ طاقتیں جو کل تک سلطنت مغلیہ کے مدمقابل آ گئی تھیں، وہ بھی بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کے سیاسی اور تمدنی وقار و عظمت کی علامت تسلیم کرتے ہوئے ان کے گرد جمع ہو گئیں، اس میں استثنائی طور پر صرف بعض علاقے اور افراد تھے جو اس جنگ سے دور رہے، بلکہ کچھ لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

☆ ۱۷۵۷ء میں پہلی باقاعدہ جنگ پلاسی (بنگال) میں نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان ہوئی، اس کے بعد میر قاسم و نواب شجاع الدولہ سے بکسر (بہار) کے میدان میں ۱۷۶۴ء میں، حافظ رحمت خاں روہیلہ سے روہیل کھنڈ میں ۱۷۷۴ء میں، نواب غلام محمد خاں سے ۱۷۹۴ء میں دوجوڑہ (بریلی) میں اور پھر سلطان ٹیپو سے آخری جنگ سرنگہ پٹنم (جنوبی ہند) میں ۱۷۹۹ء میں۔ ان جنگوں کے بعد ہندوستان کے بیشتر علاقے انگریزوں کے زیر اقتدار آ گئے۔

> ’’۱۸۵۷ء کی تحریک میں سکھوں اور پارسیوں کے علاوہ ہر مذہب وملت کے لوگوں نے حصہ لیا تھا-تحریک کی ہمہ گیری کا عالم یہ تھا کہ تین ہفتوں کے اندر اندر سارے ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے تھے-اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کے بعض علاقے تحریک سے علیحدہ رہے اور بعض نے انگریزوں کا ساتھ دیا، اس سے تحریک کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا-‘‘ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص:۷)

اس انقلاب کی شدت کا عالم یہ تھا کہ اس کے ساتھ ہندوستان کا سیاسی، تمدنی اور تہذیبی سرمایہ بھی داؤں پر لگ گیا تھا-اس لیے عام ہندوستانیوں نے پورے جوش وولولے، جذبات کی توانائی، افرادی اور عسکری قوت کے ساتھ آزادی کی تمنا میں اپنی جانوں کی بازی لگا دی-

تحریک جہاد:

دوسری طرف سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد تھی، جو ۱۸۲۶ء سے سکھوں کے مظالم کے خلاف سرحد پر سرگرم جنگ تھی-مگر اس تحریک کے مؤرخین اور سید احمد رائے بریلوی کے تذکرہ نگاروں کا دعویٰ ہے کہ یہ تحریک دراصل انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے اٹھی تھی-ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف اسے سیاسی، عسکری اور افرادی قوت نہ مل سکی تو اس نے سرحد کا رخ کر لیا تا کہ سکھوں کا خاتمہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کی جائے اور پھر پوری قوت کے ساتھ انگریزی حکومت کا خاتمہ کیا جائے-

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ’’ہندوستان کے کسی حصے میں بیٹھ کر شرعی جہاد کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی اور انھوں (سید رائے بریلوی) نے خود تمام پہلوؤں پر طویل وعمیق غور وفکر کے بعد مرکز کے لیے علاقہ سرحد تجویز کیا تھا، اس سلسلے میں سکھوں سے ٹکر ناگزیر ہو گئی-‘‘ (سید احمد شہید، ص:۲۶۷)

اس سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مزید لکھتے ہیں:

> ’’ایک صاحب حمیت وعزم انسان (سید رائے بریلوی) جس کے سینے

> میں حمیت اسلامی کا دریا موجزن ہو اور جس کے ساتھ مخلصین و صادقین اور جانبازوں کی ایک منتخب جماعت ہو، وہ اپنا کام ایسے رخ سے شروع کرے، جہاں ایک طرف وہ اس عظیم الشان طاقت کو صحیح مصرف پر لگائے، دوسری طرف پنجاب کے ان مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے، جو ظلم کی اس چکی میں پس رہے تھے، ہندوستان کی طرف بڑھے اور اس ملک کو فرنگی تسلط سے آزاد کراتا ہوا صحیح اسلامی حکومت قائم کرے۔''
>
> (سیرت سید احمد شہید، جلد: اول، ص: ۴۱۵)

۱۸۵۷ء تک تقریباً تیس برس گزر جانے کے باوجود تحریک جہاد کا یہ خواب تو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ البتہ انگریزی مظالم کے زیر اثر ہندوستان کے اندر ۱۸۵۷ء میں ایسے حالات ضرور پیدا ہو گئے، جب پورا ہندوستان اپنی تمام تر سیاسی، عسکری اور افرادی قوتوں کے ساتھ انگریزی اقتدار کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ:

۱۔ انگریزی اقتدار کے خلاف تمام تر قوتوں کے ساتھ جب ہندوستان میں زمین تیار ہو گئی تو سید احمد رائے بریلوی کی تحریک اور جماعت مجاہدین نے بقول مؤرخین اپنے ''اصل ہدف'' کی تکمیل کے لیے معرکۂ ستاون میں کیا کردار نبھایا؟

۲۔ معرکۂ ستاون میں تحریک جہاد کے اہم مراکز ٹونک اور صادق پور، پٹنہ کی سرگرمیاں کیا تھیں؟

۳۔ عام ہندوستانیوں میں انگریزی حکومت کے خلاف مذہبی جذبات ابھارنے کے لیے جب علما فتوے دے رہے تھے تو سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک سے وابستہ علما ان فتوؤں کی کتنی تائید و تصویب کر رہے تھے؟

یہاں انہی تمام سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ادبیات ستاون کی خاموشی:

اس حوالے سے ہم نے تاریخ کے معروضی مطالعے کا آغاز کیا اور معرکۂ ستاون میں تحریک جہاد کی سرگرمیوں کو جاننے کی کوشش کی تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سید احمد رائے بریلوی کی جو تحریک انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے اٹھی تھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں اس کی مثبت حصہ داری

کے تعلق سے براہ راست کچھ نہیں ملتا- اس کے برخلاف متعدد واقعات، حالات اور تحریریں معرکۂ ستاون میں نہ صرف تحریک جہاد اور اس سے وابستہ افراد کی شمولیت کی نفی کرتی ہیں، بلکہ خاکم بدہن انگریزی استعمار کی حمایت و نصرت کی تائید بھی کرتی ہیں-

انقلاب ستاون سے پہلے ہندوستان کے جو حالات تھے، ان کے پیش نظر تحریک جہاد کے مؤرخین اور سید احمد رائے بریلوی کے تذکرہ نگار یہ کہہ کر تحریک جہاد کے سکھ مخالف اقدام اور سرحدی علاقے کو مرکز جہاد بنانے کو سند جواز فراہم کرتے رہے کہ:

> ”ہندوستان کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ کھل کر انگریزوں سے جنگ کی بات کی جائے-“

(تحریک آزادی میں علما کا کردار: فیصل احمد ندوی، ص: ۳۳۷/ ۳۳۸)

لیکن مئی ۱۸۵۷ء میں ایسا وقت بھی چشم فلک نے دیکھا کہ انگریزی استعمار سے آزادی کے لیے تمام تر ممکنہ قوت فکر و عمل کے ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت پورا ہندوستان اٹھ کھڑا ہوا- اس وقت نہ افرادی قوت کی عدم فراہمی کا عذر تھا نہ قومی اور مذہبی جوش و جذبے کے فقدان کا مسئلہ، نہ ہندوستان کی مختلف سیاسی طاقتوں کے انتشار کا شکوہ تھا اور نہ مرکز جہاد کے تعیین کی فکر- یہ تحریک جہاد اور اس سے وابستہ مجاہدین کے لیے سنہری موقع تھا کہ وہ اس انقلاب کا بھرپور فائدہ اٹھاتے اور (بقول مؤرخین) اپنے ہدف اصلی (انگریزی حکومت کا استیصال) کی تکمیل کے لیے ٹوٹ پڑتے، انقلاب کی کمان اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنی غیرت دینی اور جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ کرتے، جس کے انتظار میں تیس برسوں سے وہ خود جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے- تاہم اس قومی انقلاب میں تحریک ایسا کچھ بھی نہ کر سکی، اس لیے ۱۸۵۷ء پر مشتمل عمومی ادبیات تحریک کی شمولیت کے تعلق سے خاموش ہیں- یہاں تک کہ جن لوگوں نے سید احمد رائے بریلوی اور تحریک جہاد کی تاریخ نویسی میں اپنی زندگی کے برسہا برس صرف کر دیے، وہ بھی اس حوالے سے تفصیل فراہم نہ کر سکے-

غلام رسول مہر کا اعتراف:

ایسے اصحاب میں مولانا غلام رسول مہر کا نام سرفہرست ہے، جنھوں نے سید احمد رائے بریلوی کی سیرت اور ان کی تحریک کے تعلق سے تقریباً ڈھائی ہزار صفحات لکھے ہیں، جو کتابی شکل میں تین

جلدوں میں ’’سید احمد شہید‘‘، ’’جماعت مجاہدین‘‘ اور ’’سرگزشت مجاہدین‘‘ کے نام سے شائع ہوئیں اور جنھیں لکھنے میں انھوں نے اپنی زندگی کے چودہ قیمتی برس لگا دیے- مگر دقت فکر و نظر کے ساتھ لکھے گئے ان ڈھائی ہزار صفحات میں انقلاب ۱۸۵۷ء میں تحریک اور اس سے وابستہ افراد کی سرگرمیوں کے تعلق سے چار صفحات سے زیادہ نہیں لکھ سکے- ان چار صفحات میں بھی اپنے موضوع پر دو سطروں سے زیادہ کچھ کہہ نہ سکے اور ان دو سطروں میں بھی جو کچھ کہا اس نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں تحریک جہاد کی عدم شرکت کو واضح کر دیا ہے- مہر صاحب لکھتے ہیں:

> ’’اس ہنگامے (۱۸۵۷ء) نے جا بجا انگریزوں کے لیے سخت نازک حالات پیدا کر دیے تھے- مجاہدین کے لیے اقدامات کا یہ بڑا ہی اچھا موقع تھا، لیکن اتفاق کی بات ہے کہ حالات نظر بظاہر جتنے سازگار تھے، بعض ناگہانی حوادث و وقائع کے باعث اتنے ہی ناسازگار ہو گئے-‘‘
>
> (سرگزشت مجاہدین، ص: ۲۷۵/۲۷۶)

اس اقتباس میں مہر صاحب کا قلم پورے جملے کے جس بدیہی نتیجے کو لکھنے میں متأمل ہو گیا ہے، یہاں اسے میں لکھ دیتا ہوں: ’’اسی لیے تحریک جہاد کے مجاہدین انقلاب ستاون میں حصہ نہیں لے سکے-‘‘ اس جملے کو مہر صاحب کے اقتباس کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو جملے اور مفہوم کے ساتھ تاریخ بھی مکمل ہو جائے گی-

مہر صاحب کے مذکورہ اقتباس سے تین اہم نکات کی طرف رسائی ہوتی ہے:

۱- انگریزوں کے لیے جا بجا سخت نازک حالات پیدا ہو گئے تھے-

۲- انقلاب ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کے لیے اقدامات کا بڑا ہی اچھا موقع تھا-

۳- مجاہدین انقلاب میں حصہ نہیں لے سکے، کیوں کہ حالات ناسازگار تھے-

مہر صاحب کی تینوں باتوں کی تاریخ صد فی صد مؤید ہے- تاہم انقلاب ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کے حصہ نہ لینے کی توجیہ میں انھوں نے ’’ناسازگاری حالات‘‘ کا جو عذر پیش کیا ہے، تاریخ اسے قبول کرنے سے اِبا کرتی ہے-

اب دیکھنا یہ ہے کہ مہر صاحب نے اپنی کتاب کے چار صفحات میں جن حوادث و وقائع اور

ناسازگاری کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے مجاہدین انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ نہیں لے سکے، وہ کیا ہیں- ان وقائع وحوادث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(الف) سید اکبر شاہ (بادشاہ سوات) کے ذریعے مجاہدین کو ۱۸۵۷ء میں امداد مل سکتی تھی، مگر قبائلی پٹھانوں میں ان کے خلاف بغاوت ہو چکی تھی، نیز ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو جب انقلاب کا آغاز ہوا، ان کا انتقال ہو گیا-

(ب) سید اکبر شاہ کے بعد سوات کی کمان ملا عبدالغفور اخوند کے ہاتھ میں آئی، انھیں جنگ آزادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی-

(ج) انگریزوں کی ۵۵ نمبر دیسی فوج کے سپاہی سرحدی علاقے مردان اور نوشہرہ میں مقیم تھے، یہ بھی ہندوستان کی دیگر رجیمنٹ کی طرح سرکشی پر آمادہ ہو گئے، انگریزوں سے ان کی جنگ بھی ہوئی، مگر شاہ سوات اور سادات کاغان نے سرکش فوج کا ساتھ نہیں دیا-

مہر صاحب کی ''ناسازگاری حالات'' کی یہ تفصیل سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک سے عقیدت رکھنے والوں کو تو مطمئن کر سکتی ہے، تاہم تحریک جہاد کے قیام و بنا، اس کے عزائم، نصب العین اور ستاون سے قبل اس کی سرگرمیوں پر جن کی نظر ہے، انھیں یہ قبول نہیں ہو سکتی، کیوں کہ:

۱- سید احمد رائے بریلوی کی اس تحریک نے اپنے قیام کے ابتدائی دور میں ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ/ ۱۱ر جنوری ۱۸۲۷ء کو اپنی خود مختاری، امارت اور خلافت کا اعلان کر دیا تھا☆ اس کے بعد جو بھی اس جماعت کا امیر ہوا، اس کے نام کا خطبہ جمعہ میں پڑھا جانے لگا اور اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا- اطاعت و امارت پر سرحد کے علما، امرا اور خوانین سے بیعت لی گئی- جس نے جماعت کے امیر کی اطاعت سے انکار کیا، اسے واجب القتل قرار دے کر مار دیا گیا-☆☆

۲- تحریک اپنے قیام کے بعد مختلف علاقوں کی کافر حکومتوں کو اعلام نامے ارسال کرتی رہی

☆ وقائع احمدی، ص: ۱۱۲۲، مرتبہ: نواب محمد وزیر خاں، سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۷

☆☆ شاہ اسماعیل دہلوی، سید احمد رائے بریلوی کی امامت و اطاعت کے تعلق سے اپنے ایک فارسی مکتوب میں میر شاہ علی کو لکھتے ہیں: ''اطاعت آں جناب بر کافۂ مسلمین واجب گردید، ہر کہ امامت آں جناب ابتداً قبول نہ کند یا بعد القبول انکار نماید، پس ہموں است باغی مستحل الدم کہ قتل او مثل قتل کفار عین جہاد است-'' (مکاتیب سید احمد شہید، مخطوطہ عکسی ایڈیشن، ورق: ۷۵) **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

کہ وہ اسلام قبول کریں یا اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا منظور کریں۔ (سوانح احمدی، ص: ۹۷)

۳- جماعت نے سرحد کے جن علاقوں پر قبضہ کیا، وہاں اپنے احکام اور قوانین جاری کر دیے، مسائل کے تصفیے اور جزا و سزا کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا اور سرحدی مسلمانوں سے عشر و خراج کی وصولی کے لیے عمال مقرر کیے گئے۔

(سوانح احمدی، ص: ۱۲۹، ۱۳۰/ الدر المنشور فی تراجم اہل صادق فور، ص: ۱۹۰، ۱۹۱)

۴- جماعت کی اپنی فوج تھی، جو حربی ساز و سامان سے لیس تھی۔ ستاون سے قبل سکھوں اور سرحدی مسلمانوں سے جب بھی انھوں نے جنگ کی، کسی کی اجازت اور تعاون کا انتظار نہیں کیا۔

تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کی یہ تمام سرگرمیاں بتاتی ہیں کہ انھوں نے ایک متوازی قوت اور حکومت قائم کر لی تھی، ورنہ مذکورہ سرگرمیوں کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس کے بعد مہر صاحب کی ناسازگاری حالات کی مذکورہ تفصیل کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے؟

حالات کی سازگاری اگر تحریک کی ترجیحات میں ہوتی تو نہ یہ تحریک برپا ہو پاتی، نہ پانچ سو افراد کے معمولی قافلے کے ساتھ بے سروسامانی میں سرحد جیسے اجنبی علاقے کی طرف کوچ کیا جاتا اور نہ ابتدا میں عسکری اور افرادی قوتوں کے بغیر سکھوں کی ہمالیائی حکومت کے خاتمے کا عزم ہوتا۔ لیکن جماعت مجاہدین نے اللہ بھروسے یہ سب کچھ کیا۔ سید احمد رائے بریلوی کے ایک خط کا اقتباس بھی تحریک کے اس خیال کو واضح کرتا ہے:

> ”فقیر بر ہمیں مواعید الٰہیہ اعتماد نمودہ و امتثال احکام حاکم خود را قبلہ ہمت خود ساختہ و جمیع ما سویٰ اللہ را پس پشت انداختہ و از چپ و راست چشم ہمت بستہ و راہ راست رضا جوئے مولائے خود پیش رو نہادہ بکمال اطمینان و فرحت و غایت بشارت و مسرت دریں راہ تگاپو می نماید۔“
>
> (مکتوب بنام سردار یار محمد خان، مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴)

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) ترجمہ: آں جناب (سید احمد رائے بریلوی) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہو گئی۔ جس کسی نے آں جناب کی امامت ابتداً قبول نہیں کی یا قبول کرنے کے بعد انکار کیا تو وہ باغی ہے، جس کا خون حلال ہے اور جس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد ہے۔

> ''فقیر نے اللہ کے وعدوں پر اعتماد کیا اور حکم حاکم (اللہ تعالیٰ) کی تعمیل کو اپنا مرکز توجہ بنایا۔ ماسویٰ اللہ کو پس پشت ڈال دیا، گردوپیش سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور رضائے مولیٰ کی راہ راست کو سامنے رکھ کر کمال اطمینان و فرحت اور بشارت و مسرت کے ساتھ اس راستے پر چلا جا رہا ہے۔''

ایسی صورت میں کسی علاقائی امداد کے بھروسے معرکۂ ستاون میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کا کیا جواز بنتا ہے، جب کہ پورا ہندوستان انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں اگر لوگ اسی طرح حالات کے سازگار ہونے کے انتظار میں بیٹھے رہتے تو کبھی بھی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا تھا۔ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی رجمنٹ کسی بیرونی طاقت کی امداد کے بغیر انگریزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر دیکھتے دیکھتے پورا ہندوستان اس معرکے میں کود پڑا۔

سب سے اہم بات یہ کہ غلام رسول مہر نے ناسازگاریٔ حالات کا پردہ ڈالنے کی کوشش ضرور کی، لیکن انھیں بھی یہ احساس دامن گیر رہا کہ کسی فریضے کی ادائیگی کے لیے ناسازگاری حالات کا عذر مانع نہیں ہو سکتا۔ مہر صاحب کا یہ اعتراف قابل مطالعہ ہے:

> ''مولانا عنایت علی (امیر تحریک) نے جاں بازی کی منزل میں قدم رکھا تھا تو اسے ایک اہم دینی و اسلامی فرض سمجھا تھا، جو بہر حال ادا ہونا چاہیے تھا۔ اسباب اور ماحول کی سازگاری اس فرض پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔''

مزید لکھتے ہیں:

> ''سامان کی فراہمی یقیناً ضروری ہے اور اس کے لیے برابر سعی جاری رکھنی چاہیے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پورا سامان مہیا ہونے تک انسان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے۔ اس حقیقت میں شبہ نہیں کہ بعض اوقات صرف جوش عمل اور مظاہرۂ ایثار ہی سامان کی فراہمی میں معاون بن جاتے ہیں۔''
>
> (سرگزشت مجاہدین، ص:۲۷۶)

مہر صاحب کے اس اعتراف کے بعد کسی تبصرے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ایک اور اعتراف:

تحریک جہاد کے سب سے اہم مؤرخ مولانا غلام رسول مہر کے بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ تحریک اور اس سے وابستہ جماعت مجاہدین نے براہ راست سرحد اور ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا- تحریک کے دیگر مؤرخین کو بھی اس کا اعتراف ہے، لیکن غلام رسول مہر ہی کی طرح وہ بھی اس اعتراف کے ساتھ ۱۸۵۷ء میں جماعت مجاہدین کی براہ راست شرکت نہ کرنے کی کوئی نہ کوئی توجیہ پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے- جب کہ تاریخ کو توجیہات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا- وہ تحریک، جماعت یا فرد کے رویے اور سرگرمیوں سے ان کے کردار کا تعین کرتی ہے- توجیہات کی بنیادوں پر اگر کسی کے رویے کو جواز فراہم کیا جانے لگے تو تاریخ میں کسی کو غلط ٹھہرایا جانا مشکل ہو جائے گا- اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ تحریک کے مختلف مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں جماعت مجاہدین کی عدم شرکت کے حوالے سے الگ الگ توجیہ پیش کی ہے، خواہ تاریخی حقیقت سے اسے کوئی ربط ہو یا نہ ہو- مہر صاحب نے بادشاہ سوات اور سادات کاغان کا عدم تعاون بتایا ہے- جب کہ خانوادۂ صادق پور کے چشم و چراغ ڈاکٹر قیام الدین نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں وہابی تحریک'' میں عدم شرکت کے اعتراف کے ساتھ اس کی وجہ کچھ اور بتائی ہے- وہ لکھتے ہیں:

> ''جب ۱۸۵۷ء کی عظیم آویزش شروع ہوئی تو اس سے تیس سال پہلے سے وہابی اپنی تحریک چلا رہے تھے- مگر اس حقیقت پر کسی نے صحیح طور پر زور نہیں دیا- نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۹-۵۷ء کی تحریک کی عام تاریخوں میں وہابی (جماعت مجاہدین) ناقابل فہم اور بے جوڑ سے عنصر دکھائی دیتے ہیں-''
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۲۴۹/۲۵۰)

یہاں ڈاکٹر قیام الدین یہ اعتراف تو کر رہے ہیں کہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں جماعت مجاہدین بے جوڑ سا عنصر دکھائی دے رہی ہے- یعنی آسان لفظوں میں کہیں تو معرکۂ ستاون میں جماعت کی حصہ داری نظر نہیں آ رہی ہے- لیکن ساتھ ہی انھوں نے اس کی وجہ بھی بتا دی کہ عام مؤرخین نے تحریک ستاون کے ذکر کے ساتھ جماعت مجاہدین کی تیس سالہ کارکردگی کا گوشوارہ پیش نہیں کیا،

اس لیے انقلاب ستاون میں جماعت مجاہدین الگ تھلگ دکھ رہے ہیں- مؤرخین ایسا کرتے تو دونوں تحریکوں میں ربط پیدا ہو جاتا کہ دونوں کا ہدف ''انگریزی حکومت کا خاتمہ'' تھا- مذکورہ کتاب میں اسی طرح کی بے ربط باتوں سے کتاب کا یہ باب بعنوان ''وہابی ۵۹-۱۸۵۷ء کی تحریک میں'' مکمل کیا گیا ہے- تاریخ کے ایک طالب علم کو صرف اس سوال کا جواب اثبات یا نفی میں مطلوب ہے کہ جماعت مجاہدین نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا یا نہیں؟ جواب نفی میں ہے تو اس تاریخی حقیقت کو اسی طرح بے لاگ لکھا جائے گا کہ ''انقلاب ۱۸۵۷ء میں جماعت مجاہدین نے حصہ نہیں لیا تھا-'' تحریک جہاد یا جماعت مجاہدین نے براہ راست حصہ کیوں نہیں لیا تھا؟ تحریک ستاون اور تحریک جہاد کے مشترکہ مقاصد کیا تھے؟ دونوں تحریکوں کا ذکر ایک ساتھ کیوں نہیں کیا جاتا؟ یہ اور اس طرح کے سوالات کے جوابات سے تاریخ کا مذکورہ فیصلہ نہیں بدل سکتا- ہاں! حامیان تحریک کے جذبۂ عقیدت کو تسکین ضرور مل سکتی ہے-

بہر حال آگے چل کر اپنی کتاب کے اسی باب میں ڈاکٹر قیام الدین نے ڈاکٹر ڈی این سین اور ڈاکٹر آر سی مجومدار جیسے مؤرخین کی اس بات سے کھل کر اتفاق کر لیا ہے کہ جماعت مجاہدین نے انقلاب ۱۸۵۷ء کا ساتھ نہیں دیا تھا- ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''۱۸۵۷ء کی تحریک کے حالیہ مؤرخین میں صرف ڈاکٹر ڈی این سین اور ڈاکٹر آر سی مجومدار نے یہ معنیٰ خیز نکتہ پیش کیا ہے کہ وہابیوں نے من حیث الجماعۃ اس بغاوت کا ساتھ نہیں دیا- اگرچہ وہابیوں کے مرکز بہار کے متعلق یہ صحیح ہے، مگر ان دونوں مؤرخین نے یہ عمومی اظہار رائے کیا ہے جو تمام وہابی مرکزوں پر منطبق ہوتا ہے-''
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۲۶۰)

ایک مؤرخ کی عجز بیانی:

سید احمد بریلوی اور ان کی تحریک کے اہم مؤرخوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایسے مؤرخ ہیں جنھوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ:

> ''اس (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) کی قیادت اصلاً مسلمانوں کے ہاتھ میں

تھی اوراس میں جماعت مجاہدین کے بچے کھچے افراد کا قائدانہ حصہ تھا- ‘‘

(تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ، ص:۳۲)

اپنے اس دعوے کی دلیل میں مولانا فرماتے ہیں:

> ’’اس جدوجہد کے قائدوں میں جنرل بخت خاں سپہ سالار عام اور مولانا لیاقت علی الہ آبادی کا تعلق سید صاحب اور ان کی جماعت سے ثابت ہو چکا ہے- ‘‘(ایضاً، حاشیہ ص:۳۲)

مولانا کے مذکورہ دعوے اوراس کی دلیل پر چند باتیں غور طلب ہیں:

۱- ۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار کے خلاف جب عوامی انقلاب برپا ہوا اس وقت مؤرخین کے مطابق تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کا تیسرا دور تھا- اس زمانے میں تحریک کی زمام سید احمد رائے بریلوی کے مرید اور خلیفہ خاص مولوی عنایت علی صادق پوری کے ہاتھوں میں تھی- جنگ آزادی کے قائدین اور جاں بازوں میں سید صاحب سے کوئی موہوم سا تعلق تلاش کر کے انقلاب میں جماعت مجاہدین کی حصہ داری ثابت کرنے سے قبل مولانا کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ انقلاب ستاون میں براہ راست تحریک کے قائد وامیر اور ان کی جماعت مجاہدین نے سرحدی علاقوں اور ہندوستان میں کیا کردار ادا کیا- مولانا ایسا نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ تاریخی حقیقت کی برسرعام تکذیب ممکن نہیں تھی- مولوی عنایت علی صادق پوری اپنی دور امارت ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۸ء تک جماعت مجاہدین کے ساتھ مل کر سرحد پر کیا کرتے رہے اور انگریزی حکومت کے ساتھ تحریک کا کیا رویہ رہا؟ تحریک جہاد کے خاص رکن مولانا عبدالرحیم صادق پوری (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) کی زبانی ملاحظہ ہو- وہ لکھتے ہیں:

> سکھوں سے متعدد مورچے، قلعے، علاقہ جات چھین لیے- خوانین اور غدار کو بھی مطیع وفرماں بردار کر لیے- تمام امن وطمانیت بخش کر کلمۂ توحید کی منادی کر دی اور حدود وقصاص اسلامی جاری کر دیے- اس شوکت اسلامی کو دیکھ کر منافقین نا ہنجار اور کفار بدکردار نے حسد اور خوف سے حکومت برطانیہ کے عمال کو برانگیختہ کر دیا- تاہم بنصرت اللہ العزیز وہ

> خائب وخاسر رہے- حالاں کہ اتباع سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادۂ جہاد کرتے اور دوسری جانب **اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء** سے حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے-'' (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص:۱۹۰/۱۹۱)

مذکورہ حقیقت کے پیش نظر مولانا ندوی کو اپنے دعوے کی دلیل میں ایسے ناموں کا سہارا لینا پڑا جن کا انقلاب ستاون میں قائدانہ کردار متحقق تھا تا کہ انقلاب ستاون میں تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کی براہ راست حصہ داری ثابت کی جا سکے-

۲- مولانا ندوی نے دعویٰ کیا ہے کہ جنگ آزادی میں ''جماعت مجاہدین کے بچے کھچے افراد کا قائدانہ حصہ تھا-'' مولانا نے اپنے اس دعوے کی دلیل میں جن دو ناموں (جنرل بخت خاں اور مولوی لیاقت علی) کو پیش کیا ہے، جماعت مجاہدین میں وہ کبھی شامل نہیں رہے- اس معاملے کی حقیقت جاننے کے لیے اختصار کے ساتھ ان دونوں کی زندگی سے متعارف ہونا ضروری ہے-

جنرل بخت خاں:

جنرل بخت خاں کے تعلق سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ پردۂ خفا میں ہے- مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں:

> ''اس کی زندگی کا آغاز وانجام دونوں ایسے پردے میں ہیں کہ اب تک کوئی بھی تحقیق وتفتیش اس کو بے نقاب نہ کر سکی-''
>
> (علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ چہارم، ص:۹۵۷)

تاریخی کتب سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بخت خاں خاندان روہیلہ سے تھے اور غلام قادر روہیلہ شہید سے ان کی قرابت داری تھی- ان کے والد کا نام عبداللہ خاں تھا- انگریزوں اور نواب اودھ شجاع الدولہ کے مظالم کا شکار ہو کر یہ خاندان اودھ کے موضع سلطان پور میں بس گیا- بخت خاں کی تاریخ ولادت کیا تھی؟ کہاں تک تعلیم حاصل کی؟ ان کے مربی اور اساتذہ کون تھے؟ ان سوالات پر تاریخی سرمایہ خاموش ہے- بڑے ہو کر انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے اور جنگ کے

لیے افغانستان بھیج دیے گئے، جہاں انھوں نے خوب داد شجاعت دی اور معروف و مشہور ہوگئے۔ افغانستان سے واپسی کے بعد کچھ عرصے ملازمت میں رہے اور پھر دست بردار ہوگئے۔ انھی دنوں مولانا سرفراز علی سے بیعت ہوئے۔ انقلاب ستاون برپا ہوا تو بریلی میں نواب بہادر خاں کے دست و بازو بن گئے، ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بریلی سے دہلی پہنچے اور پھر اس انقلاب میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ جنگ بندی کے بعد بخت خاں کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کہاں چلے گئے؟ تاریخ ان باتوں کی بھی نشاندہی کرنے سے قاصر ہے۔

مولوی لیاقت علی الہ آبادی:

موضع مہگاؤں چائل ضلع الہ آباد میں ۱۸۱۵ء تا ۱۸۲۰ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ والد مہر علی کاشت کار تھے جب کہ چچا دائم علی انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ مولوی صاحب نے تعلیم و تربیت اپنے چچا سے حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ کئی سال فوج میں ملازمت بھی کی۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے ذکر کیا ہے کہ:

> ''مولوی لیاقت علی افکار و خیالات کے اعتبار سے سید احمد شہید کے متبع تھے۔'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، ص: ۵۷۳)

انقلاب ستاون برپا ہوا تو الہ آباد میں انقلاب کی قیادت کی۔ انگریزوں کی فتح ہوئی تو مولوی صاحب اپنی جماعت کے ساتھ نانا راؤ کے پاس کان پور چلے گئے، وہاں سے مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہجہان پور میں سرگرم رہے۔ مولوی احمد اللہ کی شہادت کے بعد گجرات چلے گئے، وہاں برسوں گزارے، وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ کسی عالم کی صاحب زادی سے نکاح کرلیا، جس سے ایک بچی تولد ہوئی۔ آخر ۱۸۶۹ء کے بعد انگریزی حکومت کو مولوی صاحب کا علم ہوا۔ گرفتار کیے گئے، مقدمہ چلا اور عبور دریائے شور کی سزا سنائی گئی۔ اس طرح بقیہ زندگی گزار کر جزیرۂ انڈمان میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

مذکورہ دونوں حضرات کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان دونوں نے نہ کبھی سید احمد رائے بریلوی سے ملاقات کی، نہ ان کی جماعت میں شریک ہوئے، نہ جہاد کے لیے سرحد پر گئے اور نہ ہی جماعت مجاہدین کے مراکز ٹونک، دہلی اور صادق پور سے ان کا کوئی ربط و تعلق رہا۔ صرف اتنا ہوا

کہ اول الذکر بخت خاں، مولوی سرفراز علی سے بیعت ہو گئے، جو سید احمد رائے بریلوی کے مرید مولوی کرامت علی جون پوری کے مرید تھے☆ اور مؤخر الذکر سید احمد صاحب کے ہی ہم فکر و ہم خیال نکل گئے- محض اس مطابقت کی وجہ سے جنرل بخت خاں اور مولوی لیاقت کو سید صاحب کی 'تحریک' کا حصہ بنا دیا گیا-

۳- اس طرح کی مطابقت کے ذریعے اگر تاریخی کڑیاں جوڑی جانے لگیں تو ایک بخت خاں اور مولوی لیاقت علی کیا، پورے ہندوستان کا مسلمان سید صاحب کی جماعت اور ان کی تحریک سے وابستہ ہو جائے گا —— شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تمام مریدین سید صاحب کی جماعت اور تحریک سے وابستہ ہو جائیں گے، کیوں کہ ان کے اور سید صاحب کے درمیان پیر بھائی کا رشتہ ثابت ہوگا- شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے تمام تلامذہ بشمول علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ بھی جماعت مجاہدین کا ایک حصہ قرار پائیں گے، کیوں کہ سید صاحب اور ان حضرات کے درمیان استاذ بھائی کی نسبت جو ٹھہری- اس انداز فکر کو تاریخ یکسر مسترد کرتی ہے-

۴- مولانا ندوی نے اپنے دعوے کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ ”جنرل بخت خاں اور مولانا لیاقت علی الہ آبادی کا تعلق سید صاحب اور ان کی جماعت سے ثابت ہو چکا ہے-“ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جماعت اور تحریک جہاد کی کسی بھی مستند تاریخی کتاب میں جماعت اور تحریک کے حوالے سے جنرل بخت خاں اور مولانا لیاقت علی کی سرگرمیوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا- حتی کہ تحریک کے اہم مؤرخ مولانا غلام رسول مہر نے سید صاحب اور ان کی جماعت و تحریک سے وابستہ پچاسوں افراد کی سوانح اور ان کی سرگرمیاں لکھنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے، جو کتابی شکل میں ”جماعت مجاہدین“ اور ”سرگزشت مجاہدین“ کے نام سے منظر عام پر آئی ہیں- ان دونوں اہم کتابوں میں بھی مولانا ندوی کے پیش کردہ جماعت مجاہدین کے ان دونوں قائدین کا ذکر نہیں ہے-

۵- مولوی سرفراز علی کا تعلق سید احمد رائے بریلوی سے جوڑ کر انھیں جماعت مجاہدین کا قائد

☆ مصنف ”علمائے ہند کا شاندار ماضی“ مولانا سید محمد میاں نے مفتی انتظام اللہ شہابی کے حوالے سے مولوی سرفراز علی کو سید احمد بریلوی کا مرید لکھا ہے (حصہ چہارم، ص: ۹۶۰)، یہ درست نہیں ہے- مولوی سرفراز علی، سید احمد رائے بریلوی کے مرید مولوی کرامت علی جون پوری کے مرید تھے (دیکھئے: قیصر التواریخ، ص: ۴۴۵) مولوی کرامت علی جون پوری نے انقلاب ستاون میں انگریزوں کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا- تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ کریں-

بتانے سے قبل مولانا ندوی کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ مولوی سرفراز علی مولوی کرامت علی کے مرید تھے، جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کا ساتھ دیا۔

مولانا ندوی کی شاہکار کتاب ’’سیرت سید احمد شہید‘‘ کے مطالعے کے بعد ان کی اس انداز تاریخ نویسی کو دیکھ کر ان کے رفیق خاص مولانا مسعود عالم ندوی نے جو کچھ کہا اس سے اتفاق کرنا مشکل نہیں ہوتا:

> ’’افسوس کہ میرے عزیز ترین دوست اور مخلص بھائی (مولانا ابوالحسن ندوی) کا طریق نظر و فکر خالص عقیدت مندانہ ہے اور انہوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور فروگزاشتوں سے نگاہ بچا کر نکل جانے کی کوشش کی ہے۔‘‘ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۸)

اس کے بعد انقلاب ۱۸۵۷ء میں جماعت مجاہدین اور تحریک جہاد کی شرکت کے تعلق سے مولانا مسعود عالم ندوی نے تاریخ کا یوں فیصلہ سنایا ہے:

> ’’مجاہدین جماعتی حیثیت سے ۵۷ء کی قومی لڑائی سے الگ رہے۔ ۵۷ء کے ہنگامے کو ایک قومی جنگ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، اس لیے سید صاحب کے ماننے والے ایک دینی نظام سے وابستہ ہونے کے بعد اس سے الگ رہے۔ نوشہرہ اور مردان کے ایک آدھ دستوں میں مجاہدین کی سرگرمیوں کو شرکت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً، ص:۵۷/ ۵۸)

جماعت مجاہدین کے خاص رکن مولانا عبید اللہ سندھی (ف:۱۹۴۴ء) نے بھی شاہ اسحٰق دہلوی (نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) کو تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کا صدر نشین اور سربراہ قرار دیتے ہوئے اسی تاریخی حقیقت کا اعتراف کیا ہے:

> ’’اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مولانا محمد اسحٰق کے متبعین (جماعت مجاہدین) کی پہلی صف میں علما اور صوفیہ کا کثیر حصہ سلطان دہلی (بہادر شاہ ظفر) کی لڑائی (انقلاب ستاون) میں غیر جانب دار رہا۔‘‘
>
> (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص:۱۰۶)

انقلاب ستاون میں ’ٹونک‘ کا کردار:

انقلاب ستاون میں تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کے اہم مرکز ٹونک کے کردار کے مطالعے سے قبل اختصار کے ساتھ یہ جاننا ضروری ہے کہ والیان ٹونک اور سید احمد بریلوی نیز ان کی جماعت کے درمیان کیا تعلق رہا۔ ☆

انیسویں صدی کی ابتدا میں امیر خاں پنڈاری (ف: ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) ایک بڑی عسکری قوت کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑی آزاد فوج بنالی تھی، جس کے ذریعے وہ مالوہ اور راجپوتانہ کے علاقوں میں اپنا دبدبہ قائم کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر انگریزوں نے اسے مصالحت پر مجبور کر دیا اور اس طرح ۹/دسمبر ۱۸۱۷ء کو امیر خاں نے انگریزوں سے مصالحت کر لی، جس کے نتیجے میں ریاست ٹونک وجود میں آئی، اس نئی ریاست کے امیر و والی امیر خاں مقرر ہوئے۔ معاہدے کی دیگر شرائط کے ساتھ امیر خاں کے بیٹے وزیر الدولہ نواب محمد وزیر خاں (ف: ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء) کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ انگریزی سرکار سے ملنا طے ہوا۔ یہ ریاست ۱۳۱/برسوں (آزادیٔ ہند) تک انگریزی سرکار کے وظیفے اور رحم و کرم پر چلتی رہی۔

سید احمد رائے بریلوی اور امیر خاں کے درمیان اس وقت سے مراسم تھے جب سید صاحب امیر خاں کی فوج میں ملازم تھے۔ جلد ہی امیر خاں سید صاحب کا معتقد ہو گیا۔ اس لیے سید صاحب نے جب سکھوں سے جہاد کے لیے سرحد جانے کا عزم کیا تو ٹونک کو اپنا مستقر بنایا☆☆۔ جہاں کچھ دن قیام کر کے وہ اپنے قافلے کے ساتھ سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ سید صاحب کے قیام ٹونک کے زمانے میں امیر خاں نے اپنے بیٹے وزیر خاں، اس کی بیوی اور دوسرے متعلقین کے ساتھ سید صاحب سے بیعت کی اور سید صاحب کو اسلحہ، نقد روپے اور گھوڑے وغیرہ دیے☆☆☆۔ اس کے بعد سے ہی ٹونک سید صاحب کی تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کا سرگرم مرکز بن گیا۔

سرحد پر جانے والے اہم افراد اور قافلے ٹونک میں قیام کرتے، والیان ٹونک تحریک جہاد کو

☆ سید احمد رائے بریلوی اور ان کی جماعت مجاہدین سے نوابین ٹونک کے روابط و تعلقات نیز تعاون و امداد کی تفصیل اسی کتاب میں درج ذیل عنوان ”تحریک جہاد کو والیان ٹونک کا تعاون“ کے تحت ملاحظہ کریں۔

☆☆ مخزن احمدی (فارسی) ص: ۱۱۷، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۸۸۲ء

☆☆☆ تذکرۂ علمائے ٹونک، جلد: ۱، ص: ۴، مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، ۲۰۰۶ء

مال وزر فراہم کرتے، تحریک کے سلسلے میں ٹونک میں مجالس مشاورت ہوتیں، سرحد پر مراسلت کے ذریعے والی ٹونک کے رابطے رہتے-۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ میں سید صاحب اور ان کے رفقا سکھ فوج کے ہاتھوں ہلاک کردیے گئے تو سید صاحب کی اہلیہ اور صاحب زادی نیز تحریک سے وابستہ سیکڑوں افراد کو والی ٹونک نے پورے اعزاز کے ساتھ ٹونک میں رکھا، ان کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کیں، ان کے قیام کے لیے ایک الگ محلّہ آباد کردیا، سید صاحب کے مریدین، خلفا اور رفقا کے ذریعے ان کی سیرت وسوانح لکھوانے کا خصوصی اہتمام کیا، یہاں تک کہ سید صاحب اور ان کی جماعت کے تعلق سے خود بھی فارسی میں ایک کتاب ”وصایا الوزیر علیٰ طریق البشیر والنذیر“ لکھی-☆

اس حوالے سے ڈاکٹر قیام الدین لکھتے ہیں:

> نوابان ٹونک امیر خاں اور ان کے صاحب زادے وزیر الدولہ، سید احمد کے سرگرم متبع تھے اور تحریک کی مختلف جہتوں سے مدد کی-
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص: ۲۶۰)

نواب وزیر الدولہ محمد وزیر خاں اپنے والد امیر خاں کے انتقال کے بعد ۱۸۳۴ء میں مسند نشیں ہوئے اور کم وبیش تیس سال ٹونک کے امیر و والی رہ کر ۱۸۶۴ء میں انتقال کیا-جب انقلاب ۱۸۵۷ء برپا ہوا تو ٹونک کے والی نواب وزیر الدولہ ہی تھے-اس انقلاب اور جنگ میں نواب صاحب نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا اور حق نمک ادا کیا-اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار کے خلاف جنگ کی خبر جب ریاست ٹونک پہنچی تو اس کی مختلف پلٹنوں کے رسالدار اپنی فوج کے سپاہیوں کو لے کر دہلی پہنچ گئے، تاکہ انگریزوں کے خلاف اس ملک گیر جنگ میں حصہ لے سکیں-اس کا ذکر منشی جیون لال نے اپنے روزنامچے☆☆ اور مولانا ذکاء اللہ دہلوی نے ”تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ“ میں کیا ہے-ریاست ٹونک چوں کہ انگریزی حکومت سے مصالحت کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور وہاں کے نوابین انگریزوں کے

☆ جماعت مجاہدین، ص: ۱۸۸/۱۸۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ پبلی شرز، لاہور، سنہ ندارد

☆☆ سرگزشت دہلی (روزنامچہ منشی جیون لال)، ص: ۱۵۲، رضا لائبریری رام پور، ۲۰۰۷ء

وظیفہ خوار تھے، اس لیے ریاست اس جنگ میں انگریزی حکومت کا ساتھ دے رہی تھی- یہی وجہ ہے کہ ریاست کے دیوان شمس الدین نے جب راجپوتانہ کے ریزیڈنٹ سر ہنری لارنس کے حکم سے فارسی میں ٹونک کی تاریخ بنام ’’ہفتدہ سالہ امیر و بست سالہ وزیر‘‘ لکھی تو اس میں ریاست کی فوج کی اس حرکت کو ’’ناعاقبت اندیشی‘‘ اور ’’بغاوت‘‘ قرار دیا- وہ لکھتے ہیں:

> ’’وبماہ رمضان ۱۲۷۳ھ خبر بغاوت فوج سرکار انگریزی در ٹونک ہر گاہ کہ بسمع سپاہ و ملازمان سرکاری در رسید ناعاقبت اندیشان فوج نواب نیز علم بغاوت برداشتہ قصد روانگی دہلی بشمول فوج باغیہ سرکار انگلشیہ نمودہ خیام خود نصب ساختہ- (ص: ۱۶۰، بحوالہ: ریاست ٹونک کے حکمران ذیشان، جلد: اول، ص: ۶۰)
>
> ماہ رمضان ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں فوج سرکار انگریزی کی بغاوت کی خبر جس وقت ریاست کے سرکاری سپاہیوں کے کانوں تک پہنچی تو نواب کی فوج کے ناعاقبت اندیش سپاہیوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا اور انگریزی سرکار کے خلاف باغی فوج میں شامل ہونے کے لیے دہلی روانہ ہو گئے اور اپنے خیمے وہاں گاڑ دیے-

انگریزی اقتدار کے خلاف نواب وزیر الدولہ نے اپنی فوج کے اس ’’جہاد‘‘ کو ناجائز اور نمک حرامی قرار دیا- نواب کا یہ فرمان یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو ریاست ٹونک کی جانب سے جاری کیا گیا، جو دستاویزی شکل میں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں محفوظ ہے-

اس دستاویز کی عبارت یوں ہے:

> ’’نواب نے (یہاں عبارت پڑھی نہیں گئی) کہا کہ جہاد انگریزوں پر درست نہیں ہے- بعد اس کے سب فوج سے کہا کہ میں نمک خوار انگریزوں کا ہوں، میں نمک حرام نہیں ہوتا اور تم میرے نمک خوار ہو، تم کو اختیار ہے کہ چاہو نمک حرام ہو جاؤ، چنانچہ اس بات پر پانچ سو آدمیوں نے نوکری چھوڑ دی-‘‘ (میوٹنی پیپرز، کلکشن: ۱۶، نمبر: ۱۲، ۱/ستمبر ۱۸۵۷ء، نیشنل آرکائیوز آف

انڈیا، نئی دہلی)

اس کے علاوہ انقلاب ستاون کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا، جب تانتیا ٹوپے، علی بہادر خاں اور شہزادہ فیروز بخت انگریزی اقتدار کے خلاف نواب وزیرالدولہ سے امداد کے لیے ٹونک جا پہنچے، لیکن نواب صاحب نے ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیا- تاہم ریاست کی فوج ان کے ساتھ مل گئی اور نواب انگریزی فوج کی مدد سے اپنے قلعے میں بند ہوکر وطن کے ان جاں بازوں سے مقابلہ آرائی پر اتر پڑے- اس مقابلے کی پوری تفصیل ریاست کے دیوان شمس الدین نے ایک چشم دید کی حیثیت سے اپنی کتاب ''ہفتدہ سالہ امیر و بست سالہ وزیر'' میں لکھی ہے- اسی کتاب کے حوالے سے ''ریاست ٹونک کے حکمران ذیشان'' کے مرتب لکھتے ہیں:

> ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نواب وزیرالدولہ کی مدد اور تعاون کے سلسلے میں جب تانتیا ٹوپے، علی بہادر خاں اور شہزادہ فیروز شاہ (فیروز بخت) ابن ناظم بخت نواسہ فرخ سیر نے راجپوتانہ کا رخ کیا اور ٹونک تک پہنچے- اس زمانے میں ریاست ٹونک پر نواب وزیرالدولہ مسند نشین تھے- انگریزوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کی وجہ سے نواب وزیرالدولہ نے فیروز شاہ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا، مگر ریاستی فوج نے ان کا ساتھ دیا- کرنل ہوم پیچھے سے فوج لے کر آیا اور وہ لوگ اندر گڑھ ہوتے ہوئے بوندی جا پہنچے- (ریاست ٹونک کے حکمران ذیشان، جلد: اول، ص: ۵۸)

آگے لکھتے ہیں:

> ''باغی فوج نے موتی باغ میں اپنا مورچہ کھول رکھا تھا اور نواب صاحب قلعہ بند ہوکر مقابلہ کر رہے تھے-'' (ایضاً، ص: ۵۸)

انگریزوں سے اس وفاداری کے صلے میں نواب وزیرالدولہ کو انگریزی حکومت نے سند عطا کی اور ان کی توپوں کی سلامی کی تعداد ۱۵/ سے بڑھا کر ۱۷/ کر دی گئی- ریاست ٹونک کی جانب سے ۲۱-۱۹۲۲ء میں جو سالانہ رپورٹ (Annual Report) شائع ہوئی ہے، اس میں درج ہے کہ:

During the mutiny he (Nawab Waziruddaulah)

> distinguished himself by holding the Tonk fort with a small garrison against the combined forces of the Nawab of Banda and Tantiya Topi. In acknowledgement of his service his salute was raised from 15 to 17 guns and he received a Sanad guaranteeing the succession of his family according to Mohammadan Law in the event of failure of natural heirs. (Annual Report on the administration of the Tonk State:1921-22,P:2)
>
> ۱۸۵۷ء کی جنگ میں نواب وزیرالدولہ کی کارکردگی کے پیش نظر نواب صاحب کی سلامی توپوں کی تعداد ۱۵ سے ۱۷ کر دی گئی اور نواب صاحب کو ایک سند بھی حاصل ہوئی، جس کے مطابق نواب کی اولاد نہ ہونے پر شریعت اسلامیہ کے مطابق ریاست کا وارث تسلیم کیا جائے گا-

اس تفصیل کو جاننے کے بعد چند باتیں توجہ طلب ہیں:

۱-نواب وزیرالدولہ سید احمد رائے بریلوی کے مرید وخلیفہ، تحریک جہاد کے سرگرم رکن اور جماعت مجاہدین کے معاون وممبر تھے-غلام رسول مہر نے نواب صاحب کا تعارف اسی حیثیت سے اپنی کتاب ’’جماعت مجاہدین‘‘ میں کرایا ہے-اگر تحریک یا جماعت مجاہدین کا ہدف اصلی انگریزی حکومت کا استیصال ہوتا تو تحریک کے ساتھ ان کی غیر مشروط وفاداری اور گراں قدر تعاون خارج از امکان ہوتا-

۲-ریاست ٹونک انگریزوں سے سیاسی مصالحت کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور والیان ٹونک کمپنی سرکار کے وظیفہ خوار تھے-اگر بالفرض تحریک کا مقصد حکومت انگلشیہ کا خاتمہ ہوتا اور والیان ٹونک تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کو تعاون وامداد دے رہے ہوتے تو نہ ریاست کا وجود باقی رہتا اور نہ ان کی امارت وولایت قائم رہتی-

۳-جب انقلاب ستاون برپا ہوا تو بے شمار ایسے علما تھے جو انگریزی ملازمت سے وابستہ تھے، انگریزی فوج کے ہزاروں ہندوستانی سپاہی انگریزوں کے ملازم تھے، بہادر شاہ ظفر کمپنی سرکار

کے وظیفہ خوار تھے اور متعدد ریاستیں انگریزوں کے ماتحت تھیں۔ پھر بھی ان کی قومی غیرت اور وطنی محبت سیاسی اور معاشی مصلحتوں پر غالب آ گئی اور یہ لوگ اپنے مآل وانجام سے بے پرواہ ہو کر صرف استخلاص وطن کی آرزو میں انگریزوں سے ٹکرا گئے۔

ریاست ٹونک ایسی تحریک اور جماعت کا اہم مرکز تھی جس کی بنیاد (بقول مؤرخین) عشق حق کی حرارت، احیائے اسلام، تمنائے شہادت، ایمانی غیرت وحمیت اور انگریزی مخالفت پر استوار تھی۔ پھر بھی سیاسی اور معاشی مصالح نے اس کے سرگرم نمائندوں کے پیروں میں بیڑیاں کیسے ڈال دیں؟

تاریخ سازی:

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تحریک سے متأثر جماعت مجاہدین کے بہت سے مؤرخوں نے انقلاب میں ریاست ٹونک کے سپاہیوں کی ’’بغاوت‘‘ کو براہ راست ریاست ٹونک اور جماعت مجاہدین سے جوڑ کر انقلاب ستاون میں جماعت کی حصہ داری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالاں کہ تاریخی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر ریاض الدین ٹونکی اپنے ایک مضمون ’’پہلی جنگ آزادی میں ریاست ٹونک کا حصہ‘‘ میں مذکورہ نکتے کو ثابت کرنے کے لیے تمہید کے طور پر لکھتے ہیں:

> ’’انھوں (وزیرالدولہ) نے سید احمد شہید سے بیعت کی۔ سید احمد شہید جب انگریزوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تو نواب موصوف نے ان کے وارثین کو ٹونک میں بلا کر بسایا تھا۔ یہ سید احمد شہید کی تنظیم بنام ’تحریک محمدیت‘ کی Confidentially مالی امداد بھی کرتے تھے......
> چوں کہ ریاست انگریز دشمنی کی وجہ سے قائم ہوئی تھی اور یہاں کے باشندے زیادہ تر ان بہادروں کی اولاد تھے جو اس ریاست کے قائد امیر خاں کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جوش وخروش سے جنگی مہمات میں حصہ لے چکے تھے اس لیے قدرتی طور سے ان لوگوں کے دل میں انگریز مخالف نفرت وغصہ کے جذبات بھرے ہوئے تھے۔‘‘

(جنگ آزادی کے اولین مجاہدین اور بہادر شاہ ظفر، ص: ۲۷۷)

اس مختصر سے اقتباس میں مصنف نے متعدد تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، جب کہ:

۱- سید احمد رائے بریلوی انگریزوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید نہیں ہوئے، بلکہ بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے رخصت ہوئے- تفصیل کے لیے سید احمد صاحب کے مریدین اور مجاہدین کے ذریعے لکھی گئی مستند کتاب ''وقائع احمدی'' ص: ۲۳۶۳/تا ۲۴۷۷/ ملاحظہ ہو-

۲- ریاست ٹونک انگریز دشمنی کی وجہ سے قائم نہیں ہوئی، بلکہ انگریز دوستی اور مصالحت کے نتیجے میں وجود میں آئی، جہاں کے والیان نے انگریزی وظیفے پر اپنی پوری زندگی گزار دی- تفصیلی شواہد پچھلے صفحات میں ذکر کر دیے گئے-

۳- ریاست ٹونک کے قیام سے پہلے امیر خاں پنڈاری اپنی آزاد فوج کے ساتھ مالوہ اور راجپوتانہ کے علاقوں میں لوٹ مار کیا کرتا تھا- انگریزی حکومت کے خاتمے کی نہ اس میں قوت تھی اور نہ اس کا مقصد- (دیگر تاریخی کتب کے ساتھ تفصیل کے لیے دیکھیے: سید احمد شہید، ص: ۱۰۵)

مذکورہ تاریخی حقائق کی غلط بیانی کے بعد مضمون نگار انقلاب ستاون میں ریاست ٹونک کی حصہ داری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ٹونک کی فوج نے نیمچ سے آگرہ جا رہے باغیوں/انقلابیوں کو ٹونک آنے کی دعوت دی- ان کی آؤ بھگت کی اور رسد مہیا کی- ٹونک کی فوج کے زیادہ تر آفیسر اور فوجی اپنی اپنی تنخواہ لے کر باغیوں کے ساتھ الگ سے بادشاہ کی مدد کرنے دہلی چلے گئے- (ایضاً، ص: ۲۷۹)

اوپر ذکر کی گئی تمہید کے بعد اس اقتباس کو لکھ کر مضمون نگار نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ریاست ٹونک میں انقلاب ستاون کے دوران جو فوجی بغاوت ہوئی اس کا تعلق براہ راست سید احمد رائے بریلوی کی تحریک اور ان کی جماعت سے تھا- بعض مؤرخوں نے تو ٹونک کی انقلابی فوج کو ''ٹونک کی وہابی فوج'' تک قرار دے دیا ہے- والیان ریاست کے مسلک و مشرب کو اس کی

پوری فوج اور تنخواہ دار ملازمین کا مسلک و مشرب بتانا تاریخ کے ساتھ جبر ہے۔ انقلاب ستاون میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور انگریزی حکومت کے سپاہیوں اور پلٹنوں نے انگریزی اقتدار کے خلاف بغاوت کی۔ ان فوجیوں کو کسی ''ازم'' کے ساتھ نہیں جوڑا گیا۔ ریاست ٹونک کے سپاہیوں کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ کیوں کہ ان سپاہیوں کا تعلق کسی تنظیم یا تحریک سے نہیں تھا۔ پھر ریاست یا حکومت کا موقف والی ریاست یا صاحب اقتدار کی سرگرمیوں اور رویوں سے طے پاتا ہے نہ کہ رعایا کے اقدام سے۔ انگریزی اقتدار کے خلاف ٹونک کے سپاہیوں کے اقدام کو اگر ریاست ٹونک کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے تو پھر انگریزی فوج کی بغاوت کو کس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ مضمون نگار کے مطابق والی ٹونک تو سید صاحب کے مرید اور خلیفہ اور ان کی تحریک محمدیت کے مالی معاون تھے، اس لیے انھیں اسی حیثیت سے ریاست ٹونک کا موقف بتانا چاہیے تھا۔

دراصل ادبیات ستاون کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ جب بعض مؤرخین کو سید صاحب کی تحریک اور جماعت کی انقلاب ستاون میں براہ راست شرکت کے شواہد نہیں مل سکے تو انھوں نے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا شروع کیا۔ جہاں ادعائیت تو ہے، شواہد نہیں۔ مثلاً، کے۔ ایم۔ اشرف کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

> ''دہلی میں آنے والے وہابی مجاہدین میں جے پور، جھانسی، حصار، بھوپال اور نصیر آباد کے چھ ہزار مجاہدوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ والی سوات اخوند (ملا عبدالغفور) کے تحت جو وہابیوں کا مشہور و معروف سرپرست اور حامی تھا، سرحد پر واقع وہابی مرکز نے چودہ ہزار مجاہد بھیجنے کی پیش کش کی۔ ٹونک نے چھ سو کا دستہ بھیج دیا اور دو ہزار کا اور جتھا بھیجنے کا وعدہ کیا۔ دو سو آدمی نجیب آباد سے پہنچ گئے جو ایک قدیم روہیلہ مرکز تھا۔''

(انقلاب اٹھارہ سو ستاون، ص: ۱۱۲)

اس اقتباس میں حسب ذیل باتیں کہنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱۔ ہندوستان کے مختلف خطوں سے جماعت مجاہدین کے ہزاروں افراد جنگ کے لیے دہلی

پہنچے——جب کہ یہ مختلف ریاستوں کے باغی فوجوں کے سپاہی تھے، جنھیں ''وہابی'' کہہ کر انقلاب ستاون میں جماعت مجاہدین کی حصہ داری ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے-

۲- والی سوات ملا عبدالغفور اخوند جماعت مجاہدین کے مشہور و معروف سر پرست اور حامی تھا، اس لیے سرحد پر واقع وہابی مرکز نے چودہ ہزار مجاہد بھیجنے کی پیش کش کی-

حالاں کہ یہ بات تاریخی حیثیت سے بالکل غلط ہے- پچھلے صفحات میں گزرا کہ مولانا غلام رسول مہر نے واضح طور لکھا ہے کہ انقلاب ستاون سے ملا عبدالغفور اخوند کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس لیے اس نے مجاہدین کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا، اسی لیے سرحد کے مجاہدین ۱۸۵۷ء میں کوئی اقدام نہ کر سکے-

۳- ''ٹونک نے چھ سو کا دستہ بھیج دیا اور دو ہزار کا اور جتھا بھیجنے کا وعدہ کیا-''

چھ سو کا دستہ بھیج دیا اور دو ہزار کا مزید جتھا بھیجنے کا وعدہ والی ریاست ٹونک ہی کر سکتا ہے- جب کہ والی ٹونک نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں اپنی فوج کی مخالفت کی اور انگریزی حکومت کا کھل کر ساتھ دیا-

اس طرح کی بے سر و پا باتیں ان کتابوں میں درج ہیں، جنھیں تاریخی استناد عطا کر دیا گیا ہے- دیگر کتابوں کے مشمولات کا شکوہ ہی کیا؟

دراصل ۱۸۳۲ء کے بعد مسلمان مختلف مسلکی خانوں میں بٹ گئے- ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی یہ مسلکی تقسیم صرف نظریاتی اور فکری سطح تک محدود نہیں رہی، بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک انسٹی ٹیوشن کی شکل میں جتنے مدارس وجود میں آئے، مساجد تعمیر ہوئیں، تنظیمیں اور تحریکیں تشکیل پائیں، کتابیں لکھی گئیں، ان سب پر مسلکی رنگ غالب رہا، کیونکہ ہر سطح اور ہر محاذ سے اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ اور دفاع کی کوششیں کی جا رہی تھیں اس ماحول میں جب تاریخ لکھی گئی تو مسلکی تقسیم کا اثر اس پر بھی پڑا- یہ بات بالکل قطعی ہے کہ ہر چیز کے کچھ اپنے تقاضے اور اصول ہوتے ہیں، جن کی پاسداری ضروری ہوتی ہے- تاریخ نویسی کے بھی اپنے تقاضے اور اصول ہیں، جس کو حد سے زیادہ نظریاتی تسلط، تقسیم، ادعائیت، موضوعیت اور جانب داریت راس نہیں آتی- اگر ایسا ہو تو پھر اسے ''تاریخ سازی'' قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے-

انقلاب ستاون میں صادق پور (پٹنہ) کا کردار:

والیان ریاست ٹونک کی ہی طرح خاندان صادق پور (پٹنہ) بھی سید احمد رائے بریلوی کے جاں نثار ارادت مندوں اور وفاداروں میں تھا۔ اس خاندان کے بیشتر افراد سید صاحب کے مرید، خلیفہ، ان کے عقائد وافکار کے پرجوش داعی اور تحریک جہاد کے سرگرم مبلغ تھے۔ ۱۸۳۱ء میں معرکۂ بالاکوٹ میں سید صاحب کے جاں بحق ہونے کے بعد ۱۸۵۸ء تک تحریک کی قیادت وامارت خاندان صادق پور کے ہی ہاتھوں میں رہی۔ بقول ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر:

> ''(سید احمد بریلوی کے بعد) ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی، مگر پٹنہ کے خلیفوں (مولوی ولایت علی وعنایت علی) کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے، جو ان کے تصرف میں تھی، مقدس جھنڈے (تحریک) کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔''
>
> (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص: ۵۸)

اسی حوالے سے مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

> ''فاجعۂ بالاکوٹ کے بعد تمام ملک پر اداسی چھائی ہوئی تھی، جماعت تتر بتر ہوگئی، اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، جہاد کا سارا کام درہم برہم ہوا چاہتا تھا کہ عظیم آباد پٹنہ، محلّہ صادق پور کے ایک فرد (ولایت علی) نے یہ گرتا ہوا علم اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور زندگی بھر اپنے سینے سے لگائے رکھا اور پھر اس فرد کامل کے بعد اس کے بھائیوں، بھتیجوں، عزیزوں اور ماننے والوں نے جس طرح اپنے خون سے اس نخل خزاں دیدہ کی آبیاری کی ہے، وہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے۔'' (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۴۰/۴۱)

اس خاندان کے افراد تحریک کے لیے پورے ہندوستان سے چندہ اکٹھا کرتے، سرحد تک روپے پہنچاتے اور لوگوں کو تحریک کا ہم نوا بنا کر سرحد بھیجتے، خود بھی سرحد جا کر تعلیم وتربیت پاتے اور تحریک کی جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں دہلی اور ٹونک کے ساتھ

صادق پور بھی تحریک کے اہم مراکز میں شامل تھا-

اس کے ساتھ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب انقلاب ستاون برپا ہوا تو سرحد کی جماعت مجاہدین اور ٹونک کی طرح اہل صادق پور نے بھی حصہ نہیں لیا بلکہ انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون بھی کرتے رہے، جس کے صلے میں خاندان صادق پور کے متعدد افراد ''شمس العلما'' اور ''خان بہادر'' کے خطابات سے نوازے گئے، متعدد حضرات کو سرکاری ملازمت دی گئی اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے انھیں اسکالرشپ دے کر بیرون ممالک بھی بھیجا گیا- اہل صادق پور کے تذکروں پر مشتمل سب سے اہم اور مستند ماخذ ''الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور'' سے یہاں شواہد پیش کیے جا رہے ہیں، جسے خاندان صادق پور کے اہم فرد، تحریک جہاد کے رکن اور مولوی ولایت علی صادق پوری کے بھتیجے مولوی عبدالرحیم صادق پوری نے لکھا ہے- اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۴ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوا تھا- مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ''فاضل مؤلف نے اس تذکرے میں اس خاندان کی تمام کیفیت اور تمام اہل خاندان کے حالات نہایت عمدگی سے تحریر کیے ہیں ...... ان کی یہ کتاب نہایت مفید اور خاندان کے بنائے دوام کا عمدہ ذریعہ ہے-''
>
> (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص: الف)

● مولانا احمد اللہ صادق پوری ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، پہلے ان کا نام احمد بخش تھا، سید احمد رائے بریلوی نے احمد اللہ رکھا، انھیں بیعت کیا اور ان کا نکاح بھی پڑھایا- انقلاب ستاون برپا ہوا تو بدخواہوں نے ولیم ٹیلر کمشنر پٹنہ سے ان کی جھوٹی شکایت کر دی کہ انھوں نے بھی اس انقلاب میں حصہ لیا تھا، اس شکایت پر بے قصور انھیں گرفتار کیا گیا- اس واقعے کو مولوی عبدالرحیم صادق پوری کی زبانی سنیے:

> ''۱۸۵۷ء میں جب کہ ہندوستان میں غدر ہوا، اس وقت پٹنہ میں ولیم ٹیلر صاحب بہادر کمشنر تھے- صاحب موصوف کا مزاج ہندوستان کے غدر کے حالات اور بگڑی ہوئی پلٹنوں کے سپاہیوں کی تعدی وظلم ونمک حرامی کی کیفیت سن سن کر نہایت مختل برافروختہ ہو رہا تھا- ایسی حالت میں ان

> رئیسوں نے جو بظاہر جامۂ انسانی میں تھے اور باطن میں سخت خوں خوار درندہ گزندہ تھے، موقع پا کر صاحب موصوف (ولیم ٹیلر) کو بہکا اور ورغلا کر اور کذب و دروغ باتیں پہنچا کر جناب ممدوح (مولوی احمد اللہ) کی طرف سے بدظن کر دیا اور ادھر راجہ کنور سنگھ ساکن جگدیش پور ضلع شاہ آباد نے بھی بغاوت اختیار کی۔ پس بہ وجوہات بالا صاحب موصوف (ولیم ٹیلر) نے حضرت مولانا احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اور آپ کے ماموں حضرت شاہ محمد حسین قدس سرہ ساکن نموہیہ کو جو ایک بہت بڑے پیشوا و سرگروہ فرقۂ اہل حدیث کے سمجھے جاتے تھے اور جناب مولوی واعظ الحق ساکن محلّہ گورہٹہ کو بہ بہانۂ ملاقات بلا کر نظر بند کر دیا۔'' (ایضاً، ص: ۴۵/ ۴۶)

مولانا کی گرفتاری کے بعد حکام نے تفتیش و تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مولوی احمد اللہ صادق پوری بے قصور ہیں، انھوں نے اس انقلاب میں حصہ نہیں لیا تھا، لہٰذا بری کر دیے گئے۔ مگر موصوف کو گرفتار کرنے کے جرم میں ولیم ٹیلر کو حکومت انگلشیہ نے معزول کر دیا۔

مولوی عبدالرحیم لکھتے ہیں:

> چوں کہ اس وقت بعض حکام جو نہایت زیرک و مردم شناس و منصف مزاج شریف پرور موجود تھے، انھوں نے صورت حالیہ کو بذریعہ اپنی رپورٹ کے گورنمنٹ میں پیش کیا، وہاں سے اس مقدمے کی خوب چھان بین ہوئی، بالآخر وہ چغل خور و نیش عقرب مخدول و منکوب ہوئے اور آپ تینوں صاحبوں کی بے جرمی ثابت ہو کر رہائی ہوئی اور ٹیلر صاحب کمشنر پٹنہ سخت جواب طلب اور معاتب گورنمنٹ ہوئے، حتی کہ صاحب موصوف ہمیشہ کے لیے معزول ہوئے۔'' (ایضاً، ص: ۴۶)

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں سیکڑوں بے قصور گرفتاریاں ہوئیں، مقدمات چلے اور سخت سزائیں بھی ہوئی تھیں، مگر حکام انگریزی کو اس جرم کی پاداش میں معزول نہیں کیا گیا۔ یہاں استثنائی طور پر یہ قدم اس لیے اٹھایا گیا، کیوں کہ مولوی احمد اللہ صادق پوری انگریزوں کے بڑے

معاون ومددگار رہتے۔ صاحب ’’الدرالمنثور‘‘ لکھتے ہیں:

> ’’گورنمنٹ انگریزی بھی آپ (مولوی احمداللہ) سے اکثر رفاہ عامہ کے باب میں مشورہ لیا کرتی۔ آپ ممبر کمیٹی برابر رہا کرتے تھے۔ آپ حکام رس تھے اور جلسہ وائسرائے بہادر میں درجۂ اول میں شمار ہوتے تھے۔ اکثر وہ مقدمات جو رعایا و گورنمنٹ کے مابین بابت تکرار کسی اراضی کے ہوتا، یعنی وہ اراضی جو گورنمنٹ کو رعیت سے خریدنی منظور ہوتی، اس کی قیمت کا فیصلہ آپ ہی کے سپرد ہوتا اور آپ اس خوبی سے فیصل فرماتے کہ حاکم و محکوم دونوں رضا مند ہو جاتے۔ جب انکم ٹیکس کا نیا نیا بندوبست گورنمنٹ کی طرف سے شروع ہوا اس وقت چار اسیسر دو ہندو اور دو مسلمان نہایت امانت دار و دیانت دار منتخب کر کے سرکار کی طرف سے اس میں مقرر کیے گئے۔ آپ کا اس میں نمبر اول تھا۔‘‘ (ایضاً، ص:۴۴)

● مولوی عبدالرحیم صادق پوری، صاحب ’’الدرالمنثور‘‘ کے والد مولانا فرحت حسین صادق پوری ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے، اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علی (خلیفہ سید احمد رائے بریلوی) سے اکتساب علوم کیا اور حدیث کی سند حاصل کی۔ تحریک کے اہم رکن تھے۔ مولانا ولایت علی جب بھی صادق پور سے کہیں باہر جاتے، آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے۔ جب انقلاب ستاون برپا ہوا تو بقول ڈاکٹر قیام الدین:

> ’’اس زمانے میں مرکز پٹنہ کے سردار، عنایت علی کے چھوٹے بھائی فرحت حسین تھے۔‘‘ (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص:۲۵۹)

انہی مولانا فرحت حسین نے نہ صرف انقلاب ستاون میں حصہ نہیں لیا بلکہ انگریزی حکومت کے خلاف اس جنگ کو خلاف شریعت قرار دے کر اپنے افراد خاندان اور مریدین ومتوسلین کو بھی اس جنگ سے بزور روکا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالرحیم صادق پوری لکھتے ہیں:

> ’’۱۸۵۷ء کی غدر میں فرقۂ اہل حدیث جو شریک باغیان سرکار نہ ہوا، آپ ہی کی بدولت۔ آپ نے نہایت شدومد کے ساتھ تاکید بلیغ فرمائی کہ کوئی

> مرید ہمارا باغیوں کا ساتھ نہ دے- یہ بغاوت سراسر خلاف شریعت ہے- جس وقت کہ جناب مولانا احمد اللہ وغیرہم کو ٹیلر صاحب کمشنر پٹنہ نے نظر بند کیا، اس وقت ہزار ہا آدمی پٹنہ واطراف میں برسر فساد تھے- مولوی پیر علی و مولوی اوصاف حسین ساکنان لکھنؤ کہ جن کی قریب صدر گلی پٹنہ میں کتب فروشی کی دکانیں تھیں اور اس وقت وہ سرغنائے بغاوت ہو گئے تھے، انھوں نے بھی نہایت زور کے ساتھ پیغام بھیجا کہ آپ اس وقت ہمارے شریک و مددگار ہوں، مگر ہمارے حضرت (مولانا فرحت حسین) نے صاف انکار کیا اور ہرگز ان کے شریک نہ ہوئے اور جملہ مریدوں کو شرکت سے بزور روکا- الغرض اس پٹنہ میں جو فرقہ اہل حدیث کا شر وفساد سے بچا رہا وہ آپ ہی کے طفیل- (الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص:۱۹۹)

مرکز تحریک کے ''سردار'' کا انقلاب ستاون میں مذکورہ کردار، تاریخی حیثیت سے تحریک اور جماعت کا موقف متعین کر دیتا ہے- ڈاکٹر قیام الدین نے بھی اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کیا ہے، لیکن ساتھ ہی انھوں نے انقلاب ستاون میں تحریک کی عدم شرکت کی تاویل بھی کر ڈالی ہے- موصوف لکھتے ہیں:

> ''اس (انقلاب ستاون میں عدم شرکت) کا سبب تنظیم کی آہنی تربیت و تادیب تھا، جس نے ان (مولانا فرحت حسین) کو مختلف فرض سونپ دیا تھا، جس کے وہ سختی سے پابند تھے- واقعات کے پیش نظر ماننا پڑتا ہے کہ وہابی قائدین نے سیاسی صورت حال کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ صحیح تھا- اگر وہابی بہار میں علانیہ محاربہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو وہ بھی کچل دیے جاتے اور تحریک اس سے بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی-''
>
> (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص:۲۵۹)

یہاں یہ اور ان جیسی تاویلوں کے سلسلے میں تین باتیں کہی جا سکتی ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اور ان جیسی تاویلوں سے انقلاب ستاون میں تحریک کا مذکورہ کردار

نہیں بدل سکتا۔ جب بھی یہ مجرد سوال اٹھے گا کہ ''تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین نے انگریزی اقتدار کے خلاف ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا یا نہیں؟'' جواب نفی میں ہوگا۔

دوسری یہ کہ انقلاب ستاون کے انجام سے قطع نظر، انگریزی استعمار کے خلاف ہندوستانیوں کی اس مشترکہ جدوجہد میں جس نے بھی استطاعت کے باوجود حصہ نہیں لیا تاریخ نے اسے قومی اور وطنی مجرم گردانا اور ہم وطنوں نے اس کے اس عمل کو بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ غالباً ہندوستان کا یہی تاریخی اور معاشرتی رویہ تحریک کے سلسلے میں یہ اور ان جیسی تاویلوں کا محرک بنا۔

تیسری یہ کہ تحریک کی جانب سے مؤرخین کی تاویلوں کا کل اثاثہ ان کا قیاس ہے، تاریخ جن کی گواہی نہیں دیتی۔

انگریزی نوازشات:

اس باب میں سب سے چونکانے والی بات یہ ہے، تحریک کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے عمداً جس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ خاندان صادق پور کو حکومت انگلشیہ نے مختلف جہتوں سے نوازا اور انھیں القاب و خطابات سے سرفراز بھی کیا۔ ظاہر ہے حکومت وقت کا یہ مراحم خسروانہ اور عنایات شاہانہ، کم از کم خاندان صادق پور کے ''ارادۂ استیصال کی سرگرمیوں'' کے صلے میں تو نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس حیرت انگیز تاریخی حقیقت کی تفصیل ملاحظہ ہو:

''شمس العلما'' کا خطاب:

خاندان صادق پور کے جن لوگوں کو حکومت انگلشیہ نے ''شمس العلما'' کے خطاب سے سرفراز کیا، وہ یہ ہیں:

۱۔ مولوی امجد علی صادق پوری:
۲۔ مولوی یوسف صادق پوری ☆
۳۔ مولوی عبدالرؤف صادق پوری
۴۔ مولوی محمد سعید صادق پوری
۵۔ مولوی محمد حسن صادق پوری

☆ مولوی یوسف کو حکومت انگلشیہ نے جون ۱۹۱۰ء میں ''خان بہادر'' کے خطاب سے بھی سرفراز کیا۔

مصنف ''الدرالمنثور فی تراجم اہل صادق فور'' حکومت انگلشیہ کی اس عنایات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ☆

> ''چوں کہ یہ خطابات بلاعوض کسی خدمت کے محض براہ شفقت و مہربانی خسروانہ وعنایات شاہانہ ہم مسلمان لوگوں کی عزت افزائی وقدر شناسی کے لیے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائے ہیں، پس ہم سب مسلمانوں کو عموماً اور فرقۂ اہل حدیث کو خصوصاً اور علیٰ الخصوص خاندان صادق پور کو اس کا شکریہ قولاً وفعلاً ادا کرنا چاہیے-''

خصوصی اسکالرشپ:

۱-مولوی عظیم الدین صادق پوری کو ڈاکٹر راس (پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) کی درخواست اور سفارش پر ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے حکومت کی خصوصی اسکالرشپ (وظیفے) پر لندن اور اس کے بعد جرمنی بھیجا گیا-(الدرالمنثور فی تراجم اہل صادق فور، ص:۹۰/۹۱)

۲-مولوی عظیم الدین صادق پوری کی ہی طرح ان کے صاحب زادے کلیم الدین صادق پوری کو اعلیٰ تعلیم کے لیے حکومت کی خصوصی اسکالرشپ (وظیفے) پر یورپ بھیجا گیا-

(ایضاً، ص:۹۲)

انگریزی ملازمت:

حکومت انگلشیہ نے خاندان صادق پور کو دیگر نوازشات کے علاوہ سرکاری ملازمتوں سے

☆''الدرالمنثور فی تراجم اہل صادق فور'' کا پہلا ایڈیشن، جو ہادی المطابع، کلکتہ سے ۱۹۲۴ء میں چھپا، اس میں مصنف نے ٹائٹل کے دوسرے صفحے پر انگریزی حکومت کو ''گورنمنٹ عالیہ عادلہ'' اور ''مہربان'' کے القاب سے یاد کرتے ہوئے ہندوستان میں مذہبی آزادی پر ان کا شکریہ ادا کیا ہے اور مسلمانوں کو ان کا مطیع وفرماں بردار رہنے کی تلقین کی ہے-ٹائٹل کے تیسرے صفحے پر خاندان صادق پور کے مذکورہ افراد کی فہرست دی ہے، جنھیں ''شمس العلما'' اور ''خان بہادر'' کے خطابات سے نوازا گیا ہے اور اس فہرست کے نیچے شکریہ نامہ کی شکل میں مذکورہ عبارت لکھی ہے-راقم کے پیش نظر اس وقت کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے، جو ۱۹۶۴ء میں عبدالحفیظ انچارج جماعت اصلاحی پٹنہ کے اہتمام سے شائع ہوا ہے-مگر اس میں مذکورہ دونوں صفحات کو نکال دیا گیا ہے-مولانا عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) نے اپنی کتاب ''غیر مقلدین کی انگریز نوازی'' (۱۹۸۵ء) کے اخیر میں ان دونوں صفحات کا عکس شائع کر دیا ہے-

بھی نوازا، اس خاندان کے متعدد افراد حکومتی اداروں میں مختلف عہدوں پر رہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱-مولوی محمود حسن صادق پوری	سب جج، عدالت پٹنہ
۲-کلیم الدین صادق پوری	پروفیسر/ پرنسپل: پٹنہ کالج ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن، بہار
۳-مولوی اشرف علی صادق پوری	اسسٹنٹ پروفیسر: بنارس کالج ہیڈ ماسٹر: باندہ وریاست بھاول پور اسکول
۴-مولوی امجد علی صادق پوری	پروفیسر: علی گڑھ کالج/ الہ آباد میور سینٹرل کالج
۵-مولوی عسکر علی صادق پوری	سپاہی: فوج انگلشیہ
۶-مولوی عبد الرؤف صادق پوری	سیکریٹری: محمڈن اینگلو عربک اسکول، پٹنہ
۷-مولوی یوسف رنجور صادق پوری	چیف مولوی: بورڈ آف اگزامنرس، کلکتہ
۸-مولوی عبد القدیر صادق پوری	اسسٹنٹ لیکچرار: کلکتہ یونیورسٹی

انقلاب ستاون میں جہاد کے فتاوے اور جماعت مجاہدین:

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں دیگر سیاسی، سماجی اور مذہبی عوامل کے ساتھ ساتھ انگریزی اقتدار کے خلاف ملک گیر ماحول بنانے اور مسلمانوں میں جوش و جذبات برانگیختہ کرنے میں علما کے فتوؤں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے- حکومت وقت کے خلاف دیے گئے فتوؤں کے اثرات اور اہمیت کے تعلق سے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا بیان ہے:

> ’’جب کبھی کوئی ایسا فتویٰ حکومت کے خلاف شائع ہوا تو اس کا نتیجہ دنیا کی سخت ترین اور نہایت خوں ریز بغاوتوں کی صورت میں ظاہر ہوا-‘‘
>
> (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص:۱۲۱)

۱۸۵۷ء میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال رہی- تاریخ کی مستند کتابوں کے ذریعے انقلاب ستاون میں علما کے ایسے چند فتوؤں کی نشاندہی ہوتی ہے، جن میں انگریزوں کے خلاف جہاد کو جائز وواجب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو حرکت و عمل کی ترغیب دی گئی تھی- لیکن ’’صادق الاخبار‘‘

دہلی (شمارہ: ۲۷/جولائی ۱۸۵۷ء) میں شائع ایک فتوے کے علاوہ کسی بھی فتوے کا متن دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔ اس لیے جب تک ان تمام فتوؤں کے متن اور ان پر دستخط کرنے والوں کے نام سامنے نہیں آجاتے، یہ نشاندہی کرنا مشکل ہے کہ انگریز مخالف فتویٰ لکھنے یا اس پر تائیدی دستخط کرنے والا فلاں عالم دین ہے۔ تاہم انقلاب ستاون میں کسی مخصوص افکار وخیال پر مشتمل گروپ یا جماعت کی شرکت یا عدم شرکت کے شواہد کے ذریعے یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ انگریز مخالف فتوے لکھنے یا ان پر تائیدی دستخط کرنے میں ان کا کردار کیا ہوگا۔ یعنی انقلاب ستاون میں جس جماعت اور گروپ نے پوری توانائی اور جوش وجذبے کے ساتھ حصہ لیا ہوگا، اسی نے انقلاب ستاون میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے بھی دیے ہوں گے اور جس جماعت یا گروپ کا عمل اس سے مختلف ہوگا، اپنی رضا ورغبت سے اس کا فتاویٔ جہاد دینا یا ان پر دستخط کرنا بعید از امکان ہوگا۔

مؤرخین کے مطابق انقلاب ستاون کے وقت ہندوستان کی ایک بڑی آبادی مسلکی سطح پر دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک کی نمائندگی علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہؔ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی وغیرہ کررہے تھے، جب کہ دوسری جماعت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار وخیالات کی نمائندہ تھی۔ جب انقلاب ستاون برپا ہوا تو اسی جماعت کے افراد سرحد، ٹونک اور صادق پور میں سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد کی نمائندگی اور قیادت کررہے تھے۔ پچھلے صفحات میں ناقابل تردید تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس جماعت یا تحریک نے براہ راست انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ نہیں لیا تھا۔ دراصل انقلاب ستاون کی قیادت اور نمائندگی کرنے والوں میں وہ تمام افراد شامل تھے جو سید احمد اور شاہ اسماعیل کے مسلکی حریف تھے۔ اس تاریخی حقیقت کو ’’مقالات سرسید‘‘ میں یوں پیش کیا گیا ہے:

> ’’ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علمائے کرام شامل تھے جو عقیدتاً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنھوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔‘‘ (حصہ شانزدہم، حاشیہ ص: ۲۵۲)

اس حقیقت کے پیش نظر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کے ایسے تمام فتوے دینے یا ان کی تائید وتصویب کرنے والے کم از کم سید احمد رائے بریلوی کی تحریک یا اس سے وابستہ جماعت مجاہدین کے علما نہیں ہوں گے۔

انقلاب ستاون کے تین فتاوے:

تاریخ میں انگریز مخالف ایسے تین فتوؤں کا ذکر ملتا ہے جو انقلاب اٹھارہ سو ستاون میں دیے گئے:

پہلا فتویٰ: ایک وہ فتویٰ جس کا ذکر سر سید نے کیا ہے:

> ”دلی میں جو جہاد کا فتویٰ چھپا، وہ ایک عمدہ دلیل جہاد کی سمجھی جاتی ہے ....اس پہلے فتوے کی نقل میں نے دیکھی ہے۔“

(رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان، ص:۱۷)

دوسرا فتویٰ: وہ ہے جس کا ذکر مولانا ذکاء اللہ دہلوی نے کیا ہے:

> ”(بخت خاں) جب دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گی تو وہ ان کے سب بیوی بچے قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں ان کی کرا لیں۔ اس فتوے کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں میں جوش مذہبی زیادہ ہو گیا۔“

(تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص:۶۷۶)

مذکورہ دونوں فتوؤں کے متن اب تک سامنے نہیں آ سکے ہیں۔☆

تیسرا فتویٰ: وہ ہے جو ۲۶/جولائی ۱۸۵۷ء کو ”دہلی اردو اخبار“ (اخبار الظفر) میں شائع ہوا

☆ مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام نے ذکاء اللہ دہلوی کے ذکر کیے ہوئے اس فتوے کا متن ”اخبار الظفر“ دہلی (۲۶/جولائی ۱۸۵۷ء) اور ”صادق الاخبار“ دہلی (۲۷/جولائی ۱۸۵۷ء) میں شائع ہونے والے فتوے کو قرار دیا ہے اور اس بات کا انکار کیا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے انقلاب ستاون میں کوئی فتویٰ دیا تھا۔

(ماہنامہ تحریک دہلی، اگست ۱۹۵۷ء/ جون ۱۹۶۰)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور وہاں سے نقل ہو کر ۲۷؍جولائی ۱۸۵۷ء کو ’’صادق الاخبار‘‘ دہلی میں چھپا- فتوے کا متن حسب ذیل ہے:

> ’’نقل استفتا از اخبار الظفر دہلی
>
> کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں، اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں؟ بیان کرو اللہ تم کو جزا دے-
>
> **جواب:** درصورت مرقومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے، چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے والے آلات حرب کے، تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے، فرض کفایہ ہے- ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں اس مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے-
>
> دستخط و مواہیر

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) تاریخی شواہد کے ذریعے دونوں محققین کا یہ دعویٰ حکیم سید محمود برکاتی نے رد کر دیا ہے- راقم کی رائے بھی یہی ہے، حکیم سید محمود کے شواہد پر راقم نے بھی مزید شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے-

(تفصیل کے لیے دیکھئے: فضل حق اور سن ستاون، ص: ۶۸ تا ۷۶، مطبوعہ برکات اکیڈمی، ۱۹۷۵ء/ علامہ فضل حق خیر بادی: چند عنوانات، از خوشتر نورانی، ص: ۶۳ تا ۶۹، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء)

احقر العباد جمال عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین۔ رحمت اللہ۔ مفتی محمد صدرالدین۔ مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی۔ محمد ضیاء الدین۔ عبدالقادر۔ فقیر احمد سعید۔ محمد میر خان۔ العبد محمد عبدالکریم۔ العبید فقیر سکندر علی۔ العبد مولوی عبدالغنی۔ خادم العلما محمد علی۔ خیرالدین۔ محمد سرفراز علی۔ سید محبوب علی جعفری۔ محمد حامی الدین۔ العبد سید احمد علی۔ الٰہی بخش۔ حیدر شاہ نقش بندی۔ محمد کریم اللہ۔ مولوی سعدالدین۔ محمد مصطفیٰ خان۔ محمد انصار علی۔ محمد رحمت علی خان۔ حیدر علی۔ العبد سیف الرحمٰن۔ سید عبدالحمید عفا اللہ عنہ۔ محمد علی حسین۔ حفیظ اللہ خان۔ محمد نورالحق۔ محمد ہاشم۔ حافظ سید محمد۔ محمد امداد علی عفی عنہ۔

(صادق الاخبار، دہلی، شمارہ: ۴، دوشنبہ ۵/ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ/ ۲۷/جولائی ۱۸۵۷ء۔
مخزونہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی، Col:No:4-6,Foll:32)

اس فتوے پر ۳۴/علما کے دستخط ہیں، ان میں کوئی بھی عالم ایسا نہیں ہے، جو براہ راست سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد یا جماعت مجاہدین سے وابستہ ہو۔

سرسید نے غالباً اسی فتوے کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ:

> ''دوبارہ فتویٰ ہوا، جو مشہور ہے اور جس میں جہاد کرنا واجب لکھا ہے، بلا شبہ اصلی نہیں .... مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوج باغی بریلی اور اس کے مفسد ہمرائیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں۔''

(رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان، ص: ۱۷)

اس لیے دستخط کرنے والے مذکورہ جن علما کے احوال تاریخ میں ملتے ہیں، انھیں دو گروپ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ پہلا گروپ ان علما کا ہے، جنھوں نے از روئے شریعت اس فتوے کو حق سمجھتے ہوئے اپنی رضا سے اس پر دستخط کیے۔ کیوں کہ انقلاب ستاون میں ان کی انگریز مخالف سرگرمیاں بتاتی ہیں کہ انھوں نے اپنی خوشی سے اس فتوے کی تائید کی ہوگی۔ اس گروپ میں حسب ذیل علما شامل ہیں:

مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، مولانا فرید الدین، مولانا عبدالقادر لدھیانوی اور مولانا سرفراز علی-

ان میں اکثر علما مسلکی طور پر سید احمد اور شاہ اسماعیل کے افکار و خیالات کے حامی نہیں تھے- مولانا سرفراز علی سید احمد اور شاہ اسماعیل کے عقائد و افکار کے موئید ضرور تھے- مگر تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین سے براہ راست مولانا کا کوئی تعلق نہیں تھا- اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بشمول غلام رسول مہر اور مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریک اور جماعت مجاہدین کے کسی بھی مؤرخ نے اس حیثیت سے ان کا ذکر نہیں کیا ہے- مولانا سید صاحب کے ساتھ یا ان کے بعد جہاد کے لیے سرحد پر نہیں گئے، نہ سید احمد سے براہ راست ان کے تحریکی یا تبلیغی مراسم تھے اور نہ ہی ہندوستان میں تحریک اور جماعت کے مراکز سے مولانا کا کسی بھی نوعیت کا کوئی تعلق رہا-

۲- دوسرا گروپ ان علما کا ہے، جنھوں نے جبراً مذکورہ فتوے پر دستخط کیے- کیوں کہ ان میں کئی علما نے انقلاب ستاون میں انگریزوں کی حمایت میں فتوے دیے اور متعدد نے انقلاب کے دوران انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کے فرائض انجام دیے اور انقلاب ستاون کی کھل کر مخالفت کی- اس دوسرے گروپ میں حسب ذیل علما شامل ہیں:

شمس العلما میاں نذیر حسین دہلوی، شمس العلما مولوی ضیاء الدین، مولوی سید محبوب علی جعفری، مولوی حفیظ اللہ خاں، مولوی سید احمد علی، مولوی سید احمد، مفتی رحمت علی خاں، مولوی کریم اللہ-

مذکورہ علما میں مولوی سید محبوب علی کے علاوہ کسی بھی عالم کا سید احمد کی تحریک جہاد اور جماعت سے براہ راست تعلق نہیں تھا- تاہم ان کی اکثریت سید صاحب کے عقائد و افکار کی نہ صرف حامی تھی بلکہ پر جوش مبلغ بھی- مذکورہ فتوے پر جبری دستخط کرنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انقلاب ستاون کے بعد مذکورہ کسی بھی عالم کو انگریزی حکومت نے نہ گرفتار کیا اور نہ سزا دی، بلکہ متعدد انعامات و خطابات سے نوازے گئے- جماعت اہل حدیث کے وکیل اور ''اشاعۃ السنہ'' لاہور کے ایڈیٹر مولوی ابو سعید محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بٹالوی مذکورہ علما کے تعلق سے صفائی دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”ہمارے اس دعوے پر کہ انھوں نے جبراً دستخط کیے ہیں، دلی ارادے سے نہیں کیے، ایک بڑی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ دستخط کر کے پھر گھر سے باہر نہیں نکلے اور اس جہاد میں شریک نہ ہوئے- یہی وجہ ہے کہ جب گورنمنٹ انگلشیہ کا دہلی پر دوبارہ تسلط ہوا تو گورنمنٹ نے ان دستخط کرنے والے مولویوں کو بری الذمہ قرار دیا- نہ کسی کو پھانسی دی، نہ کسی کا گھر لوٹا، باوجودکہ باغیوں کے مددگاروں کو پھانسی دینا اس وقت کا عام رول تھا- دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہوکر دستخط کرنے والے مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں، مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے شاگردان مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی نے ایک میم کو زخمی پا کر امن دیا اور اپنے گھر میں لے جا کر، اس کے زخموں کا علاج کر کے جب موقع پایا سرکاری کیمپ میں پہنچا دیا، جس پر ان کو سرکار کی طرف سے انعام واکرام بھی ہوا اور اگر ان کا اس فتوے پر مہر کرنا دلی ارادے سے ہوتا تو یہ خیرخواہانہ کام ان سے کیوں ہوتا-“ (اشاعۃ السنہ، جلد:۵، نمبر:۱، بحوالہ: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات، ص:۴۱۵)

انگریزوں کی حمایت میں تحریک جہاد کے دو علما کے فتوے:

۱- مولانا سید محبوب علی جعفری (۱۷۸۵ء/۱۸۶۴ء) سید احمد رائے بریلوی کے خاص مرید اور ان کی تحریک جہاد کے سرگرم رکن تھے- جماعت مجاہدین میں مولوی محبوب علی کو خصوصی مرتبہ حاصل تھا- سید احمد رائے بریلوی کے زمانے میں سکھوں سے جہاد کے لیے سرحد پر بھی گئے اور پھر لوٹ آئے- مولانا محبوب علی ان چند علما میں شامل ہیں، جنھوں نے کھل کر انگریزوں کا ساتھ دیا اور انقلاب ستاون میں ان کی حمایت میں فتویٰ دیا-

سر سید احمد خاں نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

> ”شاید اس مضمون کے پڑھنے والے اس عجیب بات کے سننے سے بھی

> خوش ہوں کہ مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامۂ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتویٰ پر اپنے دستخط کریں- مگر مولوی محبوب علی نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھی اس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی-‘‘
>
> (ہنٹر پر ہنٹر، ص:۳۲، بحوالہ: برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری کی زبانی، ص:۱۸۷)

اسی بات کو ڈاکٹر ایوب قادری نے بھی یوں ذکر کیا ہے:

> ’’حضرت سید احمد شہید کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کے لیے یاغستان گئے تو وہاں کے شدائد و مصائب کو دیکھ کر گھبرا گئے- مولوی محبوب علی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی فتویٰ جہاد کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا-‘‘
>
> (علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی)، حاشیہ، ص:۲۵۲)

اس انگریز نوازی کے صلے میں مولانا محبوب علی کو انگریزی حکومت نے انعام و اکرام بھی دینا چاہا- معروف مؤرخ سید خورشید مصطفیٰ رضوی نے لکھا ہے:

> ’’مولوی میر محبوب علی: بغاوت کو جہاد کہنے کی مخالفت کی تھی- اس پر انگریزوں نے گیارہ گاؤں انعام دینا چاہا-‘‘
>
> (تاریخ جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون، ص:۳۴۲)

۲- مولوی کرامت علی جونپوری (۱۸۰۰ء/۱۸۷۳ء) بھی سید احمد رائے بریلوی کے مرید و معتقد اور ان کی جماعت کے خاص رکن تھے- غلام رسول مہر نے ان کا تعارف اپنی کتاب ’’جماعت مجاہدین‘‘ میں یوں کرایا ہے:

> ’’اٹھارہ سال کی عمر میں سید صاحب سے بیعت کی اور آپ نے مولوی (کرامت علی) صاحب کو دعوت و تبلیغ پر مقرر فرما دیا۔ پہلے جون پور میں تبلیغ دین اور رد بدعات کا کام انجام دیتے رہے، پھر بنگال چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام وہیں دعوت و تبلیغ میں بسر کیے۔‘‘
>
> (جماعت مجاہدین، ص:۲۸۶)

’’تذکرۂ علمائے ہند‘‘ مؤلفہ مولوی سید رحمان علی کے مرتب ڈاکٹر ایوب قادری (کراچی) نے لکھا ہے کہ:

> ’’(مولوی کرامت علی) سید احمد شہید کے مرید ہوئے، بنگال میں اسلام کی اشاعت کی، مولوی شریعت اللہ کی تحریک کا شدت سے رد کیا۔ انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ دیا۔‘‘
>
> (تذکرۂ علمائے ہند، ص:۳۹۶)

سخن گستری:

مذکورہ تمام تاریخی شواہد و دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کی تحریک اور اس سے وابستہ جماعت مجاہدین نے براہ راست ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں کسی طرح سے حصہ نہیں لیا تھا۔ مؤرخین کے مطابق سرحد کی جماعت بیرونی امداد کے انتظار میں بیٹھی رہی اور ہندوستانی مراکز کو سیاسی اور معاشی مصلحتوں نے پابند سلاسل کر رکھا تھا۔ ان حقائق کی بنیاد پر ہی تحریک کے اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے ’’انقلاب ستاون میں جماعت مجاہدین کی حصہ داری‘‘ کے موضوع سے دامن بچا کر نکل جانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اس سلسلے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایسے تمام مؤرخین تحریک کی اس غفلت کے مداوے کے لیے یہ کہنا اپنا مؤرخانہ فریضہ سمجھتے ہیں کہ انگریزی اقتدار کے خلاف سید احمد رائے بریلوی اور ان کی جماعت کی اولین جد وجہد ہی تحریک آزادی اور انقلاب ستاون کا سبب بنی۔

پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں:

> ’’حقیقت یہ ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے رفقائے کار کے خون سے

آزادی کا پودا ہندوستان میں سینچا گیا-‘‘

(۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص:۱۳۰)

میاں محمد شفیع کا یہ خیال بھی ملاحظہ ہو:

> ’’کون کہتا ہے کہ سید صاحب کی سلگائی ہوئی آگ بجھ گئی یا وہ آخری کوشش سرد ہوکر رہ گئی؟ وہی آگ تھی جس نے ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور ہندؤں کو اغیار کے مقابلے میں لا کھڑا کیا- وہی آگ تھی جس کی زیر خاکستر چنگاریوں نے ہوا کھا کر پھر یوپی کے میدانوں کو گرما دیا- وہی سینوں میں سلگتی ہوئی راکھ تھی، جس نے لندن تک ایوانوں کو ہلا ڈالا-‘‘
>
> (۱۸۵۷ پہلی جنگ آزادی: واقعات وحقائق، ص:۸۰)

اس سخن گستری سے قبل انھیں اس سوال کا جواب بھی ڈھونڈ لینا چاہیے کہ جب سید صاحب کی سلگائی ہوئی یہ آگ براہ راست ان کی جماعت کی سرد نبضوں میں حرارت نہیں پیدا کر سکی اور نہ انقلاب ستاون میں انھیں آمادۂ شرکت کر سکی تو پھر عام ہندوستانی انقلابیوں کے سلسلے میں یہ دعویٰ کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے؟ سچائی یہ ہے کہ تاریخی حقائق میں عقیدت مندانہ فکر ونظر کی آمیزش سے انقلاب ستاون کے جاں بازوں کی قربانیوں کو کسی دوسرے کی جھولی میں نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ تاویلوں کے ذریعے تحریک جہاد اور جماعت مجاہدین کے کردار کو سند جواز فراہم کی جا سکتی ہے-

❑❑❑

ایک اہم اور نایاب مخطوطے کی بازیافت

سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک جہاد کے حوالے سے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں قلمی مخطوطات، معاصر شواہد و دستاویزات اور مطبوعہ کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے- پچھلے ڈیڑھ سو برسوں میں جن سے مؤرخین اور محققین نے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے تعلق سے ہزارہا ہزار صفحات لکھے ہیں- تحریک جہاد کے حوالے سے بیس ویں صدی کے مؤرخین و محققین میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا غلام رسول مہر کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں، جنھوں نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان علیٰ الترتیب دو جلدوں میں گیارہ سو صفحات اور تین جلدوں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر سید احمد اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اپنی زندگی کے برسہا برس ان کی تحقیق و تفتیش میں لگائے ہیں- ان سے پہلے انیس ویں صدی کے نصف آخر کے مؤرخین اور ان کے بعد کے لاتعداد اہل قلم نے بھی گزرے ۶۰/ برسوں میں اجمالی یا تفصیلی سید احمد اور تحریک جہاد کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا- مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے کا اہم ترین معاصر ماخذ ''تَارِیْخُ الْائمّةِ فِیْ ذِکْرِ خُلَفَاءِ الْاُمَّةِ'' ☆ جو سید صاحب کے مرید مولانا سید میر محبوب علی دہلوی کی تالیف ہے، اب تک عمومی طور پر محققین اور مؤرخین کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور نہ اب تک اس کا باضابطہ تعارف سامنے آسکا ہے-

اس میں استثنائی طور پر مولانا ابوالحسن زید فاروقی (ف: ۱۹۹۳ء) ہیں، جنھوں نے ۱۹۸۴ء میں اپنی مختصر کتاب ''مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان'' میں اس قلمی مخطوطے کا ضمنی حیثیت

☆ اس مخطوطے میں درج سید احمد بریلوی اور تحریک جہاد کے تعلق سے تفصیلی متن اور اس کا اردو ترجمہ ''ضمیمہ'' کے تحت اور مخطوطے کے متعلقہ صفحات کا عکس کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں-

سے ذکر کرتے ہوئے اس کے دو یا تین مقامات سے حوالے دیے تھے- سید احمد بریلوی سے عقیدت رکھنے والے اہل قلم نے شعوری طور پر اس ماخذ کو نظر انداز کر دیا، یا پھر تحریک جہاد پر کام کرنے والے محققین کی دسترس سے یہ کتاب باہر رہی-

راقم نے مولانا زید فاروقی کی مذکورہ کتاب کے مطالعے کے بعد اس مخطوطے کی تلاش وجستجو شروع کر دی، جس کے نتیجے میں اس مخطوطے (تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة) میں درج سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے تعلق سے تفصیلی بحث کا متن، اس کا اردو ترجمہ اور اس کا تفصیلی تعارف پیش کرنے کی سعادت مصنف کتاب کے حصے میں آئی- اس مخطوطے کے ذریعے سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے نامعلوم گوشوں کا سراغ ملتا ہے، مؤرخین کے متعدد تسامحات کی اصلاح ہوتی ہے اور سید صاحب سے نظری اختلافات کے زیر اثر مؤرخین نے مولانا محبوب علی کی آسائش پرستانہ اور تحریک مخالفانہ جو شبیہ پیش کی ہے ان کی نفی بھی ہوتی ہے- مخطوطے کے حوالے سے مذکورہ تمام امور کے جائزے سے پہلے صاحب مخطوطہ مولانا محبوب علی سے متعارف ہونا ضروری ہے-

مولانا سید میر محبوب علی:

ابن سید مصاحب علی ابن سید حسن علی دہلی کے معروف عالم دین اور اپنے ہم عصروں میں نمایاں تھے- آپ حسینی سادات سے تھے اور مسلکاً متصلب سنی حنفی تھے- محرم ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء میں دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی- شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے خصوصی تلمذ تھا- آپ کی علمی لیاقت کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اجازت بھی عطا فرمائی - سرسید احمد خاں نے آپ کی علمی وفنی لیاقت اور ذکاوت وذہانت کا بڑا جامع تعارف کرایا ہے:

> ’’جناب مولوی محبوب علی سلمہ اللہ تعالیٰ اجلہ سادات کبار سے ہیں- علم حدیث وفقہ میں اقران وامثال سے بیش جہاں دیدہ وسفر کردہ- تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ کی جناب مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز کے خاندان رفیع الارکان سے کی- ان فنون میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ مسائل جزئیہ مثل لوح محفوظ کے ان کے تختہ حافظہ پر منقوش ہیں-‘‘
>
> (آثار الصنادید، جلد دوم، ص: ۸۶-۸۷)

مولانا کی استحضار علمی اور غیر معمولی فطانت کا ذکر ”وقائع عبدالقادر خانی“ (علم و عمل) میں بھی کیا گیا ہے:

> ”اس خاندان (شاہ عبدالعزیز) کے شاگردوں میں محبوب علی شاہجہاں آبادی ہیں۔ ان کے والد بادشاہ دہلی کے قدیم متوسلوں میں سے ہیں۔ ان (مولانا محبوب علی) کی توجہ زیادہ تر حدیث اور تفسیر پر ہے اور ان کی ہمت حتی المقدور علم کے مطابق عمل میں مصروف ہے۔ ہر معاملے میں ذہن رسا اور فکر درست رکھتے ہیں، طرز مباحثہ اور طریق مناظرہ کو مختصر تقریر میں عمدہ ادا کر دیتے ہیں۔“ (ص:۲۵۲)

مولانا نے تحصیل علم کے بعد درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور مباحثہ و مناظرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کی جولان گاہ بنایا۔ آپ کے معروف تلامذہ میں قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری کا نام نمایاں ہے۔ آپ نے مختلف مذہبی موضوعات پر متعدد کتابیں اور رسائل بھی لکھے تاہم اب تک ان کی طباعت و اشاعت کی اطلاع نہیں مل سکی ہے۔ زیادہ تر کتابیں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد کے رد میں ہے۔ ڈاکٹر ایوب قادری (ف:۱۹۸۳ء) نے اپنے مطبوعہ پی ایچ ڈی کے مقالے ”اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ“ (۱۹۷۸ء) میں لکھا ہے:

> ”جب شاہ اسماعیل دہلوی نے عمل بالحدیث اور دوسرے مسائل آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ کی تبلیغ و اشاعت کی تو مولانا محبوب علی نے اس کی شدید مخالفت کی اور مندرجہ ذیل رسالے لکھے:
>
> ۱۔اختصار الصیانۃ، ۲۔صیانۃ الایمان، ۳۔رسالہ دربیان عدم جواز رفع سبابہ، ۴۔تصویر التنویر فی سنۃ البشیر والنذیر (ردّ تنویر العینین تالیف شاہ اسماعیل) ۵۔رسالہ اوقات نماز پنج گانہ، ۶۔تحریر محبوب بطرز مکتوب۔ اول الذکر چاروں رسالے فارسی زبان میں ہیں☆۔ پہلے تین رسالے

☆ڈاکٹر ایوب قادری نے ”وقائع عبدالقادر خانی“ کی ترتیب جدید میں ذکر کیا ہے: ”(اول الذکر) تینوں رسالے قلمی نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہیں۔“ (حاشیہ، ص:۲۵۲)

> خطی صورت میں ہماری نظروں سے گزرے ہیں- آخری دونوں رسالے اردو زبان میں لکھے گئے ہیں-‘‘
>
> (اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ، ص: ۹۸)

مولانا محبوب کی تصنیفات میں زیر بحث مخطوطہ ’’**تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة**‘‘ کے عدم ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کا یہ قلمی مخطوطہ ڈاکٹر ایوب قادری کے بھی علم میں نہیں تھا- اس مخطوطے کی بازیافت کے بعد آپ کی معلوم تصانیف کی مجموعی تعداد ۷؍ ہو جاتی ہے-

سید احمد رائے بریلوی کے قیام دہلی کے زمانے میں مولانا ان سے بیعت ہوئے اور سید صاحب کی تحریک جہاد میں سرگرم حصہ لیا، سکھوں کے خلاف عملی جہاد میں حصہ لینے کے لیے یاغستان (سرحد) گئے مگر جہاد کے تعلق سے سید صاحب سے نظری اختلافات کی وجہ سے بددل ہو کر واپس آ گئے- (تفصیل آگے آ رہی ہے)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ نے فتویٔ جہاد کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا اور اس جنگ سے الگ تھلگ رہے- سرسید لکھتے ہیں:

> ’’مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامۂ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتویٰ پر اپنے دستخط کریں- مگر مولوی محبوب علی نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھی اس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی-‘‘
>
> (ہنٹر پر ہنٹر، ص: ۳۲، بحوالہ: برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری کی زبانی، ص: ۱۸۷)

۱۸۵۷ء کے بعد کچھ دنوں بھوپال میں رہے- حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف

ہوئے۔ آپ کا انتقال ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ہوا اور دہلی میں ہی مدفون ہوئے۔

متن مخطوطہ کا پس منظر:

مولانا سید محبوب علی سید احمد رائے بریلوی سے بیعت ہوئے اور جب سید صاحب نے تحریک جہاد کا آغاز کیا تو اس تحریک کے سرگرم معاون بن گئے۔ سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے جب سید صاحب اپنے مریدین و متعلقین کے ساتھ ۷؍جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ/ ۱۷؍جنوری ۱۸۲۶ء کو سرحد چلے گئے تو مولانا محبوب نے دہلی میں جہاد اور ہجرت کی دعوت جاری رکھی، یہاں تک کہ آپ بھی چار سو افراد پر مشتمل ایک قافلے کو لے کر ۱۷؍شعبان ۱۲۴۲ھ/ ۱۶؍مارچ ۱۸۲۷ء کو جہاد کی غرض سے دہلی سے سرحد کے لیے نکلے اور ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ/ جون ۱۸۲۷ء کو پشاور کے قریب کنڈہ پہنچ گئے۔

سرحد پہنچنے کے بعد مسلسل ۶؍ماہ تک مولانا نے جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ مگر جہاد کے معاملات میں سید صاحب کی غلط پالیسی، اپنی امامت وخلافت کو تمام مسلمانوں سے جبراً منوانے کی ضد، ان کو خلیفہ اور امام جہاد تسلیم نہ کرنے والوں کے قتل عام کا فیصلہ، کاروبار جہاد کو مشاورت کی بجائے الہامات اور مکاشفات غیبی کے ذریعے چلانے پر ارتکاز، امور جہاد پر من جانب اللہ اپنی ماموریت کا مسلسل اعلان اور اپنی خاموش اطاعت کی چاہت، جن کے نتیجے میں سرحدی رؤسا، علما، خوانین اور عام مسلمانوں سے اختلافات و جنگ نے مولانا محبوب کو بددل کر دیا۔ سید صاحب کے ان معاملات کی وجہ سے جہاد کے اصل کاز کو نقصان پہنچ رہا تھا اور ہندوستانی مجاہدین سکھوں سے جہاد کی بجائے سرحدی مسلمانوں سے مصروف پیکار تھے۔ یہ دیکھ کر مولانا نے بارہا سید صاحب سے ان معاملات پر نظر ثانی کی درخواست کی، جو ہر بار مسترد کر دی گئی اور انھیں خاموش اطاعت کی تلقین کی جانے لگی۔

مولانا نے دیکھا کہ سید صاحب اپنے مذکورہ امور و معاملات اور پالیسی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہیں تو انھوں نے خوف فساد خلق کے پیش نظر تحریک جہاد سے الگ ہو جانا ہی مناسب سمجھا، کیوں کہ وہ بہر حال سید احمد اور ان کی تحریک کے بہی خواہ تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے تحریک کو نقصان پہنچے۔ تحریک سے الگ ہونا ان کی نظریاتی اور اصولی مجبوری تھی، اس

لیے سید صاحب سے اجازت لے کر وہ ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ھ/ ۲۹/ دسمبر ۱۸۲۷ء کو سرحد سے ہندوستان واپسی کے لیے نکل گئے۔

۵/ شعبان ۱۲۴۳ھ/ ۲۱/ فروری ۱۸۲۸ء کو دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچ کر انھیں سید صاحب کے غالی معتقدین اور شر پسند عناصر کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ مہینوں کے بعد مولانا نے اسلام کے خلفا اور ائمہ کے تاریخی حالات و واقعات پر مشتمل کتاب لکھنے کا آغاز کیا اور اس طرح "**تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة**" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب معرض وجود میں آئی۔ چوں کہ سید صاحب نے بھی اپنی خلافت و امامت کا دعویٰ کیا تھا، تحریک جہاد سے وابستہ ان کے عقیدت مند مریدین نے ان کو ان حیثیتوں سے تسلیم بھی کیا تھا، اس لیے اس کتاب میں خصوصی طور پر سید صاحب اور ان کی تحریک جہاد کے چشم دید احوال کو مصنف کتاب نے تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔

مخطوطے کا تعارف:

مولانا سید محبوب علی نے "**تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة**" عربی زبان میں یکم محرم ۱۲۴۴ھ/ جولائی ۱۸۲۸ء کو لکھنے کی ابتدا کی اور ۱۱/ رمضان ۱۲۵۱ھ/ یکم جنوری ۱۸۳۶ء کو مکمل کی۔ یہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ ہے جو بڑی تقطیع میں ۴۶۴/ ورق (۹۲۸ صفحات) پر مشتمل ہے۔ عموماً ہر صفحے میں ۱۷/ یا ۱۸/ سطریں ہیں، کسی کسی صفحے میں ان سے کم یا زیادہ بھی ہیں۔ مذکورہ مخطوطے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

> **تم الکتاب بعون الملک الوهاب فی باکورة الجمعة الحادیة عشر من رمضان المبارک سنة احدی و خمسین و مأتین والف بخط المؤلف محبوب بن مصاحب ابن السید حسن علی خان الحسینی الجعفری حنفی المذهب.** (ص:۹۲۷)
>
> یہ کتاب اللہ کریم کے فضل و کرم سے ۱۱/ رمضان ۱۲۵۱ھ بروز جمعہ تکمیل کو پہنچی اور مؤلف محبوب بن مصاحب بن سید حسن علی خاں حسینی جعفری حنفی کے قلم سے مکمل ہوئی۔

ترقیمے میں مقام کتابت کا کوئی ذکر نہیں ہے تاہم اغلب یہ ہے کہ دہلی میں ہی یہ کتاب مکمل

ہوئی ہے۔ اس کی کتابت جلی قلم سے کی گئی ہے اور مصنف کا رسم الخط بھی صاف اور عمدہ ہے۔ اس نسخے کی کتابت کو ۱۷۷؍ برس گزر چکے ہیں، پھر بھی اس کی قراءت میں بہت زیادہ دشواری نہیں ہوتی ہے، مگر اپنی قدامت کی وجہ سے اس کے اوراق کافی بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

مصنف نے کتاب کے آغاز میں ہی اختصار کے ساتھ اس کے مشمولات اور لکھنے کی غرض و غایت کو بیان کر دیا ہے:

> **فهذا تاريخ الائمة فى ذكر خلفاءِ الامةاذكر فيه ما جاء من وقائع خلفاء اللّٰه فى الارضيين وما فعل بهم اعداء هم من المنكرين اريد بذالک تذكير الناس بايام اللّٰه وتاليف قلوبهم الىٰ انعام اللّٰه.** (ص:۲)
>
> یہ ''تاریخ الائمہ فی ذکر خلفاء الامہ'' ہے۔ میں اس کے اندر روئے زمین پر اللہ کے خلفا کے حالات اور ان کے ساتھ ان کے دشمن منکرین کی کارستانیوں کا ذکر کروں گا۔ اس سے میرا مقصد لوگوں کو ایام اللہ کی یاد دہانی کرانا اور انعام خداوندی کی طرف ان کے قلوب کو مائل کرنا ہے۔

چنانچہ تاریخ اسلام میں جتنے بھی خلفا اور ائمہ گزرے ہیں ان کے حالات اور واقعات کو اختصار کے ساتھ اس کتاب میں سمیٹنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ سید احمد رائے بریلوی نے سرحد پہنچنے کے بعد اپنی امامت اور خلافت کا اعلان کیا تھا اور وہاں موجود تحریک جہاد سے وابستہ رؤسا، علما اور عام مسلمانوں سے بیعت بھی لی گئی تھی۔ اس لیے کتاب کے موضوع سے مناسبت کی وجہ سے مصنف نے سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے آنکھوں دیکھے احوال کو من و عن شامل کتاب کر دیا ہے۔ یہ بحث کتاب کے ورق نمبر ۴۴۴؍ (صفحہ نمبر ۸۸۸) سے شروع ہو کر ورق نمبر ۴۵۲؍ (صفحہ نمبر ۹۰۴) پر ختم ہوتی ہے، جس میں مصنف نے جہاد کے لیے اپنے یاغستان (سرحد) پہنچنے کا حال، سید صاحب سے اپنے اختلافات کے اسباب، جہاد کے امور و معاملات پر سید صاحب کی غلط پالیسی، سرحدی رؤسا اور مسلمانوں کے ساتھ غلط رویہ اور پھر سرحد سے ہندوستان اپنی واپسی کی روداد کو بیان کیا ہے، نیز دہلی پہنچنے کے بعد

سید صاحب کے غالی مریدین اور شر پسند عناصر کی زیادتیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہ نایاب مخطوطہ سینٹرل لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے، جس کا نمبر ۵۵۵/ ہے اور اس کی نقل کا اب تک پتہ نہیں چل سکا ہے۔

بنیادی مآخذ سے متن مخطوطہ کی تائید:

مولانا محبوب علی نے اپنی مذکورہ کتاب (مخطوطہ) میں سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے حوالے سے جو کچھ بھی اپنے چشم دید احوال لکھے ہیں، ان کی حیثیت انکشافات کی ہے، کیوں کہ اب تک مؤرخین نے سید صاحب کے مولانا سے اختلافات کی جو تفصیل لکھی ہے وہ ان سے بالکل مختلف ہے۔ ایسی صورت میں مولانا کی پیش کردہ روداد کی ثقاہت شک وشبہات کے دائرے میں آجاتی ہے کہ وہ سید صاحب سے اپنی مخالفت کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے غلط بیانی کر سکتے ہیں۔ اس لیے تحقیقی دیانت کے پیش نظر جب ہم نے مولانا کی فراہم کردہ روداد کا تقابل تحریک کے اہم اور بنیادی مآخذ ومراجع میں ذکر کردہ واقعات وتفصیلات سے کیا تو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ مولانا کے اکثر وبیشتر بیانات کی تائید وتوثیق اُن سے ہو جاتی ہے۔ تحریک جہاد کے تعلق سے مولانا کے ذکر کردہ بیانات پر تحریک کے معاصر مراجع اور مآخذ سے یہاں شواہد پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ان کی ثقاہت کا تعین ہو سکے۔

- مولانا محبوب علی نے اپنی روداد میں تین باتوں کا ذکر کیا ہے:

۱- جب وہ اپنے قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے تو کنڈہ میں مقیم رہے۔
۲- اس وقت سید صاحب پنجتار میں تھے، وہاں سے مولانا محبوب بھی پنجتار آگئے۔
۳- اس زمانے میں شاہ اسماعیل محمد مقیم رام پوری کے ہمراہ پکھلی میں تھے۔

گو کہ مذکورہ تینوں باتیں اس روداد میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہیں، تاہم پھر بھی ان تینوں باتوں کی توثیق تحریک کے بنیادی مآخذ سے یوں ہوتی ہے:

''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' میں لکھا ہے:

> ''مولوی سید محبوب علی با قافلہ کلاں وعقب ایشاں قوافل از ہندوستان رفتند در مقام کنڈہ۔'' (قلمی مخطوطہ، ورق: ۱۱۷)

اپنے بڑے قافلے کے ساتھ مولوی سید محبوب علی اوران کے پیچھے ہندوستان سے آنے والے دیگر قافلے بھی کنڈہ پہنچے۔

اسی میں ہے:

’’مولوی محمد اسماعیل درآں زمان درلشکر اسلام نبودند برائے ضرورتے بسمت درہ پکھلی رفتہ بودند۔‘‘ (قلمی مخطوطہ، ورق: ۱۲۰)

مولوی محمد اسماعیل اس زمانے میں لشکر اسلام کے ساتھ (پنجتار میں) نہیں تھے، بلکہ کسی ضرورت سے پکھلی چلے گئے تھے۔

’’سیرت سید احمد شہید‘‘ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے:

’’مولوی صاحب (محبوب علی) اُس انتظام کے مطابق جس کا اہتمام خود سید صاحب نے کیا تھا، پنجتار کے مرکز میں تشریف لائے۔‘‘

(جلد: دوم، ص: ۷۴)

- ● مولانا محبوب علی نے اپنی کتاب ’’تاریخ الائمہ‘‘ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وہ تحریک جہاد اور سید صاحب سے الگ ہونے کے بعد سرحد سے لوٹ کر اپنے وطن دہلی گئے تو:

’’مجاہدوں کے قافلہ سالار شاہ اسماعیل دہلوی نے پنجتار کے اطراف سے جہان آباد (دہلی) کے لوگوں کو خط لکھا جس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ تمام مسلمانوں پر سید احمد رحمہ اللہ کی اطاعت ثابت ہے اور جو ملک میں ان کی بیعت امامت سے انکار کرے اس کا قتل جائز ہے ——— جو لوگ علاقہ یوسف زئی میں مقیم امیر المومنین سید احمد سے (مخالفت کرتے ہوئے) لوٹے ہیں، جہاں ملیں، ان کی تذلیل اوران کا قتل جائز ہے۔‘‘

(ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص: ۸۹۲)

اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ شاہ اسماعیل نے یہ خط کس کے نام لکھا تھا، اس لیے متعینہ طور پر مذکورہ خط کے مکتوب الیہ کی نشاندہی نہیں ہوسکی ہے، تاہم سید صاحب کی اطاعت وامامت قبول نہ کرنے والوں کے سلسلے میں شاہ اسماعیل کے مذکورہ موقف کی تائید ان ہی کے متعدد خطوط اور عملی

رویے سے ہوتی ہے۔ اس لیے مولانا کا یہ بیان شک وشبہے سے بالاتر ہے۔ شاہ اسماعیل اپنے ایک مکتوب میں میر شاہ علی کو لکھتے ہیں:

> ’’اطاعت آں جناب بر کافۂ مسلمین واجب گردید، ہر کہ امامت آں جناب ابتداً قبول نہ کند یا بعد القبول انکار نماید، پس ہموں است باغی مستحل الدم کہ قتل او مثل قتل کفار عین جہاد است وہتک او مثل ہتک اہل فساد عین مرضی رب العباد۔ چہ امثال ایں شخص بحکم احادیث متواترہ از جملہ کلاب النار و ملعونین شرار اند۔ ایں است مذہب ایں ضعیف دریں مقدمہ پس جواب اعتراضات معترضین نزد ایں ضعیف ہمیں ضربت بالسیف است۔‘‘
>
> (مکاتیب سید احمد شہید، مخطوطہ عکسی ایڈیشن، ورق: ۷۵)
>
> آں جناب (سید احمد رائے بریلوی) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوگئی۔ جس کسی نے آں جناب کی امامت ابتداً قبول نہیں کی یا قبول کرنے کے بعد انکار کیا تو وہ باغی ہے، جس کا خون حلال ہے اور جس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد ہے اور اس کی ہلاکت تمام اہل فساد کی ہلاکت کہ یہی اللہ کی مرضی ہے۔ چوں کہ ایسے اشخاص کی مثال حدیث متواترہ کے موجب جہنم کے کتوں اور ملعون شریروں جیسے ہے۔ یہ اس ضعیف (اسماعیل) کا مذہب ہے، پس اس ضعیف کے نزدیک اعتراض کرنے والوں کے اعتراض کا جواب تلوار کی ضرب ہے۔

اسی طرح شاہ اسماعیل نے ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۶ھ کو سید صاحب کو ایک مفصل خط لکھا کہ وہ سرحدی رؤسا، علما اور مسلمان جو ان کی اطاعت قبول نہیں کرتے ان کے قتل عام اور ان کے اموال کے مباح ہونے کا اعلان کیا جائے اور سید صاحب کو مشورہ دیا کہ اس اعلان کی بنیاد اُس فتوے کو بنائیں جو اہل ہند کو تباہ کرنے کے لیے امیر تیمور نے علمائے بلخ، اصفہان اور ماوراء النہر سے لیا تھا۔ شاہ اسماعیل نے اپنے اس خط میں امیر تیمور کے استفتا اور علما کے جواب کو بھی نقل کیا ہے۔ یہ تفصیلی خط، اس میں شامل استفتا اور جواب ’’مکاتیب سید احمد شہید‘‘ کے ورق نمبر ۱۲۴/ سے

۱۲۸؍ تک تقریباً ۱۰۱؍ صفحات پر پھیلا ہوا ہے- مذکورہ خط میں شاہ اسماعیل کی حسب ذیل عبارت توجہ طلب ہے:

> ”ہر مملکتے کہ مشتمل بریں مفاسد باشد لشکر کشی برآں مملکت امام را جائز است و زیروزبر کردن آں مملکت موجب ثواب، چنانچہ امیر تیمور درباب قتال باہل ہندوستان ہمیں استفتا نمودہ بود، وعلمائے کبار کہ حضار آں زمان بودند فتوی دادہ اند، چنانچہ استفتائے مسطور مع اسامی علمائے مجیبن و مع حوالہ نقل آں بر کتاب معتبر بخدمت سامی می رسد، اما درآں تامل باید فرمود کہ بعضے ازاں رسوم کہ در استفتائے مذکور اند اگر بخصوصہا در ممالک پشاور متحقق نباشد، فاما اگر بعضے ازاں بعینہا متحقق باشد وبعضے دیگر از رسوم جاہلیت در عوض آں رسوم مفقودہ موجود باشد، پس آں ہم در ثبوت حکم مذکور کافی است، چہ مدار حکم خصوصیت رسوم مذکورہ نیست بلکہ مدار آں انتشار مطلق ظلم وفسق واشتہار مطلق رسوم جاہلیت است خواہ عین آں رسوم مذکورہ باشد خواہ مثل آں-“ (مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۲۴-۱۲۵)

ہر وہ ملک جس میں ایسے مفاسد پائے جائیں اس پر لشکر کشی، امام کو جائز ہے اور اُس مملکت کو تباہ کرنا موجب ثواب، چنانچہ امیر تیمور نے ہندوستان کی لڑائی میں ایسا ہی فتویٰ لیا تھا اور بڑے بڑے علما جو اس زمانے میں موجود تھے، نے فتویٰ دیا تھا، چنانچہ وہ استفتا ان علما کے ناموں اور نقل حوالہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے، لیکن اس میں تامل کرنا چاہیے کہ اس استفتا میں مذکور بعض رسمیں بالخصوص ممالک پشاور میں نہیں پائی جاتیں- پس اگر ان میں سے بعض ویسی ہی پائی جائیں اور جاہلیت کی بعض دوسری رسوم ان مفقود رسموں کے عوض پائی جاتی ہیں تو وہ بھی اس حکم مذکور کے لیے کافی ہیں، کیوں کہ یہ حکم صرف ان ہی مخصوص رسموں میں نہیں ہے بلکہ اس کا مدار ظلم وفسق کی مطلق اشاعت اور جاہلی رسموں

> کے مطلق اشتہار کے لیے ہے، خواہ وہ رسم بعینہ موجود ہو یا اس کی طرح کوئی اور رسم ہو۔

سید احمد کی امامت و اطاعت قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ شاہ اسماعیل اور خود سید صاحب کا عملاً بھی یہی سخت گیر رویہ رہا۔

سید مراد علی علی گڑھی ''تاریخ تناولیاں'' (۱۸۷۵ء) میں لکھتے ہیں:

> ''فتح خان رئیس پنجتار و دیگر سرداران و رئیسان ملک اور سر بلند خان قوم پلال جوق در جوق پیرو بیعت خلیفہ (سید احمد) ہو کر مقام پنجتار میں فراہم تھے، الا سردار پائندہ خان نے خلیفہ (سید احمد) کی بیعت نہ کی لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا، آخر بہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل بمقام موضع عشراہ پائندہ خان سے ملاقی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب زبانی و شیریں بیانی سے قصہ بیعت کا چھیڑا مگر سردار موصوف نے سوائے لیت و لعل جواب صاف نہ دیا، ناچار خلیفہ مع مولوی محمد اسماعیل واپس پنجتار میں آیا ــــــــــ القصہ پھر تو خلیفہ (سید احمد) نے نسبت پائندہ خان فتویٰ کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان برہمونی سر بلند خان و مدد خان عزم جنگ پائندہ خان پر مستعد ہوا۔''
>
> (تاریخ تناولیاں، ص: ۴۹-۵۰)

اسی طرح خادی خاں رئیس ہنڈ نے پہلے سید صاحب کی امامت و اطاعت پر بیعت کی، مگر جلد ہی ان سے بدظن ہو کر ان کی امامت و اطاعت سے دست بردار ہو گیا، جس کے نتیجے میں سید صاحب نے اسے سبق سکھانے کی ٹھانی۔ مولوی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

> ''باتفاق رائے جملہ علما و رؤسا یہ فتویٰ شرعی تیار ہوا کہ اس منافق اور باغی کو سب سے پہلے سبق دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور پھر کوئی مدعی اسلام ایسی حرکت کرنے پر جرأت نہ کرے، اس فتوے سے ایسے منافق اور باغی کا قتل اور غارت مال جائز بلکہ واجب ٹھہرایا گیا۔ اس تجویز کے

> بعد ایک لشکر اسلام اس منافق کی تعذیر اور تادیب کے واسطے تیار ہوا، امیر اس لشکر کے شیر خدا مولوی محمد اسماعیل غازی مقرر ہوئے۔‘‘
>
> (سوانح احمدی، ص:۱۱۲)

چنانچہ شاہ اسماعیل نے قلعہ ہنڈ پر حملہ بول دیا اور خادی خاں کو قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ بیعت امامت واطاعت سے روگردانی کے جرم میں شاہ اسماعیل نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی انکار کر دیا۔ جعفر تھانیسری مزید لکھتے ہیں:

> ’’مولانا (اسماعیل) نے اُس منافق کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے انکار کیا، مگر ملکی ملانوں (علما) نے بطمع دنیا بوقت شب اس پر نماز پڑھ کر چپکے سے اس کو دفن کر دیا۔ خادی خاں کے مرنے کے بعد اس ملک میں مجاہدین کی مخالفت روز بروز بڑھنے لگی۔‘‘ (ایضاً)

خلاصہ یہ کہ سید صاحب کی اطاعت وامامت قبول نہ کرنے والوں کے سلسلے میں شاہ اسماعیل کا سخت گیر رویہ مولانا محبوب کے بیان کا صد فی صد مؤید ہے۔ مولانا محبوب کے ذریعے شاہ اسماعیل کے مذکورہ خط کا حوالہ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے بھی دیا ہے:

> ’’اس قضیہ (مولانا محبوب) میں مزید نزاکت یوں پیدا ہوگئی تھی کہ شاہ اسماعیل نے سرحد سے ایک خط لکھ کر دہلی بھیج دیا۔‘‘
>
> (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص:۶۵)

● مولانا سید محبوب علی نے اپنی روداد میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

> ’’رؤسائے پیشاور یار محمد خان درانی اور اس کے بھائی سید صاحب کے مخالف تھے۔ سید صاحب ان لوگوں سے مصالحت کی بجائے مقاتلہ (جنگ) کرنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کی ان دونوں جماعتوں (سید احمد رائے بریلوی اور یار محمد خاں کی جماعتوں) کے درمیان مجھے فتنے کا خوف محسوس ہوا۔‘‘ (ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص:۸۸۹)

رؤسائے پشاور اور سرحدی مسلمانوں سے سید صاحب کے جنگ کرنے اور انھیں ختم کرنے

کے عجلت پسندانہ فیصلے پر مولانا محبوب کی سید صاحب سے بحث ہوئی، جس میں اسی بات کو یوں دہرایا گیا ہے:

> میں نے ان (سید احمد) سے کہا:
>
> آپ عجلت کر رہے ہیں، مگر اس معاملے میں عجلت مناسب نہیں۔ بہتر ہوگا اگر آپ مجھ کو اپنا وکیل بنا کر پشاور کے رئیسوں کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کو لکھ دیں کہ وہ لوگوں کو آپ کی اطاعت سے منع نہ کریں اور آپ کے پاس آنے والے مجاہدوں کا راستہ وہ لوگ نہ روکیں۔
>
> سید صاحب نے کہا:
>
> میرے نزدیک یہ صورت مناسب نہیں ہے کیوں کہ یار محمد (رئیس پشاور) کے دل میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہے، وہ تم کو قتل کر دے گا۔
>
> میں نے سید صاحب سے کہا:
>
> اگر اس نے مجھ کو قتل کر دیا تو اس کے خلاف آپ کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے گا۔ بلا سوال و جواب آپ کا ان سے قتال کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ لوگ آپ کی آمد سے پہلے کے یہاں کے حکام ہیں۔ یہ سن کر سید صاحب خاموش رہے۔

مولانا محبوب کے اس بیان کی تائید خود سید صاحب کے متعدد خطوط سے ہوتی ہے۔ سید صاحب انھیں منافق اور باغی سمجھ کر تہ تیغ کر دینا چاہتے تھے، چنانچہ رئیس قلات خان خاناں غلجان ہوتکی کے نام اپنے خط میں سید صاحب لکھتے ہیں:

> ’’ہر چند ایں معنی اقصاے مقاصد قلبی است لیکن اگر عنان ظفر تو امان بآں سمت منعطف گردد منافقین مفسدین فتنہ و فساد برپا خواہند نمود پس اصلح وانسب چناں می نماید کہ اولا دربارۂ استیصال منافقین بدمآل سعی بلیغ بجا آوردہ شود ہرگاہ قرب و جوار آں جناب از آثار منافقین بدکردار پاک گردد باز بجمعیت خاطر و اطمینان قلب بسر انجام دادن اصل مقصود متوجہ

> توانند شد پس مصلحت وقت ہمیں کہ نخستیں در ازالہ فساد منافقین حد بلیغ بجا آرند۔'' (مکاتیب سید احمد شہید، ورق:۱۶-۱۷)

> اگر چہ یہ کام (سکھوں کی سرکوبی) میرا سب سے اہم مقصد ہے، لیکن اگر ہماری توجہ اس طرف ہوگئی تو فتنہ پرور منافقین (سرحدی مسلمان) فتنہ و فساد برپا کردیں گے، لہٰذا زیادہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ پہلے بدانجام منافقوں (سرحدی مسلمانوں) کے استیصال کے لیے مکمل کوشش کی جائے، جب آں جناب کا قرب و جوار بدکردار منافقین کے آثار سے پاک ہوجائے گا پھر پوری دل جمعی اور اطمینان خاطر کے ساتھ اصل مقصد کی انجام دہی میں متوجہ ہوں۔ لہٰذا مصلحت وقت یہی ہے کہ پہلے منافقین (سرحدی مسلمانوں) کے فساد کے ازالے کے لیے پوری کوشش کریں۔

اس کے بعد سید صاحب سرحد کے ان مسلمانوں اور رؤسا کو ختم کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں جو ان کی بیعت امامت اور اطاعت کو تسلیم نہیں کرتے۔

> خود آں جناب درنواحی غزنیں مقابلہ منافقین بطریق چپاؤ آغاز فرمایند وبعضے راز ہمراہیان جمع کثیر از الوس وقشون بنواحی کابل تعیین فرمایند تا ایشاں ہم بطور شب خون بر منافقین آں مقام تاخت نمایند وایں جانب ازیں سو متوجہ بر منافقین پشاور شود و بعد از تصفیہ آں مقام از الواث منافقین بدانجام بجلال آباد برسد ہم چنیں از آں جا بکابل فائز گردد تا منافقین مطرودین کہ از پشاور تا قندہار منتشر اند بوجہے متزلزل شوند کہ ہر کس بحال خود گرفتار بود و بے دست و پا گردیدہ اعانت ہم دیگر نتوانند کرد و اتفاق و اجتماع آنہا متعذر گردد۔'' (ایضاً، ورق:۱۷)

> آں جناب اچانک غزنی کے اطراف میں منافقوں سے مقابلے کا آغاز فرمائیں اور الوس وقشون کے اپنے ہمراہیوں کے ایک بڑے جتھے کو کابل کے علاقے میں متعین فرمادیں تا کہ یہ لوگ اس مقام کے منافقین پر شب

> خون ماریں اور اِس طرف فقیر پشاور کے منافقین کی طرف متوجہ ہے اور بدانجام منافقین کی آلودگیوں سے اس مقام کو صاف کرنے کے بعد جلال آباد پہنچے گا اور اسی طرح وہاں سے کابل جائے گا تاکہ مردود منافقین جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں پوری طرح منتشر ہو جائیں کہ جو شخص اپنے بلا میں گرفتار بے دست و پا ہوگا وہ دوسرے کے ساتھ اعانت نہیں کر سکے گا اور ان کا اتحاد و اتفاق ناممکن ہو جائے گا۔

اسی طرح شہزادہ کامران کے نام اپنے خط میں سید صاحب لکھتے ہیں:

> ’’کافہ مجاہدین را بگوشمالی منافقین ترغیب نمود چنانچہ عنقریب بسر انجام دادن ایں مہم عظیم بحول وقوت رب کریم متوجہ می گردد۔‘‘
>
> (ایضاً، ورق: ۲۰)
>
> میں نے تمام مجاہدین کو منافقین (سرحدی مسلمانوں) کی گوشمالی کی ترغیب دی، چنانچہ رب کریم کی طاقت و نصرت سے اس عظیم مہم کو سر کرنے کے لیے متوجہ ہوں گا۔

سید صاحب اور شاہ اسماعیل کے انہی عزائم کا نتیجہ تھا کہ سرحد پر ان دونوں کے ساڑھے چار سالہ قیام میں چھوٹی بڑی تقریباً ۱۵ رجنگیں اور شب خونی معرکے ہوئے، جن میں سے صرف ۵ رخالص سکھوں سے ہوئے، بقیہ ۹ رجنگیں سرحدی مسلمانوں سے ہوئیں، جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بڑی بے دردی سے بہا۔

● مولانا محبوب علی نے اپنی روداد میں اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

> ’’میں نے دیکھا کہ وہاں کاموں کی بنیاد مشاورت کی بجائے غیبی الہام پر ہے، جب کہ شرعی طور پر جہاد کے واسطے مسلمانوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ مشورے پر اس کا مدار ہو۔‘‘ (ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص: ۸۸۹)

مولانا کے اس بیان کی تائید بھی سید صاحب کے متعدد خطوط سے ہوتی ہے۔ سید صاحب رئیس پشاور سردار یار محمد خاں کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

’’زیرا کہ فقیر دریں باب باشارات غیبی ماموراست و بہ بشارت لاریبی مبشر ہرگز ہرگز شعبہ وسوسہ شیطانی و شائبہ ہوائے نفس بایں الہام رحمانی ممزوج نیست۔‘‘ (مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴)

فقیر اس سلسلے (جہاد) میں اشارۂ غیبی سے مامور ہے اور اسے ایسی بشارتیں ملی ہیں جن میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس الہام رحمانی کے ساتھ شیطانی وسوسے اور ہوائے نفس کے شائبے کا اختلاط ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

فقیر محمد خاں (لکھنؤ) کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

’’اما بیان الہام پس ایں فقیر از پردہ غیب باشارات ربانی باستیصال کفار ماموراست واز مکمن لاریب بہ بشارت رحمانی بہ غلبہ مجاہدین ابرار مبشر۔‘‘

(ایضاً، ورق: ۱۵)

رہا الہام کا بیان تو یہ فقیر پردۂ غیب سے اشارۂ خداوندی سے کفار کے خاتمے کے لیے مامور ہے۔ غیر مشکوک پردۂ غیب سے نیک مجاہدین کے غلبے کے لیے اسے خدائی بشارتیں حاصل ہیں۔

اسی طرح شاہزادہ کامران کو لکھتے ہیں:

’’ایں جانب از پردہ غیب و مکمن لاریب باشارات اقامت جہاد وازالہ کفر وفساد ماموراست و بہ بشارات فتح وظفر مبشر چنانچہ بکرات ومرات بکلام روحانی والہام ربانی بریں لطف رحمانی مطلع گردیدہ۔‘‘

(ایضاً، ورق: ۱۹)

فقیر پردۂ غیب سے اشارات کے ذریعے اقامت جہاد اور کفر وفساد کے ازالے کے لیے مامور ہے اور اسے فتح وظفر کی بشارتیں دی گئی ہیں، چنانچہ بارہا روحانی کلام اور ربانی الہام کے ذریعے اس عنایت خداوندی سے آگاہ کیا گیا ہے۔

مولانا محبوب نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ سید صاحب کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ

کاروبار جہاد کو اپنے الہامات کی بجائے مشورے سے چلائیں، سرحد کے رؤسا اور مسلمانوں سے جنگ نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ میں امیر المومنین اور زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوں اور میری اطاعت تمام لوگوں پر واجب ہے، کیوں کہ یہ باتیں یہاں کے رئیسوں اور سمجھ داروں کو وحشت میں ڈالتی ہیں- اس پر سید صاحب نے کہا:

> ’’جس کام کو میں نے سنوارا ہے تم اس کو بگاڑ رہے ہو، تمہاری اطاعت خاموشی کے ساتھ سننے کی ہونی چاہیے، ایسی خاموشی جیسی اس پہاڑ کی ہے جو میرے سامنے کھڑا ہے-
>
> میں نے کہا: یہ بات مجھ جیسے شخص سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان امور میں مسلمانوں کو صحیح مشورہ نہ دینا میرے نزدیک حرام ہے، اب جب کہ مجھ کو آپ خاموش رکھنا چاہتے ہیں اور میں خاموش نہیں رہ سکتا-‘‘
>
> (ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص: ۸۹۷)

سید صاحب کے اس رویے (اپنی خاموش اطاعت کی چاہت اور سوال و جواب سے بیزاری) کی تائید بھی ان کے متعدد خطوط سے ہوتی ہے- وہ ہمیشہ اسی بات کے طالب رہے کہ تمام لوگ مکمل خود سپردگی کے ساتھ ان کی اطاعت کریں اور ان کے کسی بھی فیصلے پر معترض نہ ہوں ——— رئیس پشاور یار محمد خاں نے جب سید صاحب سے ان کے الہامات پر سوالات کیے اور یہ بھی پوچھا کہ اگر آپ الہامات اور غیبی اشارات کا حوالہ دے کر جہاد کے معاملات کو چلا رہے ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کب کیا کیا ہوگا؟ اس پر سید صاحب لکھتے ہیں:

> ’’بالجملہ از گفتگوے چوں و چرا بیزاریم و از مایدہ اطاعت محض ذلہ بردار **والسلام علی من اتبع الهدی واجتنب عن اتباع النفس والهوی.**‘‘ (مکاتیب سید احمد شہید، ورق: ۱۴)
>
> بالجملہ چوں و چرا (کیوں اور کیسے) کی گفتگو سے ہم بیزار ہیں اور خوان اطاعت کے خوشہ چیں ہیں- **والسلام علی من اتبع الهدی واجتنب عن اتباع النفس والهوی** (اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور

اتباع نفس سے بیزار رہا)

خط کے اس جملے سے نہ صرف مولانا محبوب کی مذکورہ بیان کی توثیق ہوتی ہے بلکہ سید صاحب کے مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے-سید صاحب کے اس رویے کے مظاہر ان کے متعدد خطوط میں نظر آتے ہیں-

● مولانا محبوب علی نے اپنی روداد میں لکھا ہے کہ ۷/محرم ۱۲۴۳ھ کو سید صاحب نے ارباب فیض اللہ خاں کو خط لکھا، جس میں سرحدی مسلمانوں کو جو سید صاحب کی اطاعت سے بیزار تھے، تہ تیغ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا-مولانا نے غالباً اپنی یادداشت سے خط کا متن بھی نقل کیا ہے-پچھلی سطور میں بھی سید صاحب کے اس ارادے کا اظہار ان کے متعدد خطوط کے ذریعے ہوا ہے، تاہم الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ارباب فیض اللہ خاں کے نام بعینہ مذکورہ تاریخ اور مفہوم کا خط ’’مکاتیب سید احمد شہید‘‘ کے ورق نمبر ۳۰/ پر موجود ہے-

● مولانا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

> ’’میں سید مرحوم کو خط لکھ چکا تھا کہ رؤسا کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کو دور کریں یا جلد پشاور کے اطراف میں تشریف لائیں-جس کے جواب میں انھوں نے مجھے لکھا کہ میں لوگوں کی اصلاح کروں اور علاقۂ آفریدہ کے لوگوں سے (ان کی امامت وخلافت) پر بیعت لوں-‘‘
>
> (ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص: ۸۹۵)

مولانا محبوب کے نام سید صاحب کا ذکر کردہ خط بھی ’’مکاتیب سید احمد شہید‘‘ کے ورق نمبر ۹۳/ پر موجود ہے، جسے ۱۴/محرم ۱۲۴۳ھ کو لکھا گیا ہے اور اس پر درج ہے ’’بنام سید محبوب علی ہنگامے کہ در موضع کنڈہ ومتعلقہ آفریدیان مقام داشتند-‘‘

یہاں مولانا سید محبوب علی کی روداد کے اہم گوشوں پر سید صاحب اور شاہ اسماعیل کے مکاتیب نیز دوسرے بنیادی مآخذ سے تائیدی حوالے پیش کیے گئے جن سے مولانا کی روداد کی ثقاہت ثابت ہو جاتی ہے-تحریک جہاد کے بنیادی مآخذ میں مولانا کے بیان کردہ دیگر جزئیات پر بھی شواہد موجود ہیں جنھیں ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کر رہے ہیں-ان شواہد کے بعد اب کم از کم

مولانا کی روداد کو ایک مخالف اور ایک آسائش پرست مولوی کی ''کذب بیانی'' کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مؤرخین کی حقائق پوشی:

مولانا محبوب علی کے قضیے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ تحریک جہاد کے مؤرخین اور سید احمد کے سوانح نگاروں نے سید صاحب سے مولانا کے اختلاف کی جو تفصیل پیش کی ہے، وہ مولانا کی بیان کردہ روداد سے یکسر مختلف ہے۔ مولانا کا تحریک اور سید صاحب سے اپنے اختلاف کی یہ روداد (جسے معاصر مآخذ سے تائید حاصل ہے) مؤرخین اور سوانح نگاروں کی علمی اور اخلاقی دیانت پر سوالیہ نشان کھڑا کرتی ہے۔

المیہ یہ رہا کہ سید احمد کی سیرت اور ان کی تحریک کی تاریخ نویسی کی خشت اول اُن ارادت مندوں کے ذریعے رکھی گئی جو اپنے مرشد کی عقیدت میں فنائیت کی منزل میں تھے، دوسرے اور تیسرے دور میں اس کی تعمیر و توسیع اور رنگ و روغن کا کام بھی جن ہنر مند ہاتھوں کے ذریعے انجام پایا، سید صاحب سے ان کی جذباتی اور مسلکی وابستگی انھیں بھی اُن تلخ حقائق کے اظہار سے روکتی رہی جن سے بانیان تحریک کی فراست، کردار اور عملی و فکری رویے پر حرف آتا ہو۔ چنانچہ مذکورہ تینوں ادوار میں لکھے گئے ہزاروں صفحات میں ایسے کسی بھی نکتے کا سراغ نہیں ملتا جس سے تحریک اور بانیان تحریک کی معمولی لغزش بھی سامنے آتی ہو۔

سید احمد اور تحریک جہاد کے حوالے سے دور اول کے مآخذ میں بزبان فارسی ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' ☆ پہلی کتاب ہے جس میں سید صاحب سے مولانا محبوب

☆ یہ کتاب نواب وزیر الدولہ وزیر خاں (مرید و خلیفہ سید احمد) کی فرمائش پر سید جعفر علی نقوی نے ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء میں لکھی۔ سید جعفر سید احمد کے مرید تھے۔ واقعہ بالاکوٹ سے سوا سال پہلے رمضان ۱۲۴۵ھ فروری ۱۸۳۰ء میں جہاد کی نیت سے سرحد پہنچے، چوں کہ مشاق محرر تھے، اس لیے منشی خانے سے منسلک ہو گئے، شاہ اسماعیل کے خاص کاتب تھے۔ واقعہ بالاکوٹ کے بعد ہندوستان لوٹ آئے۔ نواب ٹونک جو سید صاحب کے حد درجہ عقیدت مند اور معاون تھے، سید جعفر کو ٹونک بلایا اور ان سے مذکورہ کتاب لکھوائی۔ اس کتاب کا تاریخی نام ''تاریخ احمدیہ'' ہے، جس سے تاریخ تالیف ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء نکلتی ہے۔ سرحد کے زیادہ تر حالات مجاہدین سے سن کر لکھے، اخیر کے سوا سال کے حالات کے خود ناظر تھے۔

کے اختلاف کا اختصار سے ذکر کیا گیا- اس کے بعد اسی دور کی دوسری بنیادی اور ضخیم کتاب ''وقائع احمدی'' ☆ میں بھی اس اختلاف کا سرسری ذکر ہے- دونوں کتابوں کے لکھنے کا زمانہ، مقام، فرمائش کرنے والے اور شاید راوی بھی ایک ہی ہے، کیوں کہ دونوں میں بیان واقعہ کے مندرجات تقریباً ایک ہی ہیں- ''وقائع'' میں اس قضیے کی تفصیل صفحہ نمبر ۱۲۱۰/ سے ۱۲۱۵ تک تقریباً ۵/ صفحات میں ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

مولوی محبوب علی اپنے قافلے کے ساتھ ہندوستان سے آ کر پشاور کے علاقے کنڈہ میں رک گئے، ان کے علاوہ دیگر ہندوستانی قافلے بھی وہاں آ کر رکے، کیوں کہ سید صاحب سے بعض سرحدی رؤسا اور مسلمانوں سے جو اختلافات ہو گئے تھے، اس کی وجہ سے خوف تھا کہ وہ لوگ قافلے کو نقصان پہنچائیں گے، اس لیے سید صاحب نے شیخ ولی محمد کو انھیں حفاظت کے ساتھ مرکز پنجتار لانے کے لیے کنڈہ بھیجا، وہ انھیں لے کر آئے تو مولوی محبوب نے آتے ہی دیکھا کہ سید صاحب کے گھوڑے پر مخملی زین پوش پڑا ہے-

> ''دیکھتے ہیں (مولوی محبوب نے) از روئے طعن کہا کہ سبحان اللہ! گھوڑے پر زریں زین پوش، جہاں ایسا امیرانہ ٹھاٹ ہو وہاں دیکھا چاہیے کہ انجام کیسا ہو ——— کئی روز کے بعد ایک دن وہ حضرت (سید احمد) دیرے (خیمے) میں آئے اور ہر بات میں اعتراض خلص حضرت علیہ الرحمۃ پر کرنے لگے کہ آپ امام ہو کر ایسے نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور ایسے عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور مجاہدین بے چارے مصیبت کے بارے میں چکی پیستے ہیں، گھاس کاٹتے ہیں ——— اس گفتگو کا چرچا پہلے پہلے دھیرے دھیرے تمام لشکر میں ہونے لگا اور ایک صورت نا اتفاقی اور فساد

☆ اس کتاب کو بھی نواب ٹونک کی فرمائش پر ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں لکھنے کا آغاز کیا گیا- نواب صاحب نے سید صاحب کے نیازمندوں کو ٹونک میں جمع کر لیا، یہ سب لوگ محلّہ قافلہ (جسے سید صاحب کے اقربا اور مجاہدین کے لیے نواب نے بسایا تھا) کی مسجد میں بیٹھ جاتے، جس کو جو واقعہ یاد ہوتا، وہ بیان کرتا اور کاتب اسے لکھ لیتا، اس طرح یہ کتاب مکمل ہوئی-

> کی ظاہر ہونے لگی اور مولوی صاحب کو لوگوں میں پھوٹ ڈالنا اور جماعت توڑنا منظور تھا۔''

پھر راوی نے سید صاحب کے عمدہ کھانے کی تاویل کی ہے کہ اصل میں مرغ، گھی اور انڈے وغیرہ بطور نذر لوگ لایا کرتے تھے تو سید صاحب انھیں اپنے باورچی خانے میں رکھوا دیتے اور اکثر کوئی نہ کوئی مہمان آتا تو وہی چیزیں پکواتے اور خود بھی کھاتے۔ پھر یہ بھی کہا کہ کچھ لوگ جو اس مشقت سے نکلنا چاہتے تھے وہ مولوی محبوب کے ساتھ ہو گئے۔ آگے راوی کہتا ہے:

> ''دوسرا اعتراض مولوی صاحب کا (سید صاحب کی) پوشاک اور خرچ و غیرہ پر تھا۔''

پھر اس اعتراض کی بھی راوی نے تاویل کی کہ یہ کپڑے نذر میں آتے تھے جنھیں سید صاحب اپنے حساب سے استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ:

> ''انہی چیزوں پر اکثر کج فہم مفسد لوگ اعتراض کرتے ہیں اور مولوی محبوب علی صاحب کا بھی اسی پر اعتراض تھا اور مدعا ان کا یہ تھا کہ یہاں گزر کرنا اس تنگی اور مشقت میں دشوار ہے، اس سے (لیے) کچھ الزام دے کر یہاں سے فراری ہوں۔''

پھر راوی کہتا ہے کہ اس پر مولوی محبوب سے مولوی محمد حسن کا کئی روز مباحثہ رہا اور وہ مولوی محبوب کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے، اسی دوران مولانا اسماعیل کے پکھلی سے دو خط آئے کہ انھیں روکو، مگر وہ کسی کی نہیں سنتے۔ مزید راوی کہتا ہے:

> ''اسی طور حضرت علیہ الرحمۃ ان سے نہایت تنگ ہوئے، جب کسی صورت سمجھانے سے نہیں سمجھے تب آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اس لشکر اسلام میں تم نے اپنی نفسانیت سے تفرقہ ڈالا ہے اور میں تو کیا کہوں میدان حشر میں تمہارا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ فقط۔ پھر آپ (شاہ اسماعیل) کے آنے سے تین روز پہلے خدا جانے کس وقت رات کو بے ملے بے ملاقات کیے، اپنے لوگوں کو لے کر طرف پشاور کے راہی ہوئے۔ یہ تمام حال اول

> سے آخر تک مولانا صاحب نے سنا اور کہا کہ افسوس اب تو مولوی صاحب چلے گئے، اگر میرے آنے تک توقف کرتے تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں ان کو سمجھاتا اور انھوں نے سید صاحب کو نہ پہچانا، والّا یہ حرکت بے جا نہ کرتے۔‘‘ (وقائع احمدی، ص: ۱۲۱۰ تا ۱۲۱۵)

تقریباً یہی تفصیل ’’منظورۃ السعداء‘‘ (فارسی) کے نمبر ۱۱۷ / سے ۱۱۹ / تک پانچ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

ہماری معروضات:

اس روایت پر راقم کی حسب ذیل معروضات ہیں:

پہلا معروضہ:

مولانا محبوب کے اختلاف کے تعلق سے دونوں کتابوں کے مندرجات اور سواد تحریر سے ایسا لگتا ہے کہ مولانا سرحد پہنچے اور پہنچتے ہی سید صاحب کے کپڑے اور کھانے پر معترض ہو گئے اور ان سے لڑ بھڑ کر کچھ ہی دنوں میں واپس آ گئے۔ بعد کے مؤرخین نے بھی یہی تأثر دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ / جون ۱۸۲۷ء کو سرحد پہنچے اور ۹ / جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ھ / دسمبر ۱۸۲۷ء کو چھ ماہ کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔ مولانا مکمل تین ماہ تک پشاور کے اطراف کنڈہ اور اسپین تنک وغیرہ میں جہادی سرگرمیوں میں مصروف رہے، سید صاحب کے حکم سے وہاں کے لوگوں سے بیعت لیتے رہے اور رؤسائے پشاور سے اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہے اور بقیہ تین ماہ سید صاحب کے ساتھ گزارے، یہاں بھی ان کی سرگرمیاں اسی طرح کی رہیں۔ پہلے تین ماہ تو وہ سید صاحب کے ساتھ تھے ہی نہیں، اس لیے ان کے کھانے پینے پر اعتراض کا کوئی جواز نہیں بنتا اور اُن تین مہینوں میں جب کہ وہ مخالفین کے نرغے میں تھے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ بقیہ تین ماہ جو سید صاحب کے ساتھ گزارے، اس میں بھی صرف سید صاحب کے کھانوں اور کپڑوں پر اعتراضات کا الزام بھی محل نظر ہے۔ چوں کہ جہاد کے امور و معاملات میں مولانا کا سید صاحب سے اختلاف ہو گیا، جس کی وجہ سے راوی نے کاروبار جہاد میں ان کی مثبت کوششوں کا ذکر بھی گوارا نہیں کیا اور تأثر یہ دینے کی کوشش کی کہ وہ

آئے اور سطحی اعتراضات کر کے چلتے بنے۔

دوسرا معروضہ:

مولانا محبوب علی جن دنوں سرحد پر تھے، صاحب ''منظورۃ السعداء'' اس زمانے میں وہاں نہیں تھے، ظاہر ہے کسی سے سن کر ہی انھوں نے یہ روایت لکھی ہے۔ اس قضیے میں ''وقائع'' کی ذکر کردہ روایت سے ''منظورہ'' کی روایت کی یکسانیت بتاتی ہے کہ دونوں کا راوی ایک ہی شخص ہے۔ اس قرینے پر دلیل یہ بھی ہے کہ ان دونوں کتابوں کے لکھنے کا زمانہ، مقام کتابت، فرمائش کرنے والا اور ان کا اہتمام وانصرام کرنے والا ایک ہی ہے۔ پھر یہ کہ مذکورہ راوی سرحد پر مولانا کے شش ماہی قیام میں ان کی ہر دن کی سرگرمیوں کا مشاہد بھی نہیں ہے۔ وہ بے شمار مجاہدین جنھوں نے مولانا کو سرحد پر چھ ماہ تک دیکھا ہے، ان میں سے کسی اور کا بیان اب تک سامنے نہیں آسکا ہے، اس لیے صرف ایک راوی کی روایت کو بنیاد بنا کر یہ سمجھنا کہ اس قضیے کی حقیقت بس اسی میں منحصر ہے، عقل وشعور سے ماورا ہے۔

تیسرا معروضہ:

یہ دونوں کتابیں ایک عقیدت مند مرید وخلیفہ کی فرمائش پر، جاں نثاروں اور فداکاروں کی ایک جماعت کے ذریعے اُس مرشد کی سیرت وخدمات پر مرتب کرائی جارہی تھیں جو جذبۂ جہاد میں اپنی جان دے چکا تھا۔ ایسے جذباتی اور عقیدت مندانہ ماحول میں یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ راویان جماعت ایسی کوئی روایت سناتے جس سے براہ راست یا بالواسطہ مرشد طریقت اور قائد تحریک کے کردار، رویے اور فہم وفراست پر ضرب لگتی ہو۔

چوتھا معروضہ:

مذکورہ دونوں کتابوں کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محبوب کو صرف سید صاحب کے بعض ذاتی اور شخصی احوال مثلاً اچھا کھانے اور پہننے وغیرہ پر ہی اعتراض تھا، جہاد کے امور و معاملات سے انھیں کوئی سروکار نہیں رہا۔ جب کہ مولانا نے جو روداد لکھی ہے وہ اس روایت کے بالکل برعکس ہے، جو بتاتی ہے کہ مولانا کے اختلاف کی نوعیت شخصی اور ذاتی نہیں تھی بلکہ انھیں جہاد کے امور ومعاملات میں سید صاحب کی پالیسی سے بنیادی اختلاف تھا، جس کی تفصیل یہ ہے:

(الف) اپنی امامت وخلافت کو جبراً منوانے کی ضد کرنا۔

(ب) امامت واطاعت قبول نہ کرنے والوں کو بے دریغ قتل کرنے کا فتویٰ دینا یا اس پر رضامند رہنا۔

(ج) جہاد کے مسائل کو رائے مشورے کی بجائے اپنے غیبی الہامات اور مکاشفات کے ذریعے حل کرنا۔

(د) سرحدی رؤسا اور عام مسلمانوں سے جنگ وجدال پر آمادہ رہنا۔

(ہ) ہر حال میں اپنی خاموش اطاعت کا طالب رہنا۔

سید صاحب کے مذکورہ رویے کی تائید معاصر مآخذ سے بھی ہوتی ہے اور مولانا محبوب کو بھی بنیادی طور پر انہی امور سے اختلاف رہا، جس کی طرف ''منظورۃ السعداء'' میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

> ''قدح در امامت کردند۔'' (ورق:۱۱۸)
>
> مولانا محبوب نے سید صاحب کی امامت پر اعتراض کیا۔
>
> اس کے جواب میں سید صاحب نے کہا کہ:
>
> ''مراغرض ازیں معاملہ ریاست وسرداری خود نیست محض انصرام ایں کار ملحوظ می دارم۔'' (ایضاً)
>
> میرا مقصد اس معاملے (امامت) سے ریاست وسرداری نہیں ہے، بلکہ جہاد کا انصرام وانتظام ہے۔

اس کے بعد اس کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ ''منظورہ'' میں تو یہ اشارہ بھی ہے، مگر ''وقائع'' میں سرے سے اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ دراصل یہی مسئلہ امامت تحریک جہاد کی ناکامی اور انتشار کا سب سے بڑا سبب تھا، جس کے بطن سے ان گنت مسائل پیدا ہوئے۔ تحریک میں تشدد بے جا کو فروغ ملا، امامت کے ثبوت کے لیے الہامات وکشوفات کے اعلان کی ضرورت پڑی، سرحدی رؤسا اور مسلمانوں سے اختلاف اور اس کے نتیجے میں جنگیں ہوئیں، یہاں تک کہ سید صاحب کی دنیا سے رخصتی کے بعد ان کی غیابت اور نظریۂ حیات ثانی کی اشاعت ہوئی۔ اسی بنیادی نکتے کے تعلق سے تحریک کے خاص رکن مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے:

> ’’واقعہ یہ ہے کہ جس دن سید احمد شہید افغانوں کے امیر بنے، اس کے ساتھ ہی اس اجتماع میں بغاوت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ اگر معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر ایک افغان کو بناتے۔‘‘
>
> (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص:۸۶)
>
> ’’سرداران پشاور تو بظاہر سید صاحب کے ہمراہ تھے، مگر آپ کی امامت کو اپنی سرداری کے لیے پیام مرگ سمجھتے تھے، اس لیے وہ سکھوں سے بھی ساز باز رکھتے تھے تا کہ ان کی سرداری بہر حال باقی رہ سکے۔‘‘ (ایضاً)

تاہم سید صاحب سے مولانا کے مذکورہ بنیادی اختلافات سے چشم پوشی کر کے راوی نے ضمنی اور شخصی اعتراضات کو بیان کر دیا جن کی بنیاد پر مولانا کے اختلافات کی اہمیت کو ختم کیا جا سکے اور سید صاحب کا کردار بھی سلامت رہے۔

پانچواں معروضہ:

سید صاحب سے اختلافات کے نتیجے میں مولانا کے ساتھ سید صاحب کے غالی مریدین اور عقیدت مند ساتھیوں کا جو رویہ رہا وہ کافی مخاصمانہ اور متشددانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو مولانا کی موجودگی میں سید صاحب کی ایما پر ان کے سامنے ہوا۔ ’’منظورہ‘‘ کے الفاظ میں اس واقعے کو من وعن نقل کیا جاتا ہے:

> ’’شیخ امیر اللہ نامی ایک بوڑھے شخص تھانہ کے رہنے والے تھے جو بہت بہادر، نڈر اور گویا تھے، لیکن ان کے پاس سرمایۂ علم کچھ بھی نہ تھا۔ یہ ایمانی قوت میں بہت فائق اور راہِ خداوندی میں جان و مال قربان کرنے کے لیے بہت مستعد تھے۔ جمعہ کے روز یہ امیر المؤمنین (سید احمد رائے بریلوی) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ’حضور! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اُمی ہونے کے باوجود مؤمنین اور علما کی جماعت کو وعظ ونصیحت کروں؟‘ اسی وقت امیر المؤمنین (سید احمد رائے بریلوی) نے خود ہی آواز لگائی کہ ’’اے مسلمانو! ہمیشہ آپ علما اور مولویوں کے وعظ و بیان سنتے ہوں، مگر آج ہمارے بھائی شیخ امیر اللہ اُمی وعظ ونصیحت فرمائیں گے، لہٰذا آپ لوگ (ان کے وعظ کو) سنو۔‘‘ سب لوگ وعظ سننے کے لیے متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ شیخ موصوف نے منبر پر

چڑھ کر وعظ کہنا شروع کیا کہ:

اے مسلمانان بدانید کہ ایں مقام جہاد است کہ براے آں ہر کسے کہ بایں سو روانہ کردیدہ وبنسبت اعلاے کلمۃ اللہ نمود ہر قدم کہ براے ایں عبادت بایں طرف می نہاد بسوے جنت می نہاد ہر کہ درراہ مرد بجنت رفت و ہر کہ درایں جا رسیدہ وفات یافت بجنت رفت وآں کہ ازایں جا روگردان شدہ ازایں مقام گریز کرد راہ دوزخ اختیار نمود ہر جا کہ میرد بدوزخ رود پس مولوی محبوب علی وہمراہیانش ہم چنیں است وقتے کہ رخ بایں طرف نمودہ می آمدند راہ شاں راہ جنت بود کہ حیات شاں طیب وممات شاں طیب واکنوں می شنوم کہ ازایں جا روگردانیدہ خواہند رفت بلا شک وریب راہ دوزخ خواہند گرفت وہر کہ ہمراہ شاں خواہد رفت او ہم بدوزخ خواہد رفت۔‘‘ (منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء، ورق: ۱۱۹-۱۲۰)

اے مسلمانو! جان لو کہ یہ مقامِ جہاد ہے، جو بھی شخص اس کی خاطر یہاں بھیجا گیا ہے اور اس نے خود اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت کر لی تو اس عبادت کو ادا کرنے کے لیے جو بھی قدم یہاں وہ بڑھائے گا، گویا وہ اپنا قدم جنت کی طرف بڑھائے گا، جو اس راہ میں قربان ہوگا، وہ جنت میں چلا جائے گا۔ جس شخص نے بھی یہاں پہنچ کر وفات پائی گویا وہ جنت میں پہنچ گیا۔ اور جس نے بھی یہاں سے روگردانی کی اور گریز کیا گویا اس نے راہِ دوزخ اختیار کر لی۔ اب (اس حالت میں) وہ جس جگہ بھی مرے گا دوزخ میں داخل ہوگا۔ لہٰذا محبوب علی اور اس کے ساتھیوں کا حال بھی کچھ اسی طرح ہے، کیوں کہ جب انہوں نے اس طرف رخ کیا تو ان کی راہ راہِ جنت تھی کہ جس سے ان کی حیات وممات دونوں بہتر ہو جائے۔ مگر اب مَیں نے سنا ہے کہ وہ یہاں سے روگردانی کر رہے ہیں۔ بلا شک وشبہ یہ لوگ راہِ جہنم اختیا کر رہے ہیں اور جو بھی ان کے ہمراہ جا رہا ہے تو گویا وہ بھی دوزخ

میں جارہا ہے۔

مولانا کی دہلی واپسی کے بعد خود سید صاحب، مولانا عبدالحئی اور شاہ اسماعیل نے اہل ہند کے نام اس قضیے پر مشتمل جس اسلوب و رنگ میں خطوط لکھے، ان سے مولانا کے خلاف ایک عام فضا تیار ہوگئی تھی۔ ان رویوں سے داخلی طور پر تحریک کے اندر اختلافات فکر ونظر پر ردعمل کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چھٹا معروضہ:

بالفرض ''منظورہ'' اور ''وقائع'' کی اس روایت کو کلیتاً درست سمجھتے ہوئے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مولانا کو سید صاحب سے صرف ان کے کھانے پینے پر اختلاف تھا، جیسا کہ بعد میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے☆ تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس معمولی اختلاف پر مولانا کے خلاف اس قدر متشددانہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا کہ انھیں برسر منبر جہنم رسید ہونے کی وعید سنائی جارہی ہے؟ سرحد سے ہندوستان تک غالی عقیدت مندوں کے درمیان ان کے خلاف فضا کیوں تیار ہوگئی؟ اور ہزاروں مجاہدین اور معاونین میں ایک شخص کے معمولی اور شخصی اعتراضات پر ایسا کیا ہوگیا کہ کافی عرصے تک کاروبار جہاد معطل رہا؟ ہندوستان سے مالی اور افرادی تعاون بند ہوگیا اور تحریک کے لیے ماحول سازگار نہیں رہا؟ جیسا کہ جعفر تھانیسری نے لکھا ہے:

> ''مولوی محبوب علی صاحب کے اغوا سے جو کاروبار جہاد کو صدمہ پہنچا ویسا صدمہ اس لشکر کو آج تک کسی سکھ یا درانی کے ہاتھ سے نہ پہنچا تھا۔ مولوی محبوب علی کے فتنے کے بعد مدت تک ہندوستان سے قافلوں کا آنا بند ہوگیا۔ اکثر معاونین جہاد دست ہوگئے۔'' (سوانح احمدی، ص: ۱۰۸)

حکیم سید محمود احمد برکاتی بھی لکھتے ہیں:

> ''ان (محبوب علی) کی مراجعت دہلی سے ترغیب جہاد کی سرگرمیاں بہت متأثر ہوئی تھیں۔ پورے ملک میں اس جماعت کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں عام ہوگئیں اور زراعانت کی فراہمی اور مجاہدین کے قافلوں کی روانگی بھی

☆ سید احمد شہید، جلد: دوم، ص: ۷۳-۷۴

مسدود ہوگئی۔ تحریک جہاد کے لیے یہ بڑی کٹھن گھڑی تھی۔‘‘

(حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص:٦٤)

اب ایسی صورت میں یہاں دو باتوں میں سے ایک کو لازمی تسلیم کرنا پڑے گا:

(الف) بشمول سید احمد اور شاہ اسماعیل تحریک جہاد سے وابستہ افراد اتنے خود پسند اور متشدد تھے کہ انھیں معمولی اختلاف بھی گوارا نہیں تھا اور معمولی اور سطحی اختلافات فکر و نظر رکھنے والے کو بھی جہنم تک پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے تھے اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کے خلاف معاندانہ فضا تیار کر دیتے تھے۔

(ب) یا پھر مولانا کے اختلافات کی نوعیت سنگین تھی اور اس کا تعلق امور جہاد اور قیام جہاد کے فیصلوں اور منصوبوں سے تھا، محض سید صاحب کے طعام و لباس سے نہیں تھا، جن کے خلاف مولانا کی آواز بلند کرنے اور اختلاف کرنے سے کاروبار جہاد کو بہت نقصان پہنچا، کافی عرصے تک ہندوستان سے قافلوں اور روپے پیسوں کی فراہمی رک گئی اور تحریک جہاد سے لوگ بدظن ہو گئے۔

جدید مؤرخین کا رویہ:

سید صاحب سے مولانا محبوب کے اختلاف کے نتیجے میں ’’منظورہ‘‘ اور ’’وقائع‘‘ کی روایتوں کے منظر عام پر آنے کے بعد جدید مؤرخین نے جن کلمات سے مولانا کو یاد کیا ہے وہ تحقیق اور تاریخ نویسی کے دیانت دارانہ تقاضوں سے ماورا ہے اور اس بات کا اشاریہ بھی کہ یہ تمام تاریخیں سید صاحب کی ارادت اور عقیدت کے زیر اثر قلم بند کی گئیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مولوی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

> ’’نفس امارہ اور شیطان نے اُن (محبوب علی) کو ایسا دل برداشتہ کر رکھا تھا کہ ـــــ مثل نائب الشیطان بہت سے آدمیوں کو بہکا کر پھر دہلی کے پلاؤ قورمہ پر ہاتھ مارنے کو ہندوستان واپس ہو گئے۔ افسوس کہ اس وقت تک مولوی محمد اسماعیل صاحب جنگ پکھلی سے واپس نہ آئے تھے، ورنہ مولوی محبوب علی صاحب کو مشکل سے دوبارہ دہلی کے کھانوں کے لائق رکھتے۔‘‘ (سوانح احمدی، ص:١٠٨)

مرزا حیرت دہلوی نے تو اس مسئلے کو مزید افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے اور ان روایتوں کا بھی اضافہ کیا ہے، جن کا ذکر معاصر مآخذ میں بھی نہیں ملتا۔ مرزا صاحب غیظ وغضب میں مولانا کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ”وہ خود پسند تھا، خر دماغ تھا، متعصب اور کوتاہ اندیش تھا، حاسدوں اور مسلمانوں کو برباد کرنے والا تھا۔ کبھی ان الفاظ کے بجائے یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ملّا نا یا ملّا تھا۔“ (حیات طیبہ، ص: ۲۵۷)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

> **”وسافر الی الحدود مع اصحابه فی الجهاد ولکن الشیطان وسوس فی صدره فتأخر ورجع الی الهند“.**
>
> **(نزهة الخواطر، ج: ۷، ص: ۱۰۷۸)**
>
> (مولانا محبوب نے) جہاد کی غرض سے سرحد کا سفر کیا، لیکن شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیا تو وہ جہاد کو مؤخر کر کے ہندوستان لوٹ گئے۔

تحریک سے اختلاف سے پہلے تک اس کے لیے مولانا کی بڑی گراں قدر خدمات رہی ہیں، مگر مولانا کی اُن خدمات کو بھی مؤرخین نے نظر انداز کر دیا اور مولانا غلام رسول مہر نے تو مجاہدین کی فہرست سے ہی ان کا نام خارج کر دیا، جب کہ تحریک کی ہم نوائی میں کسی نے ایک قصیدہ بھی لکھ دیا ہے تو مہر صاحب نے عزت واحترام کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور اسے تحریک کا ایک فرد قرار دیا ہے۔ حالاں کہ:

(الف) سید صاحب کے سرحد ہجرت کر جانے کے بعد تقریباً ایک سال سے زائد تک مولانا ہندوستان میں جہاد اور ہجرت کی دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے، نیز تحریک کے لیے افراد اور مال کی فراہمی میں کوشاں رہے۔

(ب) جن ہندوستانی علما واحباب کے نام سرحد سے خطوط واطلاعات جاتی تھیں ان میں مولانا کا نام بھی تحریک کے اہم رکن کی حیثیت سے شامل تھا۔

(ج) ہندوستان سے چار سو لوگوں کو تیار کر کے اپنی قیادت میں سرحد کی طرف ہجرت کی اور

کئی مہینے کے سفر کی صعوبتوں کو طے کر کے جہاد میں عملی وفکری حصہ لینے کے لیے وہاں پہنچے۔

(د) چھ ماہ سرحد پر قیام کیا اور وہاں اپنی جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

اختلافات فکر ونظر کی بنیاد پر علیحدگی اپنی جگہ، تاہم تحریک کے لیے جو ان کی خدمات رہی ہے ان کا اعتراف کیا جانا چاہیے تھا۔

مولانا محبوب علی کا اخلاص:

وابستگان تحریک جہاد اور قدیم وجدید مؤرخین کا مولانا محبوب کے ساتھ اس طرح کا جارحانہ رویہ عام ہے۔ مولانا کے تعلق سے ان تمام تحریروں کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں سید صاحب اور ان کی تحریک سے ذاتی عناد تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی پوری زندگی ان کی مخالفت میں گزار دی۔ لیکن مولانا نے جو اپنی سرگزشت لکھی ہے، اس میں سید صاحب اور تحریک سے اختلاف کے باوجود ان دونوں کے ساتھ ان کا مخلصانہ رویہ سامنے آیا ہے۔ وہ چاہتے تو اپنے ساتھ ہوئے غلط سلوک کے پیش نظر تلخ وترش زبان استعمال کر سکتے تھے، تاہم تحریک اور سید صاحب کے ساتھ مولانا کا اختلاف اصولی بنیادوں پر تھا، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کاروبار جہاد قائم ودائم رہے اور ان کی وجہ سے تحریک کو نقصان نہ پہنچے، لہذا خاموشی کے ساتھ اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اپنی اس مثبت فکر کے ساتھ وہ ہمیشہ سید صاحب کے قدرداں اور ان کے لیے دعا گو بھی رہے۔ مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، جو ان کے دلی جذبات کے آئینہ دار ہیں:

(۱)

> ”اب جب کہ مجھ کو آپ خاموش رکھنا چاہتے ہیں اور میں خاموش نہیں رہ سکتا تو اصلاح فی مابین المسلمین کی وجہ سے مجھ پر لازم ہے کہ آپ سے الگ ہو جاؤں اور لوگوں کو اس اختلاف کی خبر نہ ہو، اور آپ مجھے ہندوستان جانے کی اجازت دے دیں۔ آپ رؤسائے ہند کو میرے ساتھ خط لکھ کر دے دیں تاکہ میں انھیں آپ کی اطاعت کی ترغیب دوں اور اگر وہ لوگ جان گئے کہ میں مکدر خاطر ہو کر آپ کے پاس سے لوٹ آیا ہوں تو عقلا آپ سے نفرت کرنے لگیں گے اور جہلا مجھ پر تکبر کریں گے تو یہ میرے،

آپ کے اور لوگوں کے لیے بہتر نہیں ہوگا-‘‘

(ترجمہ قلمی مخطوطہ، ص: ۸۹۷-۸۹۸)

(۲)

’’پیشاور سے میں نے مولانا اسماعیل کے خط کا جواب لکھا، جو پنجتار میں تھے، کیوں کہ میرے پیشاور پہنچنے کے بعد سید صاحب کی طلبی پر مولانا اسماعیل، سید شاہ کے ساتھ ناکام و نامراد پکھلی سے پنجتار لوٹ آئے تھے- ملاقات کے بغیر میرے لوٹ جانے پر انھوں (شاہ اسماعیل) نے مجھے تأسف کا خط لکھا، اس وقت میں بخار کی شدت اور اسہال کی وجہ سے کافی بیمار تھا اور ان کے پاس ملاقات کے لیے جانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، جب میری طبیعت بحال ہوئی تو میں کافی کمزور ہو چکا تھا اور مولانا اسماعیل سید صاحب کے ساتھ ساکوٹ کے پہاڑ کی طرف نکل گئے تھے جو بہت دور اور کافی مشکل تھا- اس طرح میں مولانا اسماعیل سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے مغموم دہلی لوٹ آیا-‘‘ (ایضاً، ص: ۹۰۰)

(۳)

’’بعض جاہلوں نے سید المجاہدین سے بھی عداوت روا رکھی اور مجاہدین کو مفسدین گردانا، حالاں کہ یہ سب حرام اور ملت میں تخریب کے مترادف ہے- اس سلسلے میں لوگوں پر واجب ہے کہ مجاہدین جہاں اور جیسے ہوں ان کے لیے دعائے خیر کریں اور سید احمد رحمہ اللہ کے لیے دعائے رحمت کریں، کیوں کہ انہی کی وہ شخصیت ہے جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے علم جہاد بلند کیا اور کفار سے جہاد کیا-‘‘ (ایضاً، ص: ۹۰۱-۹۰۲)

یہاں ’’تاریخ الائمہ‘‘ کے متن کا راقم نے معاصر شواہد کی روشنی میں جائزہ لینے کی کوشش کی ہے- مکمل متن کے مطالعے سے مزید تاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے-

❑❑❑

ضمیمہ

متن مخطوطہ☆

(تَارِیْخُ الْائمّةِ فِیْ ذِکْرِ خُلَفَاءِ الْاُمَّةِ)

وکان السید احمد امیر المجاهدین حینئذٍ بنواحی پیشاور معه مولانا ابوعمر اسماعیل بن عبدالغنی رحمه الله سالار قافلته و مولانا عبدالحی مشیر التدبیر رحمه الله و علماء الهند و السند و خراسان کثیرون معه فسرت الیهم من سابع عشر شعبان سنة اثنین واربعین و مأتین والف الیٰ الدهلی فی اربع مأ ة رجلٍ بنیّة الغز و علی الکفار فکنّا فی رمضان ببهاولپور و صلّینا صلوٰة عید الضحیٰ بموضع کنڈه من توابع پیشاورثم وصلنا بخدمة ابی المجاهدین و سیدهم فی آخر صفر سنة ثلث واربعین و مأتین والفٍ ولقینا مولانا عبدالحی بحرالعلوم فیهم وکان مولانا ابوعمر اسماعیل رحمه الله حینئذ بپکهلی وکان ابو محمد مقیم الرامپوری ورفقائه معه بها فعاود ابومحمد المقیم مجروحاً

☆"تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة" (۱۸۳۵ء) سید احمد رائے بریلوی کے مرید و خلیفہ مولانا سید میر محبوب علی دہلوی (۱۷۸۵ء/۱۸۶۴ء) کی تصنیف (مخطوطہ) ہے- مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ واحد قلمی نسخہ سینٹرل لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی کے شعبۂ مخطوطات کی زینت ہے- اس میں سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک جہاد کے تعلق سے شامل مذکورہ تفصیلی متن اور اس کا اردو ترجمہ باضابطہ پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے- اس مخطوطے کے ذریعے سید احمد اور ان کی تحریک جہاد کے بعض نامعلوم گوشوں کا سراغ ملتا ہے-

وقام بها مولانا اسماعیل رحمه الله و کنّا مع سید المجاهدین حینئذ بمواضع پنجتار فی یوسف زئ وکان رئیس تلک المواضع ابومحمد فتح خان یوسف زئی سلمه الله بمنزلة وزیر السیداحمدرحمه الله تعالیٰ–

وکان یارمحمد خان الدّرانی و اخوته روساء پیشاور مخالفین له وکان السید یرید ان یقاتلهم ولایریدان یصالحهم فخفت الفتنة بین الفئتین من المسلمین ورأیت بناء الامور علی الالهام الغیبی لاعلی المشاورة کما هودأب المسلمین فی الجهاد شرعاً فترخصت من عند السید احمد رحمه الله وهو فی پنجتار ثم توقفت مریضاً بپیشاورثلثة اشهرٍ عندالسید عبدالحمید خان بن السید عبدالرحمٰن خان الشهید الکابلی و رخصت الناس و بقی معی الحافظ ابومحمد اسحاق الآنبلی افغان و السید زفرالد هلوی والسید امیر علی نهنپالی وعبد الرحمٰن بن الشیخ ابی محمد حسین الزهتولوی و عبدالصمد المیواتی ثم توجهت یوم السبت التاسع من الجمادی الآخریٰ سنة ثلث واربعین ومأتین والف سائراً من پیشاور الی الدهلی و نزلت فی چمکنی و زرت قبر میرن شاه الهندی فی مقبرة الشیخ عمربها قدس الله سرهما و کان میرن شاه من رفقائ رحمه الله مات اول الربیع السنة الثانی المذکورة ونزلنا بموضع خیراباد علی ساحل اباصین محاذی قلعة اتک فی الحادی عشر منها وکان بین پیشاور و خیراباد ثلثون میلاًولقینا بموضع کامران الحافظ عبدالغفار وبموضع مَهورة محمد حسن نجارترکبان قال:

غیر شرع کو پیر کهاون سڑی مریدن دوزخ جاون

وبموضع شیچیو متصلاً بکوت محمد خان الشیخ عبدالوهاب من خلفاء...... شاه النقشبندی فاستجازنی بدعاء حزب البحر واجازنی بد عاء السیفی ثم لقینافی کَمَلْیَال محمد احسن ابن مولانا محمد حسین العالم السنی الذاهد وکان مولانا بموضع آخرلکن عرفت علمه و زهده بملاقاة ابنه لانّ

الرجل يعرف باصحابه و بموضع کنڈه کاسه الحافظ غلام رسول و بموضع دهلّه .... الحاجی فتح محمد النعال وامام المسجد فتح شاه وخان الموضع جهان خان و بموضع بَلُّوالحافظ شمس الدين وکنّافی اللّيلة الخامسة و العشرين منه بموضع جسوال ولقينا فيهاالسادات الهمدانية من ولد الامام موسى الکاظم بن الامام جعفرالصادق رضى الله عنهم واخوتهم فی موضع هزنی آلی بين کنڈه کاسه و دهله و فی الليلة السادسة والعشرين منها بموضع کوس........... ثم فی پيران کوت ببيت احمدخان راجه فی السابعة و العشرين و فی الثامنة والعشرين بموضع جلال پور على ميل من ماء جهلم ففی يومها عبرنا و ونزلنا بڈهوک ثم بموضع سروانی ثم فی سلخ الجمادى الاخرىٰ وهو الثلٰثون و صلنا بموضع رسولنکر ونزلنافی مسجد القاضی امام الدين ثم يوم غرة رجب بموضع کلاسکه فی مسجد الشيخ قادر بخش کاتب القرآن وهو عابد من الصلحاء وفی الحادية عشر و صلنا بعنبر سار واقمنا بها لوفورالمطرثلٰث ليال و يومين وکان بين پيشاور وعنبر سار مأة وست و تسعون ميلاً ثم خرجنا منهافی الثالث عشر الىٰ موضع مانا واله و نزلنا ببيت نور محمد نوربافت محب الفقراء من اهل الدين وفی الخامس عشر عبرنا ماء بياه.

الغرض فی العشرين عبرنا ماء ستلج ووصلنا بقصبة لدهيانه و نزلنا فی چهاؤنی شجاع الملک ببيت الهداد خان واقمنا عنده ليلتين ويوماً فخر جنامن لدهيانه ليوم الثانی و العشرين من رجب و نزلنافی سرائ لشکر خان ثم فی يوم الاحد الثالث والعشرين منه نزلنا فی بلدة سهرند و فزنا بزيارة مزار الامام الربانی الشيخ ابی البرکات بدرالدين احمد السهرندى مجددالالف الثانی رحمة الله عليه و بتنا فی مسجد الشيخ ابی محمد معصوم قدس سره و لم يکن الشيخ لاله حاضراً لکن کلاب شاه و حاجی شاه من مقيمي المسجد اکرما نزلنا و سرّا بنزولنا وزرناقبور المشايخ المجددية منها قبر حضرت

المعصومية و قبر حضرة الزبيريّة و مارأينا فی مقابر سهرندمن البدعات الاالبناء علی القبور و قد نهی الامام الربانی عن کل بدعةٍ فخرجنامن سهرندونزلنا بسرائ بنجاره يوم الاثنين الرابع و العشرين و بشهر انبالة يوم الثلثاء وبشهباز يوم الاربعآء وفی السابع والعشرين من رجب يوم الخميس ببلدة تهانيسرو زرنا مزارالشيخ جلال الفاروقی التهانيسري و قبر الشيخ عبدالکريم الچلی و فی الثامن و العشرين نزلنا بکرنال فی چهاؤنی الفوج و صلّينا الجمعة فيها و اقمنا بها فی سلخ رجب و هويوم السبت التاسع والعشرين منه ثم خرجنا غرة شعبان يوم الاحد من کرنال و ترخص الحافظ محمد اسحاق الآنبلی و رفيقه نور خان الرامپوری من هذا اليوم و نزلنا بقصبة پانی پت و زرنا قبورالمشايخ بهاوفی الثانی من شعبان نزلنا بسرائ سمهالکه ففی الثالث منه بسونفت وزرنا مزار الامام ناصرالدين و فی الرابع يوم الاربعاء بموضع نريله ففی الخامس من شعبان سنة ثلث واربعين بعد الالف والمأتين وکاتب السطور کان مريضاً فی هذا السفر ودخلنا بالدهلی شهجهان آباد—

فلمّا اتينا يوم الجمعة فی تدريس مولانا ابا سليمان اسحٰق الفاروقی سلمه الله علی رؤس اهل الاخلاق رأينا فی وجوه بعض الناس نکرةً وقد کاتب اليهم السيد احمد المجاهد و اصحابه اَنّ هؤلآء انکرواعلينا و راجعواالی اوطانهم بلا اذن ...... منا فعلمنا انّ ذلک المکتوب ايضاً مثل التدابير الاخریٰ فسکتنا زماناً حتّیٰ ورد مکتوب مولانا ابی عمر اسماعيل بن عبدالغنی الفاروقی سالار قافلة المجاهدين من نواحی پنجتار الیٰ سکنة جهان آباد فی جواب بعض المفسدين مشعراً باثبات الامارة للمومنين کافةً فی السيد احمد رحمه الله وجواز قتل من لم يبايع منکراً امامته فی البلاد فلما کتب المفسدون نقول ذلک المکتوب ارسلوا الی البلاد جهاراً واعلنوافی بلدة الدهلی ان المعاودين من عند اميرا لمؤمنين السيد احمد الساکن بديار يوسف زئی يجوز هتک

حرمتهم و قتلهم حيث كانوا اجبنا المفسدين تقريراً و كتبنا جواب الرسالة تحريراً خلاصتها هذا:

اعلموا ايها الصالحون انّ الامام الذى يجوزان يقتل الخارج عليه يجب ان يكون اميرالمؤمنين قد اجمع اهل الحل و العقدعلى اعانته و اقروا باطاعته فيما امرونهى من احكام الشرع الظاهر و نفد حكمه فى اكثر بلاد الاسلام بلا منازع مماثل وهو من اهل الاجتهاد سواء كان من قريش او غير هم من بنى آدم و من شرائط اللياقة كونه ذا تدبيركاملٍ وشجاعة تامة.والمراد باهل الحل و العقد جماهير امراء الجنود وعلماء الاسلام ولاعبرة بالشاذ منهم.

فعلىٰ هذا لم يكن السيد احمد رحمه الله ممن وجب له قتل الخارج عليه ولوكان كذلک لقال اهل السنة و الجماعة بتضليل العلماء الّذين لم يوافقوا الامام حسين بن على رضى الله عنه بل الحق انّ السيد احمد ارادالجهادفى سبيل الله و تبعه بعض الصالحين فى هذه الارادة الصحيحة و غزوا علىٰ الكفّار وقاتلوا وقتلوا فى سبيل الله فلما اظهر السيدُ انّى اميرالمؤمنين الخليفة على المسلمين كافةً تنغّص بعض من معه من المجاهدين و بقى البعض الآخر منهم على هذا الا ظهار ايضاً فقاتله المسلمون بعد هذه الدعوى خوفاً منه على ملكهم و تسلّطهم فلمّا قاتلهم وقال ان مقاتلينا منا فقون يحلّ دمهم و اموالهم و تصرّفوا فى اموال المقتولين كتصرّفهم فى الغنائم علم الناس انّه لايليق بالخلافة فنكث الجميع عن مبايعته و قالوالانتبعک فى شئ من الامورفاخرجوا من ديارهم فخرج

ومن معه من ديارهم و قالواهؤلآء حل دماء هم واموالهم وقتلهم بعد القدرة عليهم ثم تبعه قوم آخرون على ارادة الغزوة على الكفار لا علىٰ ارادة الخلافة والامامة اللّتى كانت لابى بكرن الصديق رضى الله عنه و من قال بها فعليه البيان–

فالحاصل انّ السيد المرحوم كان مستحقاً ان يظهر علمه و اجتهاده على امراء الجنود و علماء الاسلام فى البلاد كلها بهذه الارادة ثم لواعانه على تلك الارادة المصرّحة جمهور علماء الزمان و امراء الجنود وبايعوه البيعة وفيهم امير الا مراء السلطان محمود الرومى الذى يمضى الجهاد الشرعي و يغزو الكفارمن قبل ظهور السيد احمد الهندى لوجبت على المسلمين اطاعته و صحّ قولنا بحل دماء الخارجين عليه، والّا فلا –

كان السيد احمد الهندى فى محرم سنة ثلٰث واربعين و مأتين والف مقيماً فى پنجتار واقعة بباغستان يوسف زئى بالارادة المذكورة قدطلب فيض الله خان ارباب عنده من پيشاور وكتب اليه فى هذا الباب و جاء جواب المكتوب من عنده بصحب الاميرعالم خان وكيل سلطان محمد خان رئيس پيشاور مع خطوط الاستمالة من جانبه فكتب اليه السيد رحمه الله الى فيض الله خان بهذه العبارة فى مكتوبه الطويل المرقوم فى السابع من المحرم المذكور:

آنچہ در مقام اختتام نامہ مودت شمامہ بقلم خلت توام ایں بیت حافظ شیرازی مرقوم بود

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتدراز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

بررائے فطانت پیرائے واضح ولائح بادکہ اگر مراد راز نہانی عزم ایں جانب بسمت پشاور بنا بر پاک کردن راہ مجاہدین ہندوستان از خس و

خاشاک ارباب نفاقِ وخارسنگ اصحاب عداوت و شقاق است ایں مقدمہ اصلا از اسرار مخفیہ نیست بلکہ روبروئے میر عالم خان اخوند زادہ وکیل سردار سلطان محمد خان این سخن بآواز بلند گفتہ ام و ہیچ نکتہ ازایں باب نہ نہفتہ واشارات ایں مقدمہ در سلک جواب رقیمہ کریمہ ایشاں ہفتہ آرے تعیین مدت نمودم یعنی بکدام وقت سرانجام ایں مہم خواہم کرد وبکدام ساعت درایں عبادت اتم سعی بجا آورد خواہم زیرا کہ سررشتہ ہر کار بدست قادر مختار است عزم اجمالی دارم و اتمام آں رااز درکاہ واہب العطایا امیدوارم پس وصول خبر ایں امر ظاہر وباہر......اشرف اصلا مستبعد نیست

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

واگر مراد از پنہانی حال عجز مآل مافقراء است کہ باوجود ایں بے سروسامانی وضعف وناتوانی بہ مقابلہ ارباب حشمت وثروت چالاک ام و در مخالفت اصحاب عزت ومکنت بے باک پس باید دانست کہ ہر چند مافقراء نہایت بے سروسامانیم اما از بندگان شاہ شاہان ایم بروعدۂ او فرحاں وشادانیم ودر اطاعت او کامیاب وکامرانیم برآیت کافی ہدایت **کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله** اعتماد کلی داراِیم و بر مضمون لطف مشحون **ومن يتوكل على الله فهو حسبه** توکل جبلی عدت مخالفین رااگرچہ بہزاران ہزار رسد وقوت معاندین رااگرچہ بمدارج بے شمار کشد در جنب عظمت مولائے خودہمیں کہ خس وخاشاک

ہم نمی اشاریم وہمرنگ مکس ناپاک ہم بخیال نمی آریم بالجملہ بندہ انقیاد شعاریم بافتح وشکست کار نداریم خیال اعانت اہل دین درسردارم و عزیمت اہانت متمردین پیش نظر ہر فرد نیزے کہ در ترکش می دارم درایں معرکہ خواہم انداخت وہر نرد تدبیرے کہ از تہ دل برارم برایں بساط خواہم باخت انواع منفعت ونصرت بمن رسد بایکے دیگر خواہ تاج شہامت

برسریابم خواہ خلعت شہادت دربرزیادہ۔

والسلام مع الاکرام

مرقوم ہفتم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ

وكنت فى هذا الحين بشرذمة قليلين مقيماً بموضع اسپين تنک من پشاور وقد كتبت الى السيد المرحوم قبل ذلک بالاصلاح فيمابين الرؤساء او القدوم بالاستعجلال فى نواحى پيشاور وكان السيد المرحوم كتب الى ان اقيم الناس واخذ بيعة من سكان مواضع آفريده فاخذت عهود البيعة منهم وكاتبت بينى و بينهم وارسلت نقول المعاهدة الى السيد رحمه الله وكتبت ان اسرّ ذلک الخبر وكان عند السيدرجل يسمّى سيد شاه يقال انه كان عيناً مخفياً من جانب رئيس پشاور وكان فيض الله خان ارباب موافقاً بنافى الباطن فاشارالى السيد فى مكتوبه بالبيت المذكوران سركم باخذالبيعة من سكان مواضع آفريده فشى على رؤساء پيشاور ولم يفهم السيد رحمه الله ذلک بل كتب الى ايضاً اني جعلت وكيل رؤساء پيشاور مايوساً فالآن هم لايالونكم خبالاً وارسل اليّ نقل المكتوب الذى بلّغه سلطان محمد خان اخويار محمد خان من پشاور و نقل مكتوبه الذى رقمت عبارته ايضاً فلمّا فشى ذلک السرعلى الرؤساء جمعواالفوج فى موضع اذاخيل لمقا تلتنا و تحيّرفى امرنا فيض الله خان ارباب وتنغّص الرؤساء تنغّصاً شديداً والسيد مع سوء التدبير مقيم بموضع پنجتار لايتحرّک الى پيشاور ولايقدرعلى منع اعد ائنا يكتب الينا ان ائتونى بمحافظة تامة والاعداء قدسدّوا سبيلنا من اربع جوانب، ففى ذلک الحال جاء فيض الله خان ارباب من جانب رئيس پيشاور عندى و قال:

يقول يارمحمد خان ارجع الى ديارک ولاتقم فى ملكنا والا قاتلناک و عيننى الخان المذكور على هذه المقاتلة فجئت اليک يا سيد باشاه مافعل:

قلت فى جوابه:

ان شئتم ان تحشروا مبيضة الوجوه فلا تعرضوا اسبيلى المجاهدين و ان اردتم ان تكونوا مسودة الوجوه يوم القيامة فافعلوا ما تؤمرون من عندغيرذى الجلال ونحن باحدى الحسنيين فى كل حالٍ.

فوقع فيض الله خان رحمه الله على رجلى وقال:

فدا باد جان من درعوض شما سادات ہر چہ خواہد شد برسر ما خواہد شد شما ازراہ دریائے نوشہرہ پار شوید برجالہ وکشتی ہارا انتظار مکند-واقسم بالـلّه انى لمن الموافقين فى الباطن اريد ان يقام الجهاد واِلّا ماتركتک تلاقى السيد احمد لكنّى اظنّ اَنّ السيد لايعمل برأيک فتعود الى بلادک ولايقام الجهاد.

فبالجملة و صلنا الى السيد احمد رحمه الله بموضع پنجتار وقد ارسل السيد مولانا اسماعيل الى پكلى دمتوڑ و هذا ايضاً كان خلاف المشورة ناشياً من سوء التدبير على مراد سيد شاه المذكور. فلمّا شاهدت حال مجلس السيد رحمه الـلّه علمت باليقين ان الامرلا يتم بهذا الرجل بل تفطنت انّ العلماء سيقتلون فى معارک الاختلاف والجهلاء يتمذهبون بما يقول السيد من كشوفه و معارفه على خلاف ماذهب اليه جمهورالعلماء فى باب الجهاد الشرعى فقلت فى الخلوة:

ياسيداه! الجهاد لايكون اِلّا بالشورىٰ وامرالجهاد اكبرالامور الشرعية وبناء الحرب على الخدعة وانت مخدوع لاخادع، فاوّل الحيل عندى ان تقيم بهذا المقام لاتخالف احداً من سكان هذه الديار ولاتظهرماتريد حتى يأتيک اثنا عشرالفاًمن رجال اشراف الهند فلمّا اجتمع هذا القدرمن المجاهدين الهنديين غرباء الوطن الصابرين فاحكم على هذه المواضع و قل لهم قاتلوا الكفاربامو الكم وانفسكم لله تعالىٰ ولا تقل انّى اميرالمؤمنين خليفة الله فى الارضين يجب طاعتى على كافة النّاس فان هذه المقالة العجيبة توحش الرؤساء والعقلاء فلما رأى السيد منّى هذه الحالة وسمع المقالة قال لى:

انت تخرّب الامر الذى حسنته فلتكن منک طاعة سامعاً ساکتاً مثل سکوت هذا الجبل عندی.

قلت: لایکون منه مثلی هذا الحال لانّ الاغماض من حسن المشاورة حرام علی المسلمین فی هذه الامور فان اردتّم منی هذا افلا یمکن لی ان اطیعکم فی هذا فلا یجوزلی ان اقیم معک فی هذه الدیار نظراً الی الاصلاح فیمابین المسلمین فالواجب علی بهذا النظرَانْ افارقک ولا یعلم الناس بالاختلاف فرخّص لي فی المراجعة الی الهند واکتب المکاتیب الی روساء الهند بصحبی فانی ارغّبهم الی اطاعتک وان علموا ان هٰذا المشتاق راجع من عنده منغّصاً تنفّرمنک العقلاء و تتکبّر علی الجهلاء فلایکون لی ولک وللناس خیراً.

فلما قلت ذلک فی الخلوة افشی السید رحمه الله بان من ذهب من عندی الی وطنه مراجعاً فقد ذهب ایمانه.

فلما شاهدت سوء التدبیر فی ذلک الامرایضاً، قلت:

ان اردتم الاستعجال ولا یلیق بهذا الا مرالاستعجال، فالصواب ان تجعلنی وکیلاً منک الی رؤساء پشاور واکتب لهم لا تمنعوا الناس اطاعتی ولا تعرضوا سبیل المجاهدین المسافرین الذین یجیئون الیّ.

فقال: هذا الامرلا یصلح عندی فان یار محمد الذی لیس فی قلبه ذرة ایمان یقتلک فی الفور.

فقلت: ان قتلنی تغلب علیه حجتک القتال وبدون السئوال والجواب علیٰ الطریق المعقول لایجوزلکم قتالهم لانّهم حکام هذه الدیارقبلکم، فلم یجب.

فلمارأیت ذلک قلت:

وکّلْنی الی کلب لاهور واکتب الیه ان سنة القتال فیمابیننا معشر المسلمین ان نرسل الی المعاندین وکیلاً بالاسلام اوقبول الجزیة منهم فهذا

وكيلي ورسولي اليک ارسل جواب مکتوبی الی بواسطة هذا.

قال السيدرحمه الله: لاافعل ذلک فانه يضحک علينا واضحاک الكافرعلى المسلمين لايجوزعندی.

فلما شاهدت ذلک الحال علمت ان اقامتی هنالک توجب الفساد والتخريب العاجل فترخصت من عنده، فلمارأی السيد رحمه الله تصميم ارادتی بالمراجعة وراجع اكثر من معی بلا اذنه و بلا اذني كتب المكاتيب وهی ثمان وعشرون كتاباً منها الی ابی النصر معين الدين محمد الاكبر سلطان الدهلی سلمه الله و منها الی النواب احمد بخش خان صاحب التمغاء فيروزپور غفر الله له ومنهاالی مولانا ابی سليمان اسحاق نبيسة مولانا عبدالعزيز قدس سره و منها الیٰ الشيخ ابی سعيدنالمجد دی رحمه الله و على هذا القياس كانت المكاتيب الی رؤساء الهند و علماء ها.

فلمّادخلت پيشاور و عظّمنی يار محمد خان واضافنی عنده لمكانة السيادة و بعت ثلثة جمالٍ فی پيشاور مصرف الاخراج الضرورية وسمع بذلک السيد رحمه الله قال ماقال فی الناس وارسل الیّ ان ائتنی بالمكاتيب وان لم تأتنی بها ارسلها الیّ فانّی لاا كتب الی احد من اهل الهند فی الحال.

فلمارأيت ان السيد يفعل مايقول له سيد شاه عين يار محمدخان ولا عبرة عنده الّابقوله والّابفعله ارسلت المكاتيب بيدالحاجی هاشم خان الپيشاوری اليه رحمه الله و تخففت من ثقلها و كتبت الجواب لخطّ مولانا ابی عمر اسماعيل رحمه الله من پيشاور اليه بپنجتار وكان مراجعة مولانا اسماعيل رحمه الله من پكلی الی پنجتار بلا نيل المقصود مع سيد شاه المذكور حسب الطلب من السيد احمد رحمه الله بعد وصولی بپيشاور فكتب الیّ بتأسّفه علی مراجعتی بدون الملاقاة فكنت فی هذه الاوقات مريضاً بشدة الحمی و اطلاق البطن فلم استطع ان اذهب اليه رحمه الله فلما افقت من

المرض كنت نقيهاً و ذهب مولانا اسماعيل مع السيد احمد رحمه الله الى جبال ساكوت وهى صعبة بعيدة جداً فراجعت الى الدهلى حزيناً ولم الق مولانا اسماعيل رحمه الله ولكن لقيت مولانا عبدالحى الصديقى رحمه الله فى پنجتار كان مريضاً بالحكة فمات رحمه الله فى السابع اوالثامن من شعبان سنة ثلٰث واربعين و مأتين والفٍ و دخلت فى الدهلى يوماالخميس خامس الشهرالمذكور.

وسمعت بمكتوب جاء من عند مولانا عبدالحى رحمه الله فى شكايتى على اهل الهند يوم الجمعة لكن اخفاه مولانا ابوسليمان اسحاق سلمه الله لدفن الفتنة و اما تتهالٰكن الجهلاء مثل مؤمن خان الكشميرى وامام على فارسى خان بلرانوى وغيرهما كتبوامن الدهلى الى مولانا اسماعيل رحمه الله باكاذبيهم في ان السيد احمد يقول فيه المراجعون بعدم لياقة الامامة وهو كذا و كذا يعدّون عيوبه و يقولون لاجهاد بل هوفساد و انا بريء من هذا القول و هٰولآء لم يلا قونى فكتبوا فى مكاتيبهم ان المحبوب لرئيس هٰولآء فكتب مولانا اسماعيل فى جوابهم مكتوباً فى اثبات امارة السيد احمد على كافة اهل الاسلام و جواز هتک حرمة من هتک حرمته و جواز قتله عنده و لكنه استثنى نفسى والامير امان علوى و كتب فيه ان السيد محبوب على سلمه الله عندى ليس من الذين قالواذلک بل اعلم له حميّة الاسلام والله اعلم.

فالحق ان حبّ الجاهلين بالعلماء والا مراء خرّب الديارو ودعها بلاقع وكان هذا المكتوب جاء فى الدهلى سنة اربع واربعين ومأتين والفٍ و نقل المفسدون نقول وارسلوها الى البلاد و اكثر وافيها الفساد اعنى ادخلوافى سطور مكتوبه خبث باطنهم واهلكواالناس فى بغض السادات بنى فاطمه فبعضهم ابغضونى وانا منهم و بعض الجهلاء ابغضوا سيد المجاهدين و زعموهم مفسدين وكل ذلک حرام و تخريب لنظام الملة.

فالواجب على الناس فى هذا الباب ان يد عوا دعاء الخير للمجاهدين حيث كانوا واين كانوا ومتى كانوا و ترحمواعلى السيد احمد رحمه الله فانّهاوّل من رفع علم الجهادفى سبيل الله وفاز بمقابلة الكفار.

فاختلف فى شهادته بقول بعض المعتقدين فقيل انّه حىّ اخفتى فى الجبال التى سكنت فيها قوم گوجريد عواللّه و يبكى بحضور القلب ان يعينه الله بالامداد الغيبى و قيل انّه استشهد بعد شهادة مولانا ابى عمر اسماعيل فى اليوم الواحد من تواريخ ذى القعدة عند بالاكوت ضلع دره كنارعلى يد كفار سكه وقال السيد كرم على حافظ القرآن بقى السيداحمدبعدمولانااسماعيل رحمة الله عليهما اثنين وعشرين يوماًثم استشهدفى الصلوٰة وجزرأسه وارسل الى حاكم لاهور سنة ست واربعين ومأتين والفٍ ثم القائلون بحيٰوته يقول بعضهم و منهم القاسم الكذاب پانى پتى ومن سلك مسلكه يقولون مَنْ زعم انّ السيد قدمات وجازان يكون امير المومنين غيره فقد ضلّ ضلالاً مبيناً.

وهذه العلة من امراض القلوب القاسية نعوذ باللّه من شرورها و الشيطان عدوّالله و عدوّعباده المخلصين يودّ انّ الناس مادعوالله له بالا ستغفار والمرحمة بتلك الفتنة الخبرية الاختلافية، فلو فعل السيد رحمه الله ذلك الاختفاء فى حيٰوته لكان خاطئاً عندى لانّ الاختفاء هذا لا يفيد فى ظهور الجهاد بل يضرّه ضرراً بيناً و اضحاً والعمل فى الجهاد على الآيات المحكمات الظاهرة والا حاديث المشهورة الباهرة لا على الالهامات القاصرة والخيالات الشاعرة فلا يصلح اخرالأمّة الا ما اصلح اولها وهوا اتباع رسول الله صلى اللّه عليه وسلم فى الجهاد على طريق الفقهاء و العلماء الظاهرين بالا فواج القاهرة والجنود الظاهرة كما اشارالى ذالک الله تعالى وتقدس فى كلامه القديم حيث قال عزمن قائل:

وَاَعِدّوْالَهُمْ مَّاسْتَطَعْتُم مِنْ قُوّة وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبونَ بِه عَدُوَّاللّه

وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ.

والظاهر انّ التصوف والاختلاط بالمتصوّفة حالة قصور العلم الشرعى فساد على فساد.

* * *

متن مخطوطہ کا ترجمہ

اس وقت پیشاور کے اطراف میں سید احمد (رائے بریلوی) مجاہدین کے امیر تھے اور ان کے ساتھ مولانا ابوعمر (۱) اسماعیل بن عبدالغنی رحمہ اللہ (شاہ اسماعیل دہلوی) ان کے قافلے کے سالار اور مولانا عبدالحئ (بڈھانوی) رحمہ اللہ منصوبہ بندی کے مشیر تھے اور ہندوستان، سندھ اور خراسان کے کثیر علما ان کے ساتھ تھے۔

میں بھی کفار کے خلاف جہاد کی نیت سے چار سو لوگوں کے ساتھ ۱۷ر شعبان ۱۲۴۲ھ کو دہلی سے ان کے پاس جانے کے لیے نکلا۔ رمضان میں ہم بہاول پور میں رہے اور عید الضحیٰ کی نماز ہم نے کنڈہ میں پڑھی، یہ جگہ پیشاور کے اطراف میں ہے، پھر ہم ماہ صفر کے آخر ۱۲۴۳ھ کو مجاہدین کے سردار اور ان کے آقا (سید احمد رائے بریلوی) کے پاس پہنچے۔ مولانا عبدالحئ (بڈھانوی) سے، جو ان میں بحر العلوم ہیں، ہم نے ملاقات کی۔ اس وقت شاہ اسماعیل رحمہ اللہ پکھلی میں تھے اور ان کے ساتھ وہاں محمد مقیم رامپوری اور ان کے ساتھی بھی تھے۔ (کچھ دنوں کے بعد) محمد مقیم زخمی ہو کر وہاں سے لوٹ آئے، جب کہ شاہ اسماعیل وہیں مقیم رہے۔ اس وقت یوسف زئی میں

---

(۱) غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''جماعت مجاہدین'' کے ضمیمہ نمبر ۶ر میں شاہ اسماعیل دہلوی کے فضائل میں مولوی محمد حسین فقیرؔ کا ایک طویل قصیدہ کچھ اشعار کے حذف کے ساتھ درج کیا ہے، یہ قصیدہ اس سے قبل صرف ایک مرتبہ ایک مختصر رسالے کے ساتھ شائع ہوا تھا، اس قصیدے کا پہلا شعر ہے:

پوچھئے نام تو ہم نام ذبیح اللہ تھے　　بوعمر تھے وہ اگر پوچھئے ان کی کنیت

بوعمر کے تعلق سے مہر صاحب نے حاشیے میں لکھا ہے کہ: ''(شاہ اسماعیل) کے فرزند ار جمند کا نام عمر تھا، لہٰذا ابوعمر ان کی کنیت ہوئی، لیکن شاہ شہید کے سلسلے میں اس کنیت کا ذکر کبھی نہیں سنا۔'' (جماعت مجاہدین، ص: ۳۰۹) مولوی محبوب علی کی مذکورہ تحریر سے اس کنیت کی توثیق ہوتی ہے۔

پنجتار کے علاقے میں ہم مجاہدین کے سردار (سید احمد رائے بریلوی) کے ساتھ تھے اور ان علاقوں کا رئیس فتح خاں یوسف زئی گویا سید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے وزیر کی حیثیت سے تھا-

رؤسائے پیشاور یار محمد خان درانی اور اس کے بھائی سید صاحب کے مخالف تھے- سید صاحب ان لوگوں سے مصالحت کی بجائے مقاتلہ (جنگ) کرنا چاہتے تھے- مسلمانوں کی ان دونوں جماعتوں (سید احمد رائے بریلوی اور یار محمد خاں کی جماعتوں) کے درمیان مجھے فتنے کا خوف محسوس ہوا- میں نے دیکھا کہ وہاں کاموں کی بنیاد مشاورت کی بجائے غیبی الہام پر ہے، جب کہ شرعی طور پر جہاد کے واسطے مسلمانوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ مشورے پر اس کا مدار ہو- یہ دیکھ کر میں سید صاحب سے، جو پنجتار میں تھے، وطن واپسی کے لیے رخصت ہوا، مگر بیمار ہونے کی وجہ سے عبدالحمید خاں ابن سید عبدالرحمٰن خاں شہید کابلی کے پاس مجھے تین ماہ پیشاور میں رکنا پڑا- پھر میں ان لوگوں سے بھی رخصت ہوا اور ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۳ھ بروز سنیچر پیشاور سے دہلی کے لیے روانہ ہوا- میرے ساتھ حافظ ابو محمد اسحٰق آنبلی افغان، سید زفر دہلوی، سید امیر علی نیپالی، عبدالرحمٰن بن شیخ ابو محمد حسین زہوتوی اور عبدالصمد میواتی تھے- راستے میں میں چمکنی میں رکا اور شیخ عمر کے مقبرے میں میرن شاہ ہندی کے قبر کی زیارت کی- میرن شاہ میرے دوستوں میں تھے، جن کی پہلی ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ میں وفات ہوگئی تھی، پھر میں ۲۱/ جمادی الاخریٰ کو خیر آباد میں ٹھہرا، جو قلعۂ اٹک کے سامنے دریائے اباسین کے کنارے واقع ہے- پیشاور سے خیر آباد ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے-

اس طرح ہم نے کامران میں حافظ عبدالغفار، مہورہ میں محمد حسن نجار ترکبان سے ملاقات کی، انھوں نے کہا ہے:

غیر شرع کو پیر کہاون   سڑی مریدن دوزخ جاون

اور کوٹ کے قریب شچوں میں محمد خان اور شیخ عبدالوہاب سے نیز کنڈہ کاسہ میں حافظ غلام رسول سے ملاقات کی، جو............شاہ نقش بندی کے خلفا میں تھے-

انھوں نے مجھ سے دعائے حزب البحر کی اجازت چاہی اور مجھے دعائے سیفی کی اجازت دی- پھر ہم نے محمد احسن ابن مولانا محمد حسین سے کملیال میں ملاقات کی، جو سنی عالم وزاہد ہیں، وہ

(مولانا محمد حسین) کسی دوسری جگہ تھے، مگران کے بیٹے (محمد احسن) سے ملاقات میں میں نے ان کے علم اور زہد کو جانا، کیوں کہ لوگ اپنے اصحاب کے ذریعے جانے جاتے ہیں- ڈھلہ میں حاجی فتح محمد نعال اور امام مسجد فتح شاہ، جو موضع جہان خاں کے سردار ہیں، اور بلو میں حافظ شمس الدین سے ہم ملے- ۲۵/ جمادی الاخریٰ کی رات ہم لوگ جسوال میں رکے اور وہاں سادات ہمدانیہ سے ہم لوگوں نے ملاقات کی، جو امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق کی اولاد میں تھے اور ان کے بھائی اور رشتہ دار ہزنی آلی میں ہیں جو کنڈہ کاسہ اور ڈھلہ کے درمیان ہے اور ۲۶/ جمادی الاخریٰ کی رات کوس میں رکے، پھر ۲۷/ جمادی الاخریٰ کو احمد خان راجہ کے گھر پیران کوٹ میں اور ۲۷/ جمادی الاخریٰ کو جلال پور میں، جو دریائے جہلم سے ایک میل کے فاصلے پر ہے، اس کو ہم نے عبور کیا اور ڈھوک پہنچے، پھر سروانی، اس کے بعد ۳۰/ جمادی الاخریٰ کو ہم رسولنکر پہنچے اور قاضی امام الدین کی مسجد میں ٹھہرے- پھر رجب کی پہلی تاریخ کو کلاسکہ میں کاتب قرآن شیخ قادر بخش کی مسجد میں، یہ بہت عابد و صالح انسان ہیں- ۱۱/ رجب کو ہم عنبر سار پہنچے اور بہت زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے وہاں تین رات اور دو دنوں تک رکے رہے- پیشاور اور عنبر سار کے درمیان ۱۶۹/ میل کی مسافت ہے- پھر ہم ۱۳/ رجب کو مانا والہ کے لیے وہاں سے نکلے اور نور محمد نوربافت کے گھر قیام کیا، جو دین دار غریبوں سے محبت کرنے والا انسان ہے-

۱۵/ رجب کو ہم نے دریاے ویاس اور ۲۰/ رجب کو دریائے ستلج عبور کیا اور ہم قصبہ لدھیانہ پہنچ گئے اور شجاع الملک چھاؤنی میں ہداد خاں کے گھر ہم فروکش ہوئے اور وہاں دو راتیں اور ایک دن قیام کیا- ۲۲/ رجب کو ہم لدھیانہ سے نکلے اور سرلی لشکر خان پہنچے، پھر ۲۳/ رجب بروز سنیچر ہم سرہند پہنچے اور امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ ابوالبرکات بدرالدین احمد سرہندی کے مرقد مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ ابومحمد معصوم قدس سرہ کی مسجد میں ہم نے رات گزاری، وہاں شیخ لالہ موجود نہیں تھے، مگر مسجد میں رہنے والے کلاب شاہ اور حاجی شاہ نے ہماری عزت و توقیر کی اور ہماری آمد پر خوشی کا اظہار کیا- سرہند میں ہم نے تمام مشائخ مجددیہ خصوصاً حضرت معصوم (۱) اور

---

(۱) حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے اور خلیفہ عروۃ الوثقی حضرت شیخ محمد معصوم (ف: ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸) جن کے ذریعے ہند و بیرون ہند سلسلۂ مجددیہ کو وسعت ملی- **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

حضرت زبیر کی قبروں کی زیارت کی۔ قبروں پر تعمیر کے علاوہ ہم نے وہاں کسی قسم کی بدعت نہیں دیکھی، کیوں کہ امام ربانی نے خود ہر قسم کی بدعت سے منع فرمایا تھا۔ پھر ہم ۲۴؍رجب پیر کے روز سرہند سے نکل کر سرائے بنجارہ پہنچے، منگل کو انبالہ، بدھ کو شہباز اور ۲۷؍رجب بروز جمعرات تھانیسر۔ وہاں ہم نے شیخ جلال فاروقی تھانیسری اور شیخ عبدالکریم چلی کی قبروں کی زیارت کی۔ ۲۸؍رجب کو ہم فوجی چھاؤنی کرنال پہنچے، وہاں جمعہ کی نماز ادا کی اور ۲۹؍رجب تک وہاں قیام کیا پھر پہلی شعبان اتوار کے دن کرنال سے نکلے۔ اسی دن ہم سے حافظ اسحٰق آنبلی اور ان کے رفیق نورخان رام پوری رخصت ہوئے، پھر ہم پانی پت پہنچے، وہاں مشائخ کی قبروں کی ہم نے زیارت کی۔ اسی طرح ۲؍شعبان کو سرائے سہالکہ، ۳؍شعبان کو سونفت، جہاں امام ناصرالدین کے مزار کی زیارت کی اور ۴؍شعبان بروز بدھ ہم نریلہ پہنچے اور ۵؍شعبان ۱۲۴۳ھ کو ہم دہلی (شاہ جہان آباد) میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ راقم السطور اس سفر میں بیمار ہو گیا تھا۔

جب ہم جمعہ کے دن مولانا ابوسلیمان اسحاق فاروقی سلمہ اللہ (۲) کی درس گاہ میں گئے جو اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل ہیں، تو ہم نے بعض لوگوں کے چہروں پر اپنے لیے ناگواری اور نفرت دیکھی، کیوں کہ سید احمد نے (ہمارے پہنچنے سے قبل ہی ہمارے تعلق سے) انہیں خط لکھ دیا تھا کہ یہ لوگ ہماری مخالفت کر کے ہماری اجازت کے بغیر اپنے وطن لوٹ گئے ہیں۔ ہم نے سمجھ لیا کہ سید احمد کا مذکورہ خط بھی ان کی دوسری تدابیر کا حصہ ہے تو ہم کچھ عرصے کے لیے خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ (دہلی کے) بعض مفسدوں کے جواب میں مجاہدوں کے قافلہ سالار شاہ اسماعیل دہلوی نے

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) آپ کے خلفا کابل، پشاور اور ننگرہار کے علاقے میں بہت تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر آپ کا بہت قدرداں تھا۔ (رودکوثر، شیخ محمد اکرام، ص:۳۳۶-۳۳۷)

(۲) شاہ اسحٰق محدث دہلوی (۱۷۸۲ء/ ۱۸۴۵ء) شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔ دہلی میں علم حدیث کی تدریس و اشاعت کے علاوہ تحریک جہاد کا تعاون اور سرپرستی بھی کرتے تھے۔ حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں: ”سید صاحب نے فراہمی زر کے جو مراکز بنائے تھے، ان میں سب سے بڑا مرکز دہلی میں تھا، جس کے انتظام کے ذمہ دار شاہ محمد اسحٰق اور شاہ محمد یعقوب تھے۔ (حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ص:۶۲) مزید لکھتے ہیں: ”پورے ملک سے جو مجاہدین آتے تھے وہ دہلی میں ٹھہر کر وہاں سے راستہ اور زادِ راہ کے سلسلے میں ہدایات اور سید صاحب کے نام پیغام لے کر آگے بڑھتے تھے۔“ (ایضاً، ص:۶۵)

پنجتار کے اطراف سے جہان آباد (دہلی) کے لوگوں کو خط لکھا جس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ تمام مسلمانوں پر سید احمد رحمہ اللہ کی اطاعت ثابت ہے اور جو ملک میں ان کی بیعت امامت سے انکار کرے اس کا قتل جائز ہے- تو جب ان مفسدین نے اعلان کرنے کے لیے اس خط کی نقل کو مختلف علاقوں میں بھیجا اور دہلی میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ علاقہ یوسف زئی میں مقیم امیر المومنین سید احمد سے (مخالفت کرتے ہوئے) لوٹے ہیں، جہاں ملیں، ان کی تذلیل اور ان کا قتل جائز ہے- ہم نے مفسدین کو زبانی کہلا بھیجا اور تحریری طور پر رد میں ایک رسالہ لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

> اے پرہیز گارو! جان لو کہ وہ امام جس کے باغی کو قتل کرنا جائز ہے، یہ وہ امام ہے جو امیر المومنین ہو، اور ارباب حل وعقد نے اس کی نصرت وحمایت پر اجماع کیا ہو- اور شریعت کے اوامر ونواہی میں اس کی اطاعت کا اقرار کیا ہو، اگر بلاد اسلامیہ میں اس کی حکومت قائم ہو اور کوئی اس جیسا اس کے مقابل نہ ہو، اور وہ مجتہد ہو، خواہ قرشی ہو یا نہ ہو- اور اس کی لیاقت کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کامل مدبر اور بہادر ہو- یہاں ارباب حل وعقد سے مراد جمہور علمائے اسلام اور عسکری فوجوں کے امرا ہیں- ان میں اکے دکے کی مخالفت کا اعتبار نہیں-
>
> ان باتوں کو دیکھتے ہوئے سید احمد رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جن کا باغی واجب القتل ہوتا ہے- اگر ایسا ہوتا تو اہل سنت وجماعت ان علما کی تذلیل وگمرہی کا حکم دیتے جو امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ سے موافقت نہیں رکھتے -
>
> یہ حق ہے کہ سید احمد نے اللہ کے راستے میں جہاد کا ارادہ کیا اور کچھ نیک بختوں نے اس اچھے ارادے میں ان کی پیروی کی اور وہ کافروں سے لڑے، کافروں کا قتل کیا اور خود بھی اللہ کی راہ میں مارے گئے اور جب سید صاحب نے اس بات کا اظہار کیا کہ میں امیر المومنین اور تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہوں تو آپ کے ساتھ شامل بعض مجاہدین متنفر ہوئے اور دوسرے بعض اظہار کے بعد بھی آپ کے ساتھ رہے، لیکن اس علاقے کے باشندے جو کہ مسلمان ہیں سید صاحب

> کے اس اعلان کے بعد آپ سے لڑے، ان کو ڈر رہا کہ ان کا ملک ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور سید احمد کا کہیں ان پر تسلط نہ ہو جائے، لہٰذا انھوں نے سید صاحب سے قتال کیا، اور جناب سید نے اعلان کیا کہ ہم سے لڑنے والے منافق ہیں، ان کا خون اور ان کا مال ہمارے لیے حلال ہے- لہٰذا سید صاحب کے لوگوں نے مقتولین کے اموال میں مالِ غنیمت کی طرح تصرف کیا- یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سید احمد خلافت کے لائق نہیں- اس لیے سب نے بیعت توڑ دی اور کہا کہ ہم کسی امر میں تمھاری پیروی نہیں کریں گے اور انھوں نے انھیں اپنے علاقے سے نکال دیا تو سید احمد رائے بریلوی اپنے رفقا کے ساتھ ان کے علاقے سے نکل گئے اور انھوں (سید احمد اور ان کے رفقا) نے کہا کہ یہ لوگ مباح الدم ہیں اور اگر ان پر قدرت ہو تو انھیں قتل کر کے ان کا مال لے لینا جائز ہے- پھر کچھ دوسرے لوگ کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لیے سید صاحب کے پیچھے ہو لیے، اُس خلافت وامامت کی نیت سے نہیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے لیے تھی- اور اگر کوئی اس کا قائل ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ دلیل پیش کرے-
>
> خلاصہ یہ کہ سید احمد مرحوم کو یہ حق تھا کہ وہ پوری دنیا کے فوجی امیروں اور علمائے اسلام پر اس ارادے کے اظہار کے ساتھ اپنے علم واجتہاد کو پیش کرتے، پھر اگر اس صریح ارادے پر جمہور علمائے عصر اور فوجی حکام، جن میں سلطان محمود رومی بھی شامل ہیں جو سید احمد ہندی (رائے بریلوی) کے ظہور کے پہلے سے شرعی جہاد اور کفار سے جنگ کر رہے ہیں، ان کا تعاون کرتے اور ان سے بیعت کرتے، تب ایسی صورت میں مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہو جاتی اور ہمارے لیے یہ کہنا صحیح ہو جاتا کہ ان (سید احمد) کے باغی مباح الدم یا واجب القتل ہیں، ورنہ نہیں-

سید احمد ہندی محرم ۱۲۴۳ھ میں قصبہ پنجتار میں مذکورہ ارادے (خلافت وامامت) کے

ساتھ مقیم تھے، جو یاغستان یوسف زئی میں واقع ہے، انھوں نے فیض اللہ خاں ارباب (۱) کو پیشاور سے اپنے پاس طلب کیا اور انھیں اس سلسلے میں خط لکھا- فیض اللہ خاں کی طرف سے امیر عالم خاں کے ساتھ، جو سلطان محمد خاں رئیس پیشاور کے وکیل ہیں، جواب آیا- ان کے ساتھ وہ خطوط بھی تھے، جو سید صاحب کی طرف سے لکھے گئے تھے تو سید احمد رحمہ اللہ نے اپنے طویل مکتوب میں اس عبارت کے ساتھ فیض اللہ خاں کو خط لکھا- یہ خط اسی ماہ محرم کی ساتویں تاریخ کو لکھا گیا ہے:

> آپ کے محبت نامے کے آخر میں جو آپ کے محبت آمیز قلم سے حافظ شیرازی کا یہ شعر مرقوم ہے:
>
> مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
> ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست
>
> فکر عالی پر واضح ہو کہ اگر اندرونی راز سے مراد پشاور کے سلسلے میں ہندوستان کے مجاہدین کی راہ کو منافقین (سرحدی مسلمانوں) کے خس و خاشاک اور معاندین واہل شقاق کے سنگ ریزوں سے پاک کرنے کے تئیں ہمارا عزم و ارادہ ہے تو یہ بات اصلاً اسرار مخفیہ میں سے نہیں ہے، بلکہ میر عالم خاں اخوند زادہ وکیل سردار سلطان محمد خاں کے روبرو اس بات کو میں نے با آواز بلند بیان کر دیا ہے اور اس باب کا کوئی نکتہ پوشیدہ نہیں ہے اور اس مقدمے کے اشارات تحریری جواب میں بھی موجود ہیں- البتہ میں نے وقت کا تعین نہیں کیا ہے کہ اس مہم کو میں کس وقت سرانجام دوں گا اور کس وقت اس عبادت میں کوشش کروں گا، کیوں کہ ہر عمل کا سررشتہ قادر مختار کے ہاتھوں میں ہے- میں اپنا اجمالی عزم رکھتا ہوں اور اس کی تکمیل کے لیے بارگاہ واہب العطایا سے امید

---

(۱) پشاور کے قریب علاقہ ہزار خانی کے رئیس تھے- سلطان محمد خاں رئیس پیشاور نے انھی کے ذریعے سید صاحب کے پاس مصالحت کا پیغام بھیجا تھا- سید احمد رائے بریلوی اور ان کی جماعت کے بہی خواہ اور معاون تھے- انھوں نے سید صاحب کی امامت وخلافت کے مسئلے میں رؤسائے سرحد اور سید صاحب کے درمیان اختلافات کو فرو کرنے کی کافی کوششیں کی تھیں- (جماعت مجاہدین، ص:۲۷۴-۲۷۵)

وار ہوں- لہٰذا اس امر ظاہر و باہر کی خبر کا آپ تک پہنچنا بالکل مشکل نہیں ہے-

نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

اور اگر اندرونی حال سے مراد ہم فقیروں کی بے مائیگی ہے کہ تمام تر بے سروسامانی اور ضعف و ناتوانی کے باوجود چالاک ارباب حشمت وثروت کے مقابلے میں ہوں اور اصحاب عزت وتمکنت کی مخالفت میں بے باک ہوں، تو جاننا چاہیے کہ ہر چند کہ ہم فقرا نہایت بے سروساماں ہیں، ہم سب بادشاہوں کے بادشاہ کے بندے ہیں، اس کے وعدے پر خوش وخرم ہیں اور اس کی اطاعت میں کامیاب کامران ہیں اور آیت ہدایت: كَمْ مِنْ فِئَة قَلِيْلَة غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاذْنِ اللّٰهِ پر کلی اعتماد رکھتے ہیں اور وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبه پر فطری توکل رکھتے ہیں- مخالفین کی تعداد اگر چہ ہزار ہا ہزار ہو اور معاندین کی قوت چاہے جتنی بڑھ جائے اپنے مولیٰ کی عظمت وجلالت کے سامنے اسے خس وخاشاک بھی نہیں سمجھتا اور ناپاک مکھی کے برابر بھی اسے اہمیت نہیں دیتا-

الحاصل! بندے کو اطاعت سے سروکار ہے، اسے فتح وشکست سے کوئی مطلب نہیں، سر میں اہل دین کی نصرت وحمایت کا سودا ہے اور سرکشوں کی تذلیل پیش نظر ہے، اپنے ترکش کا ہر تیر اس معرکے میں میں چلاؤں گا اور اس بساط پر دل کے اندر موجود تدبیر کے ہر پیادے کو ڈال دوں گا- نفع ونصرت خواہ میرے حصے میں آئے خواہ کسی اور کے حصے میں، میرے سر تاج شجاعت سجے یا خلعت شہادت سے شادکام کیا جاؤں-

فقط والسلام مع الاکرام

محررہ: ۷/محرم الحرام ۱۲۴۳ھ

اس وقت میں ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ پشاور کے علاقے اسپین تنک میں مقیم تھا- اس سے پہلے میں سید مرحوم کو خط لکھا چکا تھا کہ رؤسا کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کو دور کریں یا

جلد پشاور کے اطراف میں تشریف لائیں-جس کے جواب میں انھوں نے مجھے لکھا کہ میں لوگوں کی اصلاح کروں اور علاقۂ آفریدہ کے لوگوں سے (ان کی امامت وخلافت) پر بیعت لوں تو میں نے ان سے بیعت کا عہد لیا اور میرے ان کے درمیان جو معاہدہ طے پایا میں نے اسے لکھ لیا اور اس معاہدۂ بیعت کی نقل سید صاحب کو بھیج دی- میں نے انھیں لکھ دیا تھا کہ وہ اس خبر (معاہدۂ بیعت) کو راز میں رکھیں، کیوں کہ سید صاحب کے پاس سید شاہ نام کا جو شخص تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ رئیس پیشاور کا جاسوس ہے، جب کہ فیض اللہ خان ارباب اندر سے ہماری موافقت میں تھے، انھوں نے بھی مذکورہ بالا شعر(۱) سے اپنے خط میں سید صاحب کو اشارہ کر دیا تھا کہ علاقۂ آفریدہ کے لوگوں سے آپ کی بیعت لینے کا راز رؤسائے پیشاور پر کھل گیا ہے، مگر سید احمد نے اس اشارے کو نہیں سمجھا بلکہ مجھے یہ بھی لکھ دیا کہ میں نے رؤسائے پیشاور کے وکیل کو مایوس کر دیا ہے، اس لیے اب وہ آپ کے خلاف سازش میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے اور اس خط کی نقل کو مجھے ارسال کر دیا جس کو یار محمد خان کے بھائی سلطان محمد خان نے پشاور سے پہنچایا تھا اور اس خط کو بھی نقل کر لیا جس کو میں نے لکھا تھا-

تو جب رؤسا پر یہ راز کھلا تو انھوں نے ہم سے مقاتلہ (جنگ) کرنے کے لیے علاقہ اذاخیل میں فوج جمع کر لی-فیض اللہ خاں ارباب ہمارے معاملے میں متحیر تھے، جب کہ رؤسائے سرحد ہم لوگوں سے حد درجہ متنفر تھے اور جناب سید اپنے غلط منصوبے کے ساتھ پنجتار میں اقامت گزیں تھے- وہ نہ تو پیشاور کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور نہ ہی ہمارے دشمنوں کو روکنے کی طاقت رکھتے تھے، بلکہ (پنجتار سے) ہمیں لکھ رہے تھے کہ پوری حفاظت کے ساتھ ہمارے پاس آجاؤ- یہاں تک کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے ہمارا راستہ روک لیا- اس حالت میں فیض اللہ خاں ارباب رئیس پیشاور کی طرف سے پیغام لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ:

یار محمد خاں کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ملک کو چھوڑ کر تم لوگ اپنے وطن (ہندوستان) لوٹ جاؤ، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ- چوں کہ اس جنگ کے لیے یار محمد خاں نے مجھے متعین کیا ہے، اس لیے اے سید باشا! میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ میں کیا کروں؟

---

(۱) مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

جواباً میں نے کہا:

اگر تم میدان محشر میں سرخرو ہونا چاہتے ہو تو مجاہدین کے راستے کو مت روکو اور اگر روز قیامت سیاہ رو ہونا چاہتے ہو تو پھر غیر اللہ کی طرف سے تمھیں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ کرو- ہمیں تو بہر صورت دو میں سے ایک نیکی حاصل ہوگی، یہ سن کر فیض اللہ خاں میرے قدموں پر گر گیا اور کہا:

میری جان آپ پر فدا ہو- آپ سادات کے لیے ہم اپنی جان کی بازی لگا دیں گے، آپ پیدل دریائے نوشہرہ کے پار چلے جایئے اور کشتیوں کا انتظار مت کیجیے- خدا کی قسم میں اندرونی طور پر آپ کے ہم نواؤں میں سے ہوں، میں چاہتا ہوں کہ جہاد ہو، ورنہ میں آپ کو سید احمد سے ملنے کے لیے ہرگز نہیں چھوڑتا، لیکن میرا خیال ہے کہ سید احمد آپ کی رائے کو نہیں مانیں گے، نتیجے کے طور پر بغیر کسی جہاد کے آپ اپنے وطن (ہندوستان) لوٹ جائیں گے-

خلاصہ یہ کہ پھر ہم سید احمد کے پاس پنجتار پہنچے، جب کہ جناب سید نے مولانا اسماعیل کو پکھلی دمتوڑ کے علاقے میں بھیج دیا تھا- یہ کام بھی انھوں نے سید شاہ (جاسوس) کی آرزو کے عین مطابق اپنے غلط منصوبے کے تحت خلاف مشورہ کیا تھا- تو میں نے سید صاحب کی مجلس کا جب یہ حال دیکھا، سمجھ گیا کہ یہ کام ان کے بس کا نہیں اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ اختلافات کے جھگڑوں میں علما مارے جائیں گے اور جاہلوں کا مذہب سید صاحب کے کشوفات اور معارف ہوں گے جو کہ **باب الجهاد الشرعی** میں جمہور علما کے بیان کردہ طریقے کے خلاف ہوں گے- میں نے خلوت میں سید صاحب سے کہا:

اے میرے سید! جہاد کا مدار مشورے پر ہے اور جہاد امورِ شرعیہ میں ایک بڑا رکن ہے، لڑائی کا مدار دھوکے میں ڈالنے پر ہے- یہاں آپ خود دھوکہ کھا رہے ہیں، کسی دوسرے کو دھوکے میں نہیں ڈال رہے ہیں- میرے نزدیک پہلا حیلہ یہ ہے کہ آپ اس مقام میں اقامت فرمائیں، یہاں کے باشندوں میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت نہ کریں اور جو آپ چاہتے ہیں اس کا اظہار نہ کریں، جب تک کہ آپ کے پاس ہندوستان سے بارہ ہزار مجاہد نہ آجائیں- جب غریب الوطن صبر کرنے والے بارہ ہزار مجاہد آجائیں تو آپ ان مقامات پر حکومت کریں اور اعلان کر دیں کہ

اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کافروں سے جہاد کرو- آپ یہ نہ کہیں کہ میں امیر المومنین اور زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوں اور میری اطاعت تمام لوگوں پر واجب ہے، کیوں کہ یہ نرالی بات رئیسوں اور سمجھ داروں کو وحشت میں ڈالتی ہے-

میری اس بات کو سن کر سید صاحب نے کہا:

جس کام کو میں نے سنوارا ہے تم اس کو بگاڑ رہے ہو، تمہاری اطاعت خاموشی کے ساتھ سننے کی ہونی چاہیے، ایسی خاموشی جیسی اس پہاڑ کی ہے جو میرے سامنے کھڑا ہے-

میں نے کہا:

یہ بات مجھ جیسے شخص سے نہیں ہوسکتی کیوں کہ ان امور میں مسلمانوں کو صحیح مشورہ نہ دینا میرے نزدیک حرام ہے، اب جب کہ مجھ کو آپ خاموش رکھنا چاہتے ہیں اور میں خاموش نہیں رہ سکتا تو اصلاح فی مابین المسلمین کی وجہ سے مجھ پر لازم ہے کہ آپ سے الگ ہو جاؤں اور لوگوں کو اس اختلاف کی خبر نہ ہو، اور آپ مجھے ہندوستان جانے کی اجازت دے دیں- آپ رؤسائے ہند کو میرے ساتھ خط لکھ کر دے دیں تاکہ میں انھیں آپ کی اطاعت کی ترغیب دوں اور اگر وہ لوگ جان گئے کہ میں مکدر خاطر ہو کر آپ کے پاس سے لوٹ آیا ہوں تو عقلا آپ سے نفرت کرنے لگیں گے اور جہلا مجھ پر تکبر کریں گے تو یہ میرے، آپ کے اور لوگوں کے لیے بہتر نہیں ہوگا-

میری یہ بات سید صاحب سے تنہائی میں ہوئی اور جناب سید نے علانیہ یہ بات کہی:

جو بھی میرے پاس سے اپنے وطن کو لوٹ کر جائے گا اس کا ایمان گیا-

اس معاملے میں بھی میں نے ان کی بداندیشی کا مشاہدہ کیا- میں نے ان سے کہا:

آپ عجلت کر رہے ہیں، مگر اس معاملے میں عجلت مناسب نہیں- بہتر ہوگا اگر آپ مجھ کو اپنا وکیل بنا کر پشاور کے رئیسوں کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کو لکھ دیں کہ وہ لوگوں کو آپ کی اطاعت سے منع نہ کریں اور آپ کے پاس آنے والے مجاہدوں کا راستہ وہ لوگ نہ روکیں-

سید صاحب نے کہا:

میرے نزدیک یہ صورت مناسب نہیں ہے کیوں کہ یار محمد (رئیس پشاور) کے دل میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہے، وہ تم کو قتل کر دے گا-

میں نے سید صاحب سے کہا:

اگر اس نے مجھ کو قتل کر دیا تو اس کے خلاف آپ کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے گا- بلا سوال و جواب آپ کا ان سے قتال کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ لوگ آپ کی آمد سے پہلے کے یہاں کے حکام ہیں- یہ سن کر سید صاحب خاموش رہے-

جب میں نے یہ دیکھا تو کہا:

مجھے اپنا وکیل بنا کر لاہور کے کتے (سردار رنجیت سنگھ والی پنجاب) کے پاس بھیج دیجیے اور اسے لکھ دیجیے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے پاس ایک وکیل بھیجتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئیں یا پھر جزیہ دینا قبول کریں- اس لیے میرے اس وکیل اور قاصد کے ذریعے میرے خط کا جواب دو-

اس پر جناب سید نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، کیوں کہ وہ ہم پر ہنسیں گے اور مسلمانوں پر کافر کا ہنسنا میرے نزدیک جائز نہیں-

جب میں نے یہ حالت دیکھی، میں سمجھ گیا کہ میرا یہاں رکنا جلد ہی فتنہ و فساد کا موجب ہوگا، اس لیے میں نے سید صاحب سے رخصت لی- جب سید احمد نے مراجعت کے لیے میرے عزم مصمم کو دیکھا اور جو لوگ میرے ساتھ تھے ان میں اکثر لوگ ان کی اجازت اور میری مرضی کے بغیر میرے ساتھ ہندوستان واپس ہو لیے تو سید صاحب نے مختلف لوگوں کے نام متعدد خطوط لکھے، جن کی تعداد ۲۸ رہے- ان کے ان خطوط کے مکتوب الیہم سلطان دہلی ابو النصر معین الدین محمد اکبر، صاحب تمغا نواب احمد بخش خان فیروز پور، شاہ عبد العزیز کے نواسے مولانا ابو سلیمان اسحٰق، شیخ ابو سعید مجددی اور اسی طرح ہندوستان کے دیگر رؤسا اور علما تھے-

جب میں پیشاور آیا تو یار محمد خاں نے میری تعظیم و توقیر کی اور عزت و احترام کے ساتھ مجھے اپنا مہمان بنایا- میں نے سفر کے ضروری اخراجات کے لیے تین اونٹ فروخت کر دیے، اس کی خبر سید صاحب کو پہنچی اس پر ان کے دل میں جو آیا، لوگوں سے کہا اور میرے پاس یہ کہلا بھیجا کہ مکاتیب (۱) کے ساتھ میرے پاس آجاؤ اور اگر نہیں آؤ گے تو انھیں میرے پاس بھیج دو، کیوں کہ

---

(۱) وہ خطوط جو سید صاحب نے اہل ہند کے نام مولوی سید محبوب علی کو دیے تھے-

مجھے فی الوقت کسی ہندوستانی کو خط نہیں لکھنا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ جناب سید وہی کرتے ہیں جو یار محمد خاں کا جاسوس سید شاہ کہتا ہے اور انھیں اس کے قول و فعل پر بڑا اعتماد ہے تو میں نے حاجی ہاشم خاں پیشاوری کے ہاتھوں سید صاحب کو خطوط بھیج دیے اور ان کے بوجھ سے میں آزاد ہو گیا۔

پیشاور سے میں نے مولانا اسماعیل کے خط کا جواب لکھا، جو پنجتار میں تھے، کیوں کہ میرے پیشاور پہنچنے کے بعد سید صاحب کی طلبی پر مولانا اسماعیل، سید شاہ کے ساتھ ناکام و نامراد پکھلی سے پنجتار لوٹ آئے تھے۔ ملاقات کے بغیر میرے لوٹ جانے پر انھوں (شاہ اسماعیل) نے مجھے تأسف کا خط لکھا، اس وقت میں بخار کی شدت اور اسہال کی وجہ سے کافی بیمار تھا اور ان کے پاس ملاقات کے لیے جانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، جب میری طبیعت بحال ہوئی تو میں کافی کمزور ہو چکا تھا اور مولانا اسماعیل سید صاحب کے ساتھ ساکوٹ کے پہاڑ کی طرف نکل گئے تھے جو بہت دور اور کافی مشکل تھا۔ اس طرح میں مولانا اسماعیل سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے مغموم دہلی لوٹ آیا، لیکن مولانا عبدالحئ صدیقی (بڑھانوی) سے پنجتار میں میری ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ کھجلی کے مرض میں مبتلا تھے۔ ان کا انتقال ۷/ یا ۸/ شعبان ۱۲۴۳ھ میں ہوا۔

میں ۵/ شعبان جمعرات کو دہلی پہنچا۔ میں نے سنا کہ جمعہ کو اہل ہند کے نام میری شکایت پر مشتمل مولانا عبدالحی کا خط آیا ہے، مگر مولانا اسحٰق نے فتنے کو دفن اور ختم کرنے کے لیے اس خط کو پوشیدہ رکھا۔ لیکن مومن خاں کشمیری (۱) اور امام علی فارسی خان بلرانوی اور ان جیسے جاہلوں نے

---

(۱) مومن خاں مومنؔ (۱۸۰۰ء/ ۱۸۵۱ء) دنیائے شعر و سخن کا ایک معروف اور نمائندہ نام ہے۔ مومن دہلی میں پیدا ہوئے، تاہم ان کے آبا و اجداد کشمیری تھے۔ مومنؔ سید احمد رائے بریلوی کے مرید اور غالی عقیدت مند تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے: ”نوجوانی ہی میں مولانا سید احمد صاحب بریلوی کے مرید ہوئے...... خان صاحب انہی کے عقائد کے بھی قائل رہے۔“ (آب حیات، ص: ۴۰۹) مومنؔ کے کلیات میں ایک مثنوی جہادیہ ہے جسے مومن نے اس وقت کہا تھا جب سید صاحب سکھوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے، اس کے علاوہ سید صاحب کی امامت و خلافت پر دو قطعہ تاریخ بھی کہے، جن کے دو اشعار یہ ہیں:

وہ کون امام جہاں و جہانیاں احمد — کہ محض مقتدی سنت پیمبر ہے
زبس کہ کام نہیں اسے سوائے جہاد — جو کوئی اس سے مقابل ہو سو وہ کافر ہے

(گل رعنا، حکیم سید عبدالحئ لکھنوی، ص: ۳۰۲)

میرے تعلق سے اپنے کذب و افترا پر مشتمل ایک خط دہلی سے مولانا اسماعیل کو لکھا کہ وہاں (سرحد) سے لوٹنے والے سید احمد کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کے اندر امامت کی لیاقت نہیں ہے اور وہ ایسے ایسے ہیں- یہ لوگ ان کے عیوب شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جہاد نہیں، فساد ہے، جب کہ میں اس تہمت سے بری ہوں- ان لوگوں نے مجھ سے ملاقات نہیں کی اور اپنے خطوط میں لکھ دیا کہ اس گروپ کے لیڈر محبوب (مولوی سید محبوب علی) ہیں- مولانا اسماعیل نے ان کے جواب میں ایک خط لکھا، جس میں جمیع اہل اسلام پر سید احمد کی امامت کو ثابت کیا اور جو سید احمد کی توہین کرے، اس کی توہین اور قتل کو جائز لکھا- لیکن انھوں نے مجھے اور امیر امان علوی کو مستثنیٰ قرار دیا اور خط میں لکھا کہ سید محبوب علی سلمہ اللہ میرے نزدیک ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے ایسی باتیں کی ہیں، بلکہ میں ان کی غیرت اسلامی سے واقف ہوں، واللہ اعلم-

سچی بات یہ ہے کہ علما اور امرا سے بے خبر جاہلوں کی چاہت نے ملک کو ویران کر دیا اور اسے...... چھوڑ دیا ہے- یہ خط دہلی میں ۱۲۴۴ھ کو آیا تھا- مفسدوں نے اس کے نقول لکھے اور اسے ملک بھر میں تقسیم کیا اور فساد برپا کیا- یعنی اس مکتوب کے سطور میں اپنے خبث باطن کو بھی شامل کر دیا اور حضرت فاطمہ کی پاک اولادوں کی عداوت میں لوگوں کو ہلاک کیا اور ان میں سے بعض نے مجھ سے بھی بغض روا رکھا، کیوں کہ میں بھی اولاد فاطمہ سے ہوں- بعض جاہلوں نے سید المجاہدین سے بھی عداوت روا رکھی اور مجاہدین کو مفسدین گردانا، حالاں کہ یہ سب حرام اور ملت میں تخریب کے مترادف ہے-

اس سلسلے میں لوگوں پر واجب ہے کہ مجاہدین جہاں اور جیسے ہوں ان کے لیے دعائے خیر کریں اور سید احمد رحمہ اللہ کے لیے دعائے رحمت کریں، کیوں کہ انہی کی وہ شخصیت ہے جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے علم جہاد بلند کیا اور کفار سے جہاد کیا-

سید صاحب کی شہادت میں خود ان کے معتقدین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، ان کے بعض معتقدین کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور ان پہاڑوں میں جہاں قوم گوجر آباد ہے، روپوش ہو گئے ہیں، وہ دل سے روتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ غیبی امداد کرے- بعض کہتے ہیں کہ مولانا اسماعیل کی شہادت کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے- ایک ہی دن اور ذی قعدہ کے مہینے

میں بالاکوٹ ضلع درہ کنار کے پاس سکھ کافروں کے ہاتھوں دونوں کی شہادت ہوئی ہے- اور سید کرم علی حافظ قرآن کا بیان ہے کہ مولانا اسماعیل کے بائیس دن بعد جب کہ سید صاحب نماز پڑھ رہے تھے، شہید کردیے گئے اوران کا سر کاٹ کر حاکم لاہور کے پاس بھیج دیا گیا- یہ ۱۲۴۶ھ کا واقعہ ہے- پھر جو ان کے زندہ رہنے کے قائل ہیں، ان میں سے القاسم الکذاب پانی پتی اور اس کے ہم خیال کہتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ جناب سید کی وفات ہوگئی ہے اور دوسرے کے لیے جائز ہے کہ وہ امیر المومنین ہو جائے تو وہ کھلا ہوا گمراہ ہے-

یہ بد بخت دلوں کا مرض ہے- اللہ ہمیں ان کے شر سے بچائے اور شیطان، اللہ اور اللہ کے مخلص بندوں کا دشمن ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس مختلف فیہ فتنے کی وجہ سے لوگ سید صاحب کے لیے دعائے رحمت و مغفرت نہ کریں- اگر سید رحمہ اللہ زندہ ہوتے ہوئے بھی چھپے ہوئے ہیں تو وہ میرے نزدیک خاطی ہیں، کیوں کہ اس طرح چھپ کر رہنا جہاد کے لیے مفید نہیں بلکہ حد درجہ مضر ہے، کیوں کہ جہاد کا عمل واضح اور محکم آیات اور روشن احادیث کریمہ پر مبنی ہے، تنگ الہامات اور شاعرانہ خیالات پر نہیں- اس امت کے آخر کی اصلاح اسی سے ہوگی جس سے اس امت کے اولین کی اصلاح ہوئی تھی اور وہ جہاد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے- یہی فقہا اور علما کا طریقہ ہے جو عظیم فوج اور لشکروں پر غالب ہوئے- جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے قدیم کلام میں فرمایا:

”اور جو قوت تمہیں بن پڑے ان کے لیے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں کے دلوں میں جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ جانتا ہے-“

اور ظاہر یہ ہے کہ علم شرعی سے ناواقفی کے باوجود تصوف اور صوفیہ سے قربت فساد در فساد ہے-

❑❑❑

اشاریہ

یہ اشاریہ متن اور حواشی پر مشتمل ہے، اسے اشخاص، کتابوں، مخطوطات اور رسائل تک محدود رکھا گیا ہے

اشخاص

(الف)

آرسی مجومدار (ڈاکٹر): ۱۱۹
ابراہیم (سید): ۱۷
ابوالاعلیٰ مودودی (مولانا): ۳۳
ابوالحسن زید فاروقی (مولانا): ۳۲، ۱۵۱، ۱۵۲
ابوالحسن علی ندوی (سید): ۱۶، ۲۲، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۷، ۵۷، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۷۱، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۷۸، ۱۸۰
ابوالخیر برق حسنی (مولانا): ۶۲
ابوالکلام آزاد (مولانا): ۱۳۵
ابوبکر صدیق (حضرت): ۱۸۸، ۲۰۲
ابوسعید مجددی (شیخ): ۱۹۳، ۲۰۸
ابومحمد اسحٰق: ۱۸۴، ۱۸۶،، ۱۹۸،، ۲۰۰
ابومحمد حسین زہتولوی: ۱۸۴،، ۱۹۸
ابونصر معین الدین اکبر: ۱۹۳، ۲۰۸
احمداللہ شاہ (مولوی): ۱۲۲
احمداللہ صادق پوری (مولانا): ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸،
احمد بخش خاں (نواب): ۱۹۳، ۲۰۸
احمد جی (مولوی): ۱۰۸
احمد خان (راجہ): ۱۸۵
احمد خاں (سرسید): ۴۹، ۵۰، ۷۰، ۷۵، ۷۶، ۸۱، ۹۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۴،
احمد رائے بریلوی (سید): ☆
احمد سرہندی (مجدد الف ثانی): ۱۸۵،، ۱۹۹
احمد سعید مجددی (شاہ): ۱۴۵، ۱۴۶
احمد علی (سید، مولوی): ۱۴۵، ۱۴۶
ارباب فیض اللہ خاں: ۱۶۹، ۱۸۸،

☆ باستثنائے چند، کتاب کے ہر صفحے پر سید صاحب کا ذکر موجود ہے، اس لیے یہاں صفحات نمبر نہیں دیے جا رہے ہیں-

۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶
اسحٰق (سید): ۲۲
اسحٰق دہلوی (شاہ): ۱۸، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۶، ۸۸، ۹۲، ۱۲۴، ۱۸۶، ۱۹۳، ۱۹۴، ، ۲۰۰، ۲۰۸، ۲۰۹
اسماعیل (سید): ۲۲
اسماعیل دہلوی (شاہ): ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۴۱، ۴۹، ۵۰، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۱۱۵، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۰
اسماعیل علی خاں (نواب): ۸۲
اشرف علی خان: ۳۷، ۳۸
اشرف علی صادق پوری (مولوی): ۱۴۱
افضل حسین بہاری: ۷۰
اکبر شاہ (سید): ۹۷، ۱۱۵
اکرام الدین (مفتی): ۱۴۵
الٰہی بخش (مولوی): ۱۴۵
امام الدین: ۹۵
امام الدین (قاضی): ۱۸۵، ۱۹۹
امام علی فارسی: ۱۹۴، ۲۰۹
امداد علی (مولوی): ۱۴۵
امتیاز علی خاں عرشی: ۱۴۳
امجد علی صادق پوری (مولوی): ۱۳۹، ۱۴۱
امیر اللہ (شیخ): ۱۷۶
امیر امان علوی: ۱۹۴، ۲۱۰
امیر خاں (نواب): ۱۷، ۱۸، ۳۸، ۷۷، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۹، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۱
امیر عالم خاں اخوندزادہ: ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۰۳
امیر علی (سید): ۱۸۴، ۱۹۸
انتظام اللہ شہابی (مفتی): ۱۲۳
انصار علی (مولوی): ۱۴۵
اورنگ زیب عالمگیر: ۲۰۰
اوصاف حسین (مولوی): ۱۳۸
اولاد حسن قنوجی (مولانا): ۶۲
اولاد علی عظیم آبادی (میر): ۹۲، ۹۴
اے ایچ میسن (کرنل): ۱۰۴
ایچ ایم لارنس: ۹۸
ایوب قادری (ڈاکٹر): ۳۱، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۵۴، ۷۷، ۱۲۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۴

(ب)

بخت خاں (جنرل): ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۵۴
بدھ سنگھ (سردار): ۲۵

بہادر خاں (نواب): ۱۲۲
بہادر شاہ ظفر: ۱۱۰، ۱۲۴، ۱۲۹
بہادر علی (سید): ۱۹، ۶۱

(پ)

پائندہ خان: ۱۶۲
پیر علی (مولوی): ۱۳۸
پیر محمد: ۷۸، ۷۹

(ت)

تانتیا ٹوپے: ۱۲۸
تیمور (امیر): ۱۶۱

(ٹ)

ٹیپو سلطان: ۱۱۰

(ج)

جان لارنس (چیف کمشنر، پنجاب): ۹۷
جعفر تھانیسری: ۳۵، ۳۹،
۶۹، ۷۰، ۷۶، ۸۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۸، ۱۷۹
جعفر صادق (امام): ۱۸۵،، ۱۹۹
جعفر علی نقوی (سید): ۲۳، ۳۹، ۴۵، ۱۷۰
جلال فاروقی تھانیسری (شیخ): ۱۸۶، ۲۰۰
جمال (مولوی): ۱۴۵
جیمز ایبٹ: ۹۸
جیمس اوکینلے: ۵۹
جیون لال (منشی): ۱۲۶

(چ)

چیتو (سردار): ۸۲

(ح)

حاجی شاہ: ۱۸۵، ۱۹۹
حامی الدین (مولوی): ۱۴۵
حسن صادق پوری (مولوی): ۱۳۹
حسن علی (سید): ۱۵۲، ۱۵۶
حسین ابن علی (امام): ۱۸۷، ۲۰۱
حسین احمد مدنی (مولانا): ۵۹، ۹۱
حسین گردیزی (شاہ): ۲۲، ۱۰۴
حفیظ اللہ خاں (مولوی): ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
حیدر شاہ نقش بندی: ۱۴۵
حیدر علی (مولوی): ۱۴۵
حیدر علی رامپوری (مولوی): ۶۲
حیرت دہلوی (مرزا): ۱۵، ۱۹، ۷۰، ۷۱، ۱۸۰

(خ)

خادی خاں: ۱۶۲، ۱۶۳
خان خاناں غلجان: ۵۲، ۱۶۴
خرم علی بلہوری (مولوی): ۷۳
خلیق نظامی (پروفیسر): ۳۰، ۱۱۰، ۱۴۹
خورشید مصطفیٰ رضوی (سید): ۱۴۸
خوشتر نورانی: ۱۴۴
خیر الدین (مولوی): ۱۴۵

(د)

دائم علی: ۱۲۲

دوست محمد خان: ۹۳، ۹۴

(ذ)

ذکاء اللہ دہلوی (منشی): ۱۲۶، ۱۴۳

(ڈ)

ڈی این سین (ڈاکٹر): ۱۱۹

(ر)

رابع حسنی ندوی (مولانا): ۴۶، ۴۷

راس (ڈاکٹر): ۱۴۰

رجب علی (مولوی): ۹۸

رحمٰن علی (مولوی): ۱۴۹

رحمت اللہ کیرانوی (مولانا): ۱۴۵، ۱۴۶

رحمت خاں روہیلہ (حافظ): ۱۱۰

رحمت علی خاں (مفتی): ۱۴۵، ۱۴۶

رحیم بخش بٹالوی (شیخ): ۱۴۶

رقیہ (سیدہ): ۲۲

رنجیت سنگھ (مہاراجہ): ۶۵، ۷۰، ۷۹،
۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۲۰۸

ریاض الدین ٹونکی (ڈاکٹر): ۱۳۰

(ز)

زبیر (شیخ): ۱۸۶، ۲۰۰

زفر دہلوی (سید): ۱۸۴، ۱۹۸

زماں شاہ: ۹۳

زہرہ (سیدہ): ۱۷، ۲۲

(س)

سائرہ (سیدہ): ۱۷، ۲۲، ۲۳، ۸۸

سراج الدولہ (نواب): ۱۱۰

سراج الدین سواتی: ۶۲

سربلند خاں: ۱۶۲

سرفراز علی (مولانا): ۱۲۲، ۱۲۳،
۱۲۴، ۱۴۵، ۱۴۶

سعد الدین (مولوی): ۱۴۵

سعید صادق پوری (محمد): ۱۳۹

سکندر علی (مولوی): ۱۴۵

سلطان محمد خان: ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰،، ۲۰۵

سلیمان ندوی (مولانا): ۱۷

سید شاہ: ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۰۶

سید محمد (حافظ): ۱۴۵

سیف الرحمٰن (مولوی): ۱۴۵

(ش)

شجاع (شاہ): ۹۳

شجاع الدولہ (نواب): ۱۱۰، ۱۲۱

شریعت اللہ (مولوی): ۱۴۹

شریف حسین (مولوی): ۱۴۷

شمس الدین (حافظ): ۱۸۵، ۱۹۹

شمس الدین (دیوان) :۱۲۷، ۱۲۸

شوکت علی (مولانا) :۳۸

شیرازی (حافظ) :۱۷، ۱۸۸، ۲۰۳

شیر بہادر خاں پنی (ڈاکٹر) :۳۸

شیر سنگھ :۲۷، ۲۸

(ص)

صدرالدین آزردہ (مفتی) :۱۲۳،

۱۴۲، ۱۴۵، ۱۴۶

صدیق پشاوری (مولوی) :۱۴۷

صدیق حسن خاں (نواب) :۵۰، ۷۱

(ض)

ضامن شاہ (سید) :۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷

ضیاء الدین (مولوی) :۱۴۵، ۱۴۶

(ط)

طفیل احمد منگلوری (مولوی): ۵۹، ۷۱، ۸۱،

(ع)

عبدالجبار شاہ ستھانوی :۶۵، ۶۶

عبدالحفیظ :۱۴۰

عبدالحق نیوتنوی (مولوی) :۶۲

عبدالحکیم شرف قادری (مولانا) :۱۴۰

عبدالحمید (خان) :۱۸۴، ۱۹۸

عبدالحمید (سید، مولوی) :۱۴۵، ۱۸۴

عبدالحئی بڈھانوی (مولوی) :۱۸، ۱۹، ۲۲،

۲۳، ۳۰، ۳۷، ۴۹، ۶۰، ۶۱، ۱۷۸، ۱۸۳،

۱۹۴، ۱۹۷، ۲۰۹

عبدالحئی لکھنوی (مولانا) :۳۴، ۶۲

عبدالرحمٰن خان کابلی :۱۸۴،، ۱۹۸

عبدالرحیم صادق پوری (مولانا) :۶۱، ۱۷،

۹۶، ۹۷، ۱۰۱، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷

عبدالرؤف صادق پوری :۱۳۹، ۱۴۱

عبدالصمد میواتی :۱۸۴، ۱۹۸

عبدالعزیز محدث دہلوی (شاہ) :۱۶، ۱۷، ۱۸،

۲۹، ۳۰، ۳۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۵۲، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۸

عبدالعلی (ڈاکٹر) :۳۴

عبدالغفار (حافظ) :۱۸۴، ۱۹۸

عبدالغفور اخوند (ملّا) :۱۱۵، ۱۳۲، ۱۳۳

عبدالغنی (شاہ) :۱۸۳، ۱۸۶

عبدالغنی مجددی دہلوی :۱۴۵، ۱۴۶، ۱۹۷

عبدالقادر لدھیانوی (مولانا) :۱۴۵، ۱۴۶

عبدالقادر محدث دہلوی (شاہ) :۱۶، ۱۲۳

عبدالقدیر صادق پوری (مولوی) :۱۴۱

عبدالکریم (مولوی) :۱۴۵

عبدالکریم چلی (شیخ) :۱۸۶

عبداللہ (سید) :۱۹، ۶۱

عبداللہ حاجی پوری :۹۸

عبداللہ خاں :۱۲۱

عبداللہ صادق پوری (مولانا) :۱۰۸
عبداللہ غزنوی (مولوی) :۱۴۷
عبدالوہاب (شیخ) :۱۸۴، ۱۹۸
عبیداللہ سندھی (مولانا) :۲۶، ۱۲۴، ۱۷۵
عبیداللہ غلام حسین (مولانا) :۵۰، ۵۱
عرفان (سید) :۶۲
عسکر علی صادق پوری (مولوی) :۱۴۱
عظیم الدین صادق پوری (مولوی) :۱۴۰
علی بہادر خاں :۱۲۸
علی حسین (مولوی) :۱۴۵
عمران خاں ندوی (مولانا) :۸۴
عنایت علی عظیم آبادی (مولانا) :۶۲، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۴، ۱۳۷

(غ)

غلام خاں :۱۰۸
غلام رسول (حافظ) :۱۸۵، ۱۹۸
غلام رسول مہر :۲۱، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۵۶، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۷۷، ۷۸، ۸۲، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۲، ۹۴، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۸۰، ۱۹۷
غلام علی (شیخ) :۷۶
غلام علی مجددی دہلوی (شاہ) :۳۰
غلام قادر روہیلہ :۱۲۱
غلام محمد خاں (نواب) :۱۱۰

(ف)

فاطمہ زہرہ (سیدہ) :۲۲، ۱۹۴، ۲۱۰
فتح خان یوسف زئی :۱۸۴، ۱۹۸
فتح محمد حاجی :۱۸۵، ۱۹۹
فرحت حسین صادق پوری :۱۳۷، ۱۳۸
فرخ سیر :۱۲۸
فریدالدین (مولانا) :۱۴۶
فضل حق خیرآبادی (علامہ) :۳۶، ۳۷، ۱۲۳، ۱۴۲، ۱۴۳
فضل رسول بدایونی (مولانا) :۱۸، ۳۶، ۱۴۲
فقیر محمد خاں لکھنؤی :۱۶۷
فیاض علی عظیم آبادی :۹۸
فیروز بخت (شہزادہ) :۱۲۸
فیصل احمد ندوی (مولانا) :۹۳، ۹۹، ۱۱۳

(ق)

قاسم (میر) :۱۱۰
قاسم پانی پتی (مولوی) :۱۹۵، ۲۱۱
قیام الدین احمد (ڈاکٹر) :۶۶، ۸۸، ۹۹، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۸

(ک)

کامران (شہزادہ) :۵۴

کرامت علی جونپوری (مولوی) :۶۰، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۸، ۱۴۹

کرم الٰہی کانپوری (مولوی) :۷۳

کرم چند (دیوان) :۹۶

کرم علی (حافظ) :۱۹۵، ۲۱۱

کریم اللہ (مولوی) :۱۴۵، ۱۴۶

کریم خان :۸۲

کلاب شاہ :۱۸۵، ۱۹۹

کلثوم (سیدہ) :۲۳

کلیم الدین صادق پوری :۱۴۰، ۱۴۱

کنور سنگھ (راجہ) :۱۳۶

کے ایم اشرف :۱۳۲

(گ)

گلاب سنگھ :۹۵، ۹۶

(ل)

لالہ (شیخ) :۱۸۵، ۱۹۹

لمسڈین :۹۷

لیاقت علی الہ آبادی (مولوی) :۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳

(م)

محبوب علی دہلوی (مولانا) :۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، :۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۹۴،، ۱۹۷، ۲۰۸، ۲۱۰

محمد احسن :۱۸۴، ۱۹۸، ۱۹۹

محمد اسحٰق (سید) :۲۲

محمد اعظم بیگ (مرزا) :۵۲

محمد اکرام (شیخ) :۷۱

محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری (قاضی) :۱۵۳

محمد بن عبدالوہاب نجدی :۱۵

محمد بن علی شوکانی (قاضی) :۲۳

محمد حسن (مولوی) :۱۷۲

محمد حسن نجار :۱۸۴، ۱۹۸

محمد حسین آزاد :۲۰۹

محمد حسین :۱۸۴، ۱۹۸، ۱۹۹

محمد حسین (شاہ) :۱۳۶

محمد حسین فقیر :۱۹۷

محمد حسین بٹالوی (مولانا) :۷۰، ۱۷، ۱۴۶

محمد خان :۱۸۴، ۱۹۸،، ۱۹۸، ۲۰۳

محمد روشن (سید) :۱۷

محمد طلحہ ٹونکی (سید) :۶۲

محمد عبدالقیوم جلوال تناولی :۳۸

محمد عرفان (سید) :۱۵

محمد علی (سید): ۳۹، ۴۳، ۸۴
محمد علی (مولوی): ۱۴۵
محمد علی جوہر (مولانا): ۳۸
محمد علی خاں (نواب): ۸۸، ۸۹
محمد علی رامپوری (مولوی): ۶۲
محمد علی قصوری (مولوی): ۵۲، ۱۰۲
محمد عوض (مفتی): ۳۱
محمد لطیف (سید): ۷۴
محمد مصطفیٰ خان (مولوی): ۱۴۵
محمد معصوم (شیخ): ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۹
محمد مقیم رامپوری: ۱۵۸، ۱۸۳، ۱۹۷
محمد میاں (مولانا): ۱۲۱، ۱۲۳
محمد میر خان (مولوی): ۱۴۵
محمد یوسف (سید): ۲۲
محمود احمد برکاتی (سید): ۳۳، ۸۰، ۸۴، ۱۴۴، ۱۶۳، ۱۷۸، ۲۰۰
محمود حسن صادق پوری (مولوی): ۱۴۱
محمود رومی (سلطان): ۱۸۸، ۲۰۲
مصاحب علی (سید): ۱۵۲، ۱۵۶
مددخان: ۱۶۲
مراد علی علی گڑھی (سید): ۳۷، ۱۶۲
مسعود عالم ندوی (مولانا): ۳۴، ۳۵، ۴۰، ۶۰، ۶۲، ۷۷، ۹۱، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۴
مصطفیٰ (سید): ۶۲
مقصود علی عظیم آبادی: ۹۸
موسیٰ کاظم (امام): ۱۸۵، ۱۹۹
مومن خاں مومنؔ: ۱۹۴، ۲۰۹
مہر علی: ۱۲۲
میاں محمد شفیع: ۱۵۰
میر امید علی: ۴۸
میر بادشاہ بخاری (سید): ۱۰۴
میر شاہ علی: ۱۱۵، ۱۶۰
میر مقصود علی: ۱۰۸
میر نثار علی تیتو: ۳۷، ۳۸
میرن شاہ ہندی: ۱۸۴، ۱۹۸

(ن)

نانا راؤ: ۱۲۲
ناصر الدین (امام): ۱۸۶، ۲۰۰
ناظم بخت: ۱۲۸
نجف خاں: ۲۷
نجم الغنی خاں رامپوری: ۶۲، ۷۰
نذیر حسین دہلوی (میاں): ۷۰، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
نریندر کرشن سنہا: ۹۰
نصیر الدین دہلوی (مولوی): ۷۸، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۹۴

نصیرالدین منگلوری (مولوی) :۹۲

نعمت اللہ (امیر) :۱۰۲

نورالحسن راشد کاندھلوی :۲۹، ۶۱

نورالحق (مولوی) :۱۴۵

نوراللہ (مولوی) :۱۰۸

نورخان رامپوری :۱۸۶، ۲۰۰

نورمحمد بافت :۱۸۵، ۱۹۹

(و)

واصل خان :۸۲

واعظ الحق (مولوی) :۱۳۶

وحید احمد مسعود (مولانا) :۳۸، ۴۰

وحیدالدین خاں (مولانا) :۲۷

وزیر خاں (نواب وزیرالدولہ) :۳۹، ۴۷، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۱۱۵، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰

ولایت علی عظیم آبادی (مولانا) :۶۱، ۶۲، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷

ولی اللہ محدث دہلوی (شاہ) :۲۲، ۲۹، ۳۰

ولی محمد پھلتی :۹۲، ۱۷۱

ولیم ٹیلر (کمشنر، پٹنہ) :۱۳۵، ۱۳۶

ولیم فریزر (کمشنر، دہلی) :۸۱

ولیم ولسن ہنٹر (ڈاکٹر) :۴۹، ۷۵، ۷۶، ۱۳۴، ۱۴۱

ولیہ (سیدہ) :۲۲

وینس ایگنیو :۹۷

(ہ)

ہاجرہ (سیدہ) :۲۲، ۲۳

ہاشم (مولوی) :۱۴۵

ہاشم خان پیشاوری :۱۹۳، ۲۰۹

ہدادخان :۱۸۵

ہلکر (راجہ) :۸۲

ہنری لارنس (سر) :۱۲۷

ہوم (کرنل) :۱۲۸

(ی)

یار محمد خاں (درانی) :۵۳، ۵۷، ۶۳، ۶۴، ۱۱۶، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳،، ۱۹۸،، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹

یحییٰ علی عظیم آبادی :۹۸

یعقوب دہلوی (شاہ) :۸۰، ۲۰۰

یوسف (مولوی) :۴۶

یوسف صادق پوری (مولوی) :۱۳۹، ۱۴۱

کتابیں

(الف)

آب حیات :۲۰۹

آثارالصنادید :۱۵۲

احوال وآثار (مجلّہ): ۳۰، ۶۱
اخبار الظفر (دہلی): ۱۴۳، ۱۴۴
اختیار الصیانۃ: ۱۵۳
اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ: ۱۵۳، ۱۵۴
اشاعۃ السنہ: ۷۰، ۱۴۶، ۱۴۷
اشرف نامہ: ۳۷، ۳۸، ۳۹
افادات مہر: ۳۳، ۳۸، ۵۶
اکمل التاریخ: ۳۱
الحیاۃ بعد المماۃ: ۷۰
الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور: ۶۱، ۹۶، ۹۸، ۱۰۱، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰
الفرقان (ماہنامہ): ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۹
القول الجلی فی ذکر آثار الولی: ۲۲
امیر الروایات: ۱۶
انسٹی ٹیوٹ گزٹ: ۷۵، ۷۶
انقلاب اٹھارہ سو ستاون: ۱۳۲

(ب)

برطانوی مظالم کی کہانی: ۱۴۸، ۱۵۴
بوارق محمدیہ (فارسی): ۱۸

(پ)

The Pioneer: ۵۰
۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی: واقعات وحقائق: ۱۵۰

(ت)

تاریخ الائمۃ فی ذکر خلفاءِ الامۃ (عربی): ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۸۲، ۱۸۳
تاریخ اہل حدیث: ۶۲
تاریخ پنجاب: ۷۴
تاریخ تناولیاں: ۳۷، ۳۸، ۱۶۲
تاریخ ٹونک: ۸۲
تاریخ جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون: ۱۴۸
تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ: ۱۴۳
۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ: ۳۰، ۱۱۱، ۱۵۰
تجدید واحیائے دین: ۳۳
تحریر محبوب بطرز مکتوب: ۱۵۳
تحریک (ماہنامہ): ۱۴۳
تحریک آزادی میں علما کا کردار: ۹۳، ۹۹، ۱۱۳
تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ: ۵۷، ۱۲۰
تذکرۂ علمائے ٹونک: ۸۵، ۱۲۵
تذکرۂ علمائے ہند: ۱۴۹
ترجمان القرآن (ماہنامہ): ۱۰۴
ترجمان وہابیہ: ۵۰
تصویر التنویر فی سنۃ البشیر والنذیر: ۱۵۳
ترغیب الجہاد: ۷۳

تقویۃ الایمان: ۱۹، ۳۲، ۳۳
تنویر العینین: ۱۵۳
تواریخ عجیب (کالا پانی): ۳۹، ۷۷
تواریخ عجیبہ (سوانح احمدی): ۱۷، ۲۰، ۲۴، ۲۷، ۳۹، ۷۰، ۷۳، ۷۶، ۷۹، ۸۱، ۱۱۶، ۱۶۳، ۱۷۸، ۱۷۹
تواریخ ہزارہ: ۵۲

(ج)

جماعت مجاہدین: ۴۰، ۴۳، ۵۶، ۶۵، ۷۸، ۷۹، ۸۵، ۸۸، ۸۹، ۱۱۴، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۹۷، ۲۰۳
جنگ آزادی کے اولین مجاہدین اور بہادر شاہ ظفر: ۱۳۱
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات: ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۱۲۲، ۱۴۷،

(ح)

حقائق تحریک بالاکوٹ: ۲۳، ۱۰۴
حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی: ۲۸، ۳۳، ۷۸، ۸۰، ۸۴، ۱۶۳، ۱۷۹، ۲۰۰
حیات شبلی: ۷۱
حیات طیبہ: ۱۶، ۱۹، ۷۰، ۷۱، ۱۸۰

(د)

دہلی اردو اخبار: ۱۴۳
دہلی اور اس کے اطراف: ۱۹

(ڈ)

ڈاکٹر ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ: ۴۹

(ر)

رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان: ۷۰، ۱۴۳، ۱۴۵
رسالہ اوقات نماز پنج گانہ: ۱۵۳
رسالہ در بیان عدم جواز رفع سبابہ: ۱۵۳
رسالہ منصب امامت: ۱۹
رنجیت سنگھ: ۹۰
رود کوثر: ۲۰۰
روشن (سہ ماہی): ۳۶
ریاست ٹونک کے حکمران ذیشان: ۱۲۷، ۱۲۸

(س)

سرگزشت دہلی: ۱۲۶
سرگزشت سوات: ۶۲
سرگزشت مجاہدین: ۴۰، ۶۵، ۷۳، ۷۸، ۹۱، ۹۳، ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۳
سوانح میر تیتو شہید: ۳۷، ۳۸، ۳۹
سید احمد شہید: ۱۷، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۴۰، ۴۲، ۶۵، ۷۷، ۸۲، ۸۳، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۳۱، ۱۷۸
سید احمد شہید کی صحیح تصویر: ۳۹، ۴۰
سیرت سید احمد شہید: ۱۶، ۲۲، ۳۴،

۳۵، ۴۰، ۴۱، ۴۷، ۷۱، ۱۱۲، ۱۲۴، ۱۵۹
سیف الجبار: ۱۸

(ش)

شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۲۶، ۱۲۴، ۱۷۶

(ص)

صادق الاخبار: ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵
صراط مستقیم: ۱۹، ۴۹، ۷۳

ع

علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات: ۱۴۴
علما اور دور جدید: ۲۷
علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۱۲۱، ۱۲۳
علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی): ۱۴۸، ۱۵۳
علی گڑھ گزٹ (اخبار): ۵۰

(غ)

غیر مقلدین کی انگریز نوازی: ۱۴۰

(ف)

فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۳۰
فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون: ۱۴۴

(ق)

قصیدۂ جہاد: ۷۳
قیصر التواریخ: ۱۲۳

(گ)

گل رعنا: ۲۰۹

(م)

ماہ نو (ماہنامہ): ۳۴، ۶۵، ۶۶
مخزن احمدی (فارسی): ۱۵، ۱۷، ۲۲، ۲۳، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۷۳، ۸۴، ۸۸، ۱۲۵
مذاہب الاسلام: ۶۲، ۷۰
مسلمانوں کا روشن مستقبل: ۵۹، ۶۰، ۸۲
مشاہدات کابل و یاغستان: ۵۲، ۱۰۲، ۱۰۳
مقالات سرسید: ۲۴، ۵۰، ۸۱، ۹۱، ۱۴۲
مکاتیب سید احمد شہید (فارسی): ۱۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۹، ۶۴، ۷۲، ۷۳، ۸۰، ۸۶، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۵، :۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹
منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (فارسی)
:۱۶، ۱۷، ۳۵، ۳۹، ۴۵، ۷۳، ۸۸، ۱۵۸، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹
موج کوثر: ۱۵، ۲۳، ۲۶،
مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان: ۳۲، ۱۵۱
مہاراجہ رنجیت سنگھ: ۹۵
میوٹنی پیپرز: ۱۲۷

(ن)

نزھۃ الخواطر (عربی): ۶۲، ۱۸۰

نقش حیات: ۲۴، ۹۱

(و)

وصایا وزیریہ: ۸۴، ۸۸، ۱۲۶
وقائع احمدی: ۱۷، ۲۱، ۲۵،
۳۹، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۶۵، ۷۳، ۷۵، ۷۶، ۷،
۷۷، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۸، ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۷۱،
۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹

(ہ)

ہفتدہ سالہ امیر و بست سالہ وزیر: ۱۲۷، ۱۲۸
ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۴۹، ۷۶،
۱۳۴، ۱۴۱
ہنٹر پر ہنٹر: ۱۴۸، ۱۵۴
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۱۵، ۱۹،
۳۴، ۴۰، ۴۲، ۶۰، ۷۷، ۹۲، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۴
ہندوستان میں وہابی تحریک: ۴۹، ۶۷، ۸۸،
۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۸

* * *

کتابیات

مندرجہ ذیل کتابوں، مقالوں، رسائل اور مخطوطات سے براہ راست استفادہ کیا گیا

(۱) آثار الصنادید: سر سید احمد خاں (مرتبہ خلیق انجم) قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی، ۲۰۰۳ء

(۲) اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ: ایوب قادری، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۰ء

(۳) افادت مہر: مرتبہ: ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ پبلی شرز، لاہور، سنہ ندارد

(۴) اکمل التاریخ: مولوی یعقوب ضیا قادری، مطبع قادری بدایوں، ۱۹۱۵ء

(۵) الحیاۃ بعد المماۃ: فضل حسین بہاری، مطبع اکبری آگرہ، ۱۹۰۸ء

(۶) الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور: عبد الرحیم صادق پوری، دی آزاد پریس پٹنہ، ۱۹۶۴ء

(۷) القول الجلی فی ذکر آثار الولی: محمد عاشق پھلتی، مترجم: تقی انور علوی، مسلم کتابوی لاہور، ۱۹۹۹ء

(۸) امیر الروایات: امیر شاہ خاں، (مشمولہ ارواح ثلاثہ) مکتبہ امداد الغرباء سہارن پور، سنہ ندارد

(۹) انقلاب اٹھارہ سو ستاون: پی. سی. جوشی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

(۱۰) برطانوی مظالم کی کہانی: عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری، فرید بک اسٹال لاہور، سنہ ندارد

(۱۱) تاریخ اہل حدیث: ڈاکٹر محمد بہاء الدین، مکتبہ ترجمان دہلی، ۲۰۰۹ء

(۱۲) تاریخ پنجاب: سید محمد لطیف، ادارہ تخلیقات لاہور، ۲۰۱۱ء

(۱۳) تاریخ تناولیاں: سید مراد علی، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۵ء

(۱۴) تاریخ ٹونک: مطبع ستارۂ ہند آگرہ، ۱۳۱۹ھ

(۱۵) تاریخ جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون: سید خورشید مصطفٰی، رضا لائبریری رام پور، ۲۰۰۰ء

(۱۶) تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ: ذکاء اللہ، مطبع شمس المطابع دہلی، ۱۹۰۴ء

(۱۷) تجدید واحیائے دین: سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلی شرز نئی دہلی، ۲۰۱۲ء

(۱۸) تحریک آزادی میں علما کا کردار: فیصل احمد ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۱۱ء

(۱۹) تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ: سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۹ء

(۲۰) تذکرۂ علمائے ٹونک: حکیم محمد عمران خاں، مولانا ابوالکلام آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، ۲۰۰۶ء

(۲۱) تذکرۂ علمائے ہند: رحمٰن علی، مرتبہ: ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء

(۲۲) ترجمان وہابیہ: نواب صدیق حسن خاں، مطبع محمدی لاہور، ۱۳۱۲ھ

(۲۳) تواریخ عجیب (کالا پانی): جعفر تھانیسری، مرتبہ ایوب قادری، سلمان اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۲ء

(۲۴) تواریخ عجیبہ (سوانح احمدی): جعفر تھانیسری، بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورہ پنجاب، ۱۸۹۵ء

(۲۵) تواریخ ہزارہ: مرزا محمد اعظم بیگ، مطبوعہ لاہور، ۱۸۷۴ء

(۲۶) جماعت مجاہدین: غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ پبلی شرز، لاہور، سنہ ندارد

(۲۷) جنگ آزادی کے اولین مجاہدین اور بہادر شاہ ظفر: مرتبہ ڈاکٹر ودیا ساگر آنند، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ء

(۲۸) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات: ایوب قادری، پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء

(۲۹) حقائق تحریک بالاکوٹ: شاہ حسین گردیزی، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۲۰۱۱ء

(۳۰) حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی: سید محمود احمد برکاتی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی، ۱۹۹۲ء

(۳۱) حیات شبلی: سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء

(۳۲) حیات طیبہ: مرزا حیرت دہلوی، اسلامی اکادمی ناشران کتب لاہور، ۱۹۷۶ء

(۳۳) دہلی اور اس کے اطراف: حکیم سید عبدالحی، اردو اکادمی دہلی، ۲۰۰۱ء

(۳۴) رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان: سر سید احمد خاں، خدابخش پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۹ء

(۳۵) رنجیت سنگھ: نریندر کرشن سنہا، مترجم: کیلاش چند چودھری، ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

(۳۶) رود کوثر: شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا دہلی، سنہ ندارد

(۳۷) ریاست ٹونک کے حکمران ذیشان: مرتبہ عبدالمعید خاں، مولانا ابوالکلام آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک، ۲۰۰۹ء

(۳۸) سرگزشت دہلی (روزنامچہ منشی جیون لال): مرتبہ درخشاں تاجور، رضا لائبریری رام پور، ۲۰۰۷ء

(۳۹) سرگزشت سوات: سراج الدین سواتی، الحمرا اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۰ء

(۴۰) سرگزشت مجاہدین: غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ پبلی شرز، لاہور، سنہ ندارد

(۴۱) سید احمد شہید: غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ پبلی شرز، لاہور، ۱۹۸۱ء

(۴۲) سید احمد شہید کی صحیح تصویر: وحید احمد مسعود، رضا پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء

(۴۳) سیرت سید احمد شہید: سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۱۱ء

(۴۴) سیف الجبار: شاہ فضل رسول بدایونی، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۸۷۵ء

(۴۵) شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک: عبیداللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ۲۰۰۸ء

(۴۶) صراط مستقیم: شاہ اسماعیل دہلوی، فیصل پبلی کیشنز دیوبند، سنہ ندارد

(۴۷) علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات: خوشتر نورانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء

(۴۸) علما اور دور جدید: وحید الدین خاں، مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، ۱۹۹۳ء

(۴۹) علمائے ہند کا شاندار ماضی: سید محمد میاں، جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

(۵۰) علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی): مرتبہ ڈاکٹر ایوب قادری، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی، ۱۹۷۰ء

(۵۱) غیر مقلدین کی انگریز نوازی: عبدالحکیم شرف قادری، رضوی کتاب گھر بھیونڈی، ۱۹۸۵ء

(۵۲) فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون: حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۵ء

(۵۳) گل رعنا: حکیم سید عبدالحی لکھنؤی، مجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ، سنہ ندارد

(۵۴) مذاہب الاسلام، نجم الغنی خاں رامپوری، رضا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۸ء

(۵۵) مسلمانوں کا روشن مستقبل: سید طفیل احمد منگلوری، مکتبہ الحق بمبئی، ۲۰۰۱ء

(۵۶) مشاہدات کابل ویاغستان: محمد علی قصوری، انجمن ترقی اردو پاکستان، سنہ ندارد

(۵۷) مقالات سرسید: محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، سنہ ندارد

(۵۸) موج کوثر: شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا دہلی، سنہ ندارد

(۵۹) مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان: ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی، ۲۰۱۱ء

(۶۰) مہاراجہ رنجیت سنگھ: سیتارام کوہلی، الہ آباد ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۳۳ء

(۶۱) نقش حیات: سید حسین احمد مدنی، مکتبہ دینیہ دیوبند، ۱۹۹۹ء

(۶۲) وقائع احمدی: مرتبہ: نواب محمد وزیر خاں، سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۷ء

(۶۳) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، الکتاب انٹرنیشنل، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

(۶۴) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: مسعود عالم ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی، ۱۹۹۹ء

(۶۵) ہندوستان میں وہابی تحریک: ڈاکٹر قیام الدین احمد، مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، ۲۰۰۱ء

(۶۶) ۱۸۵۷ پہلی جنگ آزادی: واقعات وحقائق: میاں محمد شفیع، اریب پبلی کیشنز دہلی، ۲۰۰۵ء

(۶۷) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ: خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی، دسمبر ۱۹۷۱ء

(عربی وفارسی)

(۶۸) نزھة الخواطر (عربی): سید عبدالحی لکھنوی، دار ابن حزم بیروت، ۱۹۹۹ء

(۶۹) بوارق محمدیہ (فارسی): شاہ فضل رسول بدایونی، مطبع سول ملیٹری ارفنج میرٹھ، سنہ ندارد

(۷۰) فتاویٰ عزیزی (فارسی)، شاہ عبدالعزیز دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ

(۷۱) مخزن احمدی (فارسی): سید محمد علی، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۸۸۲ء

(۷۲) مکاتیب سید احمد شہید (فارسی): (مخطوطہ عکسی ایڈیشن) مکتبہ رشیدیہ لمیٹیڈ لاہور، ۱۹۷۵ء

(قلمی)

(۷۳) تاریخ الائمة فی ذکر خلفاءِ الامة (عربی): سید میر محبوب علی، ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۶ء

(۷۴) منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (فارسی): سید جعفر علی نقوی، ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء

(اخبارات ورسائل)

(۷۵) احوال وآثار (مجلّہ)، کاندھلہ، شمارہ: اکتوبر تا مارچ، ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء

(۷۶) الفرقان (ماہنامہ) لکھنؤ، شمارہ: اکتوبر ۱۹۸۳ء

(۷۷) انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، ۸ر دسمبر ۱۸۷۱ء

(۷۸) روشن (سہ ماہی)، بدایوں، شمارہ: جنوری تا مارچ ۱۹۸۴ء

(۷۹) صادق الاخبار دہلی: شمارہ: ۴، ۲۷ر جولائی ۱۸۵۷ء

(۸۰) ماہ نو (ماہنامہ)، کراچی، شمارہ: اکتوبر ۱۹۶۴ء

(مقالات)

(۸۱) مولانا فضل حق خیرآبادی: مالک رام، مشمولہ ''ماہنامہ تحریک دہلی شمارہ جون ۱۹۶۰ء

(۸۲) مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد: امتیاز علی خاں عرشی، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: اگست ۱۹۵۷ء

دستاویزات

(۸۳) میوٹنی پیپرز، کلکشن: ۱۶، نمبر: ۱۲، ۱ر ستمبر ۱۸۵۷ء، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

(۸۴) Annual Report on the administration of the Tonk State:1921-22

❑❑❑

پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل (پی ایچ ڈی؛ ڈی لٹ)

سابق ڈین، فیکلٹی اوف لینگو یجز اینڈ لٹریچر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد؛ پروفیسر و صدر، شعبۂ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد؛ پروفیسر و صدر، شعبہ اردو، کرچی یونیورسٹی؛ ڈائرکٹر، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی؛ مہمان پروفیسر اور ریسرچ و فیلو: ٹوکیو یونیورسٹی اوف فارن اسٹڈیز، جاپان؛ دائتو بنکا یونیورسٹی، جاپان؛ انسٹی ٹیوٹ اوف ورلڈ لینگو یجز، اوساکا یونیورسٹی، جاپان؛ گریجویٹ اسکول آف ایشیا افریقہ ایریا اسٹڈیز، کیوتو یونیورسٹی، جاپان؛ اورینٹل یونیورسٹی، نیپلز، اٹلی-

رہائش: بی-۲۱۵، بلاک ۱۵، گلستان جوہر، کراچی (پاکستان) برقی رابطہ: moinaqeel@yahoo.com

’’تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ‘‘: میرا تاثر

خوشتر نورانی صاحب سے زیرِ نظر تصنیف کے توسط سے یہ میرا دوسرا تعارف ہے- قبل ازیں مولانا فضل حق خیر آبادی پر ان کی بیش بہا تصنیف ان سے تعارف کا وسیلہ بنی تھی اور نئے موضوعات و نکات کی ان کی تلاش و جستجو نے مجھے متاثر بھی کیا تھا- یہ میں اور آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارے اکثر مصنفین لکھتے تو ہیں لیکن پڑھتے نہیں- چوں کہ پڑھتے نہیں اس لیے ان کے ذہن میں سوال پیدا نہیں ہوتے جو نت نئے موضوعات سُجھاتے اور نئے نکات و دلائل کی راہ دکھاتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ بعض پُرانے موضوعات بھی نئے سرے سے دعوتِ مطالعہ دیتے ہیں، اور یوں اگر کسی نئے عزم و ارادے کے ساتھ کسی موضوع پر مطالعے کا آغاز کیا جائے اور پڑھنے والے کا ذہن رسا بھی کارگر ہو تو نئے سوالات کا پیدا ہونا اور نئے موضوعات کا سوجھنا ایک لازمی امر بن جاتا ہے- اس طرح مطالعے کی وسعت و گہرائی نئے پرانے موضوعات میں کہیں تشنگی، کہیں خلا، اور کہیں کوئی کمی کجی بھی تلاش کر لیتی ہے- یہی ہمارے دوست خوشتر نورانی صاحب کے ساتھ بھی ہوتا ہے- مولانا فضل حق خیر آبادی پر مطالعہ کرتے ہوئے انھیں جو مزید مطالعے کی ضرورت پیش آئی اور اس کی خاطر نئے مآخذ و مواد تک رسائی کی جو جستجو ہوئی، اس نے ضمنی طور پر سید احمد شہید کی معاصر تحریک جہاد کے تعلق سے کچھ ایسے نئے عنوانات اور نئے موضوعات انھیں سجھائے کہ ان پر

غور وفکر کرنا اور اس ضرورت کے تحت اپنے مطالعے کو مزید وسعت دینا انھیں ضروری محسوس ہوا۔ اس مقصد کے لیے متعلقہ اہم اور دور افتادہ اور نادر مآخذ کی جستجو وتلاش بھی ان کے لیے ناگزیر ہوگئی۔ چناں چہ انھوں نے یہ سب کیا اور ان کے اطمینان کی حد تک انھیں کامیابی بھی نصیب ہوگئی۔ اس جستجو اور تازہ مطالعے اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے انکشافات نے انھیں بالآخر ان نئے نتائج تک پہنچنے کی دعوت بھی دی اور پھر انھیں تحریر کرنے پر آمادہ بھی کرلیا۔ اس طرح متعدد نئے سوالات اور امکانی جوابات کے ساتھ ان کا تازہ تر مطالعہ پیش نظر ہے۔

سید احمد شہید کی تحریک جہاد اس لحاظ سے ضرور خوش قسمت ہے کہ مؤرخین اور مصنفین نے اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت اسے خوب خوب اہمیت دی اور اپنے مطالعے کا موضوع بنایا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا غلام رسول مہر نے اس ضمن میں جو دادِ تحقیق دی ہے، زمانہ اس کا معترف ہے۔ ان سے قطع نظر معاصر شہادتوں اور عصری مآخذ سے جو معلومات منظر عام پر آتی رہی ہیں وہ بھی اپنی جگہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہیں۔ ایک عام مطالعے میں اس تحریک کے بارے میں، اس کے پس منظر اور حالات وشخصیات کے تعلق سے جو معروف معلومات تاریخ کا حصہ بنی ہیں، ان کے مطابق یہ تحریک ان حالات کا شاخسانہ ہے جب مغلیہ حکومت کے زوال وانتشار کے نتیجے میں ہندوستان برطانوی استعمار کے ہاتھوں زیردست ہو رہا تھا اور سیاسی اعتبار سے بڑے فیصلہ کن مراحل سے گزر رہا تھا۔ اصلاحی اور انقلابی تحریکیں ابھر رہی تھیں اور انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کے جذبات جنم لے رہے تھے۔ اورنگ زیب کے بعد ہی یہ بات قریب قریب طے پا چکی تھی، بلکہ انگریزوں کے زیر اقتدار ہندوستان میں تو مسلمانوں کی کوئی طاقت ایسی نہیں تھی، جو اپنی فوجی طاقت کے بل پر انگریزوں اور مختلف اطراف سے ابھرنے والی غیر اسلامی قوتوں کے عروج کو روک سکے اور اپنے داخلی انتشار اور طوائف الملوکی کو ختم کر کے ایک مستحکم اسلامی حکومت کا قیام دوبارہ عمل میں لا سکے، بلکہ وقت تو یہ آ گیا تھا کہ غیر مسلموں کا تسلط اور بڑھتے ہوئے قدم مسلمانوں کے وجود ہی کو ختم کر دینے کے درپے تھے۔ اس کے باوجود اس وقت مسلمانوں ہی میں خود غرض عناصر اپنی فطرت اور سرگرمیوں سے باز نہ آئے۔ اٹھارویں صدی کے نصف دوم میں انگریزوں کا سیاسی اثر بنگال کے علاوہ شمالی ہند کے دوسرے حصوں میں بھی تیزی

سے پھیل گیا تھا اور برطانیہ برعظیم میں ایک واحد بالا دست قوت بن چکا تھا اور کوئی ایسی ریاست یا فرماں روانہ تھا جو اس کی بالا دستی کو دعوت مقابلہ دے سکتا۔

لیکن اس صورت حال میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے، جو اپنے والد شاہ ولی اللہ کی فکر اور تعلیمات سے بہرہ مند تھے اور خود بھی ایک ممتاز عالم اور مفکر تھے، برعظیم کو ''دارالحرب'' قرار دیا۔ ان کے خیال میں مسلمان اب ایک ایسے علاقے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس پر اقتدار سے انھیں محروم کر دیا گیا ہے اور انگریزوں کی حکومت میں مسلمان پوری آزادی سے فرائض مذہبی انجام نہیں دے سکتے، اس لیے ان کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن چوں کہ مغل شہنشاہ انگریزوں کی فتح دہلی (۱۸۰۳ء) کے بعد بے بسی کی حالت میں انگریزوں کا حاشیہ بردار بن گیا تھا اور مسلمانوں کی کوئی منظّم تحریک نہ تھی، جو اس فتوے کے مطابق اپنا دینی فریضہ انجام دینے کے لیے نام نہاد مسلمان حکمرانوں یا عام مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرتی، اس لیے اس فتوے کا کوئی فوری عملی نتیجہ نہیں نکلا، تاہم اس نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا جس کا مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام تھا۔ یہ سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد تھی، جو شاہ ولی اللہ کی فکر اور شاہ عبدالعزیز کی تعلیمات سے سرشار تھی۔

یہ اس تحریک کا ایک معروف پس منظر یا آغاز تھا جو اس عہد کے حالات و واقعات کے تناظر میں بالعموم ہماری تاریخوں میں موجود ہے۔ جب کہ اس تحریک کی سرگرمیوں کے بارے میں اب تک ہم جو کچھ پڑھتے اور سنتے آئے ہیں اس کے مطابق اس جہاد کا رخ سر دست پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف رکھا گیا جس کے مسلمانوں پر ظلم کرنے اور ان کی مذہبی آزادی میں خلل انداز ہونے کی خبریں عام تھیں۔ پہلے پہل اس تحریک کے بارے میں انگریزوں کا رویہ بظاہر، مگر مصلحتاً غیر جانبدار رہا کیوں کہ اس جہاد سے انھیں ہندوستان کی دو طاقتوں کے ختم ہو جانے یا کمزور ہو جانے کی توقع تھی، جس کے بعد وہ فاتح اور مفتوح دونوں پر آسانی سے غلبہ پا سکتے تھے۔ پنجاب کی سکھ حکومت سے جنگ کا فیصلہ کافی غور و خوض کے بعد کیا گیا تھا۔ سکھوں کی حکومت ظالم تھی اور اسلام اور مسلمانوں سے انتہائی تعصب رکھتی تھی۔ ان کی حکومت کا بڑا حصہ ان علاقوں پر مشتمل تھا، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس کے باوجود اپنی حکومت کو شمال مغرب میں پٹھانوں کے وطن پر

وسعت دینے کا عمل سکھوں کی طرف سے برابر جاری تھا۔ مجاہدین کا عزم یہ تھا کہ مسلم اکثریت والے اس علاقے اور پٹھانوں کی مملکت کو آزاد کرالیا گیا تو مزید سرگرمیوں کے لیے یہ علاقہ ایک مرکز بن جائے گا۔ اس عزم کے تحت مجاہدین نے سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ جہاد کی تفصیلات سے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

اگرچہ اس تحریک کی کامیابی کے امکانات موجود تھے لیکن وہی ہوا جو قبل ازیں بنگال (۱۷۵۷ء) اور میسور (۱۷۹۹ء) میں ہو چکا تھا، چناں چہ اُن وجوہات کے سبب، جن کی تفصیلات اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں موجود ہیں، یہ جہاد ناکام ہوا۔ مگر سید احمد شہید اور ان کے رفقا کی شہادت کے بعد بھی یہ تحریک ختم نہیں ہوئی، بلکہ ان کے بچے کچھے دیگر رفقا اور پیروؤں نے اس کو بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رکھا۔ اس موضوع پر بھی عمدہ تحقیقات کی کمی نہیں اور یہ تفصیلات متعدد مطالعات کا موضوع بن چکی ہیں۔ پھر اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جہاد کے ناکام ہونے کے بعد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس تحریک سے وابستہ مجاہدین اور ان کے رفقا بھی پیش پیش رہے، گویا انگریزوں کے مقابل سینہ سپر رہے اور ناکامی کے بعد جو بچے کچھے مجاہد رہ گئے تھے، وہ شمال مغربی علاقوں میں پھیل گئے، جہاں ان کی انگریزوں سے براہِ راست جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں سکھوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کرلیا تھا۔ انگریزوں کے اس نئے اقتدار کا نتیجہ یہ تھا کہ اب تحریک مجاہدین کا براہِ راست تصادم انگریزوں سے ہو۔ ابتداءً انگریز اس پر کچھ زیادہ فکر مند نہ ہوئے کیوں کہ رنجیت سنگھ مجاہدین کے ساتھ جنگ میں مشغول تھا، لیکن جب ۱۸۴۹ء میں سکھوں کی حکومت ختم ہوگئی تو مجاہدین کی جیسی تیسی تحریک کا بھی جاری رہنا ان کے لیے کچھ معنی رکھتا تھا۔ چناں چہ پنجاب اور صوبہ سرحد میں انگریزوں اور مجاہدین کے درمیان جھڑپوں کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک اور پھر ۱۸۶۷ء اور ۱۸۶۸ء میں انگریزوں سے مجاہدین کی باضابطہ فوجی مہموں کا ذکر ریکارڈ پر موجود اور متعلقہ تواریخ کا حصہ ہے۔ اس ضمن میں محض قیام الدین احمد کی تحقیقات، جو ہندوستان میں وہابی تحریک، اور فوجی مہموں کی دستاویزات کے ضخیم مجموعے کی ترتیب وتدوین پر منحصر ہیں، انگریزوں کے خلاف مجاہدین کی مابعد سرگرمیوں پر دال ہیں۔ یہ آخری جنگی مہمیں تھیں جن کی تفصیلات معلوم

ہوئی ہیں، لیکن اس کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں، ریشمی رومال کی تحریک کی تفصیلات دریافت ہونے سے، مجاہدین کی مزید اور مستقل انگریز دشمن سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

انگریزوں کے لیے یہ صورت حال ہمیشہ پریشان کن رہی۔ چناں چہ وہ، اپنی روایتوں کے مطابق مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے، جو مسلمانوں میں جوش جہاد کم کرنے کی سعی کرتا رہا ہے۔ اس کی ایک مستحکم مثال ''دارالحرب'' کے نظریے کے مقابل ''دار الاسلام'' یا ''دارالامن'' کے تصورات ہیں جو ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ مسلمان زعماً کی جانب سے ''دارالاسلام'' یا ''دارالامن'' جیسے تصورات کے اجرأ کے پس پشت یا در پردہ انگریزوں کی سرپرستی، حوصلہ افزائی یا کم از کم پسندیدگی کے شواہد ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ تحریک مجاہدین کی مختلف پہلوؤں سے مخالفت اور تحریک قادیانیت کا فروغ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان سے وابستہ افراد نے جہاد کے خلاف مختلف وقتوں میں فتوے دیے اور مجاہدین کو کم زور دلائل کے ساتھ کبھی 'وہابی' اور کبھی 'کافر' قرار دیا۔ فتوؤں کے ساتھ ساتھ اس مقصد کے لیے کتابیں بھی تصنیف کرائی گئیں جن پر انعام واکرام کی بارش ہوتی تھی، جس کی ایک نمائندہ مثال ''تاریخ تناولیاں''، مصنفہ سید مراد علی علی گڑھی، منشی سرحد چوکی، دربند، ضلع ہزارہ نے انگریزی ملازمت کے دوران ۱۸۷۵ء میں تحریر کی تھی، جو ہمارے فاضل مصنف خوشتر نورانی صاحب کے پیش نظر بھی رہی ہے۔

اس توقع اور تحریک کے تحت لکھی گئی کتاب یا کتابیں، اس دور میں کہ جو انگریزوں کے خلاف مجاہدین کی چھاپہ مار جنگوں کا زمانہ تھا، اپنے مطالب و بیانات کے لحاظ سے کس حد تک حقائق پر مبنی ہوں گی؟ اور ان میں سید احمد شہید اور ان کے رفقا کی تحریک و کردار کے بارے میں بیان کردہ منفی باتیں کس حد تک درست ہوں گی؟ یہ سوالات عام ذہنوں کے سوالات بھی ہو سکتے ہیں، لیکن یہ تاریخی واقعات ہیں، جو معروف بھی ہیں کہ ان مجاہدین نے ہندوستان کے ''دارالحرب'' ہونے کے نظریے کے تحت جہاد کے لیے خود کو تیار کیا، بے پناہ نظم وضبط سے سارے ہندوستان میں اس کے لیے دعوت عام کی، مجاہدین تیار کیے، سارے ممکنہ وسائل یکجا کرنے کی کوشش کی، لیکن جن میں توپ و تفنگ نہ تھیں، پھر دشوار گزار علاقوں کا رُخ کیا اور سارے سفر کی مشکلات عبور کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان کے اس سارے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ان کے جہاد کا نشانہ سکھوں کی وہ حکومت

تھی جو عوام کی اکثریت (مسلمانوں) پر ظلم و جبر کے ساتھ حکمراں تھی- ناکامی اس وقت کے حالات میں ان کا مقدر تھی لیکن اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو کیا ان کا رویہ، جو پہلے ہی ’’دارالحرب‘‘ کے نظریے سے سرشار تھے، انگریزوں کے ساتھ دوستانہ ہوتا؟ یہ انھیں یقین تھا کہ انگریزوں کے مقابل تہی دستی میں وہ اس مرحلے پر راست جہاد نہیں کر سکتے تھے اور اگر کر بھی لیتے تو ناکام ہی رہتے- اس لیے یہ قابل فہم ہے کہ انھیں ایک محفوظ خطۂ زمین اور افرادِ کار درکار تھے جو انھیں شمالی علاقوں کے مجبور و محکوم اور سکھوں کے ستائے ہوئے یا ان سے نجات پائے ہوئے مسلمانوں کی صورت میں مل جاتے-

اس کتاب کے فاضل مصنف کا یہ خیال کہ ان مجاہدین کا جہاد صرف سکھوں کے خلاف تھا، انگریزوں کے خلاف نہ تھا، کسی قسم کے اختلاف کا سبب نہیں، واقعی انگریزی اقتدار کا سارا علاقہ عبور کرتے ہوئے شمال مغربی علاقوں تک پہنچے اور وہاں بالاکوٹ میں وہ انگریزوں سے نہیں سکھوں ہی سے لڑے، لیکن اب تک کی عام روایات کے مطابق انگریزوں سے نفرت تو ان کے مرشد اعلیٰ کے جاری کیے ہوئے ’’دارالحرب‘‘ کے نظریے کے زیر اثر ان کے عقیدے کا حصہ بن چکی تھی، جس کا مظاہرہ بعد میں انھوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد اور پھر شمالی علاقوں میں ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک اور پھر ۱۸۶۷ء اور ۱۸۶۸ء میں انگریزوں کے خلاف اپنی باضابطہ فوجی مہموں کے توسط سے کیا تھا، جن کا احوال ریکارڈ پر موجود ہے- ان کے علاوہ بیسویں صدی کے اوائل میں ریشمی رومال کی تحریک کے ذریعے مجاہدین کی مزید اور مستقل انگریز دشمن سرگرمیاں بھی ان کے جذبات اور ان کی سرگرمیوں کی مظہر ہیں- ان کے علاوہ کون ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے خلاف کبھی تلوار اٹھائی یا مخالفانہ جہد و جہاد میں سرگرم ہوئے؟ ان اشاروں کی روشنی میں یہ موضوع واقعی اس قابل تھا کہ ان مجاہدین اور انگریزوں کے روابط پر ایک غیر جانبدارانہ اور عالمانہ و محققانہ نظر ڈالی جائے تاکہ وہ غلط بیانیاں اور الزام و اتہام جو مجاہدین کی اس تحریک اور مجاہدین کے مقاصد و کردار پر لگائے جاتے رہے ہیں، ان کی حقیقت سامنے آئے- تحریک مجاہدین اس لحاظ سے تو بدقسمت ہے کہ وہ اپنے فوری مقاصد میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی مگر اس نے بے پناہ ایثار نفس سے کام لیا اور اپنی جانیں تک قربان کر دیں پھر بھی اپنے دشمن کم نہ کر سکی، نہ اپنوں میں نہ

انگریزوں میں- جو اپنے تھے وہ کوتاہ بینی کا شکار، نفسیاتی عوارض میں مبتلا اور اپنے مفادات کے حصول میں سرگرم رہے، جب کہ ان میں سے کچھ تو انگریزوں کے تلوے چاٹتے رہے، جو چاہے اپنوں ہی کے خون سے آلودہ کیوں نہ رہے ہوں-

یہ وہ واقعات ہیں جنھیں عام تاریخوں میں دیکھا جا سکتا ہے اور جو معروف و معلوم ہیں- ان کے برعکس وہ مخالفانہ اور تنقیدی یا تنقیصی باتیں بھی کتابوں میں مل جاتی ہیں جو اس تحریک یا اس تحریک سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے بارے میں بیان ہوتی رہی ہیں- اس تحریک کا بڑا عرصہ وہی ہے جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے حال احوال کا ہے- چناں چہ ہمارے فاضل مصنف نے جب علامہ پر اپنی کتاب کے لیے عصری مآخذ کا کھوج لگانا شروع کیا اور اپنے مطالعے کو ان کے عہد کے سارے ہی متعلقہ موضوعات تک وسعت دی تو ان پر بڑے اہم اہم انکشافات ہوئے اور ایسے ایسے مآخذ تک ان کی رسائی ہوئی جو قبل ازیں کسی متعلقہ مؤرخ اور مصنف کی دسترس میں نہ آ سکے تھے، یا بقول نورانی صاحب، شاید ارادۃً ان مصنفین نے ان سے صرف نظر کیا- ایسے اہم انکشافات، مع رسالۂ سید میر محبوب علی، انھیں دستیاب ہوئے، جو اس کتاب میں مصنف کے تجزیے اور تبصرے کے ساتھ شامل ہیں- مثلاً اپنے اس مطالعے میں فاضل مصنف کا اس نتیجے تک پہنچنا کہ (۱) شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ تحریک مجاہدین کی بنیاد نہیں بنا تھا؛ (۲) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہ مجاہدین شریک نہیں تھے؛ اور (۳) حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لیے انگریزوں کا مجاہدین سے متصادم ہونا درست نہیں، جیسے انکشافات اس موضوع پر سابقہ تمام تحقیقات کا ایک لحاظ سے رد ہیں- مصنف کی آراء اور ان کے تجزیوں کے ضمن میں دو رائے ہو سکتی ہیں، لیکن جو سوالات فاضل مصنف کے ذہن میں پیدا ہوئے اور جو انکشافات ان پر ہوئے یا جن نتائج تک وہ پہنچے ہیں، اس موضوع پر مزید مطالعے اور دریافت حقیقت کے لیے انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا- ایسی ساری باتیں جو مبینہ حقائق کے برعکس ہوں، ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے، اپنی غیر جانبداری اور اپنے لب و لہجے کی متانت کو برقرار رکھنا کچھ آسان نہیں لیکن اپنے مطالعے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انکشافات سے، جو چاہے خود مصنف کے لیے مسلمات کے مثل رہے ہوں، رد کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا، لیکن لگتا ہے مصنف نے یہ ہفت خواں عمدگی سے طے کیے ہیں- اسلوب کی

متانت و سنجیدگی کہیں مجروح دکھائی نہیں دیتی- یہ بڑی خوبی کی بات ہے اور قابل ستائش ہے- تحقیق میں بنیادی وعصری مآخذ کی بڑی اہمیت ہے- ان کے بغیر کوئی تحقیق یا اخذِ نتائج مستند نہیں کہے جا سکتے، چناں چہ ان کا اہتمام یہاں خوشتر صاحب کے پیش نظر رہا ہے جس کے سبب یہ مطالعہ اور اس کے نتائج نظر انداز نہیں کیے جا سکیں گے- فاضل مصنف نے جو نتائج اس تصنیف میں مرتب کیے ہیں اور جو انکشافات ان کی اس کاوش سے سامنے آرہے ہیں ان سے اس تحریک سے دل چسپی رکھنے والوں اور اس کا مطالعہ کرنے والوں کا چونکنا اور اس کے مطالعے کے لیے مضطرب ہونا یقینی ہے-

خوشتر صاحب نے اپنے سارے مطالعے کی بنیاد عصری اور بالعموم بنیادی مآخذ پر استوار رکھی ہے اور ایک ایسے وقت میں یہ مطالعہ کیا ہے جب امر واقعہ سے متعلق جذبات کی گرد جم چکی ہے اور حقائق کی کُل تصویر سامنے ہے- اب اس موضوع پر مطالعہ کرنے اور اس پر قلم اٹھانے والوں کے سامنے تصویر کے سارے رُخ نمایاں ہیں- اب ان نئے انکشافات اور نظر انداز کردہ واقعات و شخصیات کے حوالے سے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ اس تحریک کا مطالعہ ایک نئے سرے سے کیا جائے اور میانہ روی اور غیر جانبداری سے ان نتائج تک پہنچا جائے، جو حقیقت پسندی کا تقاضا ہے- خوشتر نورانی صاحب نے ایک انقلابی نوعیت کا تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے، جس کی روشنی میں حقائق کا تعین پہلے سے زیادہ آسان اور ممکن ہوگیا ہے- یہ اس نوعیت کا کام ہے کہ اب اس کی مدد سے تحریک مجاہدین کے مقاصد اور سرگرمیوں اور اس کی بابت انگریزوں کے رویے اور حکمت عملی کو متعین کرنا اور اس طرح ایک زیادہ مستند و معیاری تاریخ مرتب کرنا ممکن ہوگیا ہے، جس کے لیے خوشتر نورانی صاحب کی یہ کاوش، یہ تصنیف ایک بنیادی اور ناگزیر ماخذ کا کام دے گی-

❑❑❑

عکس مخطوطہ *

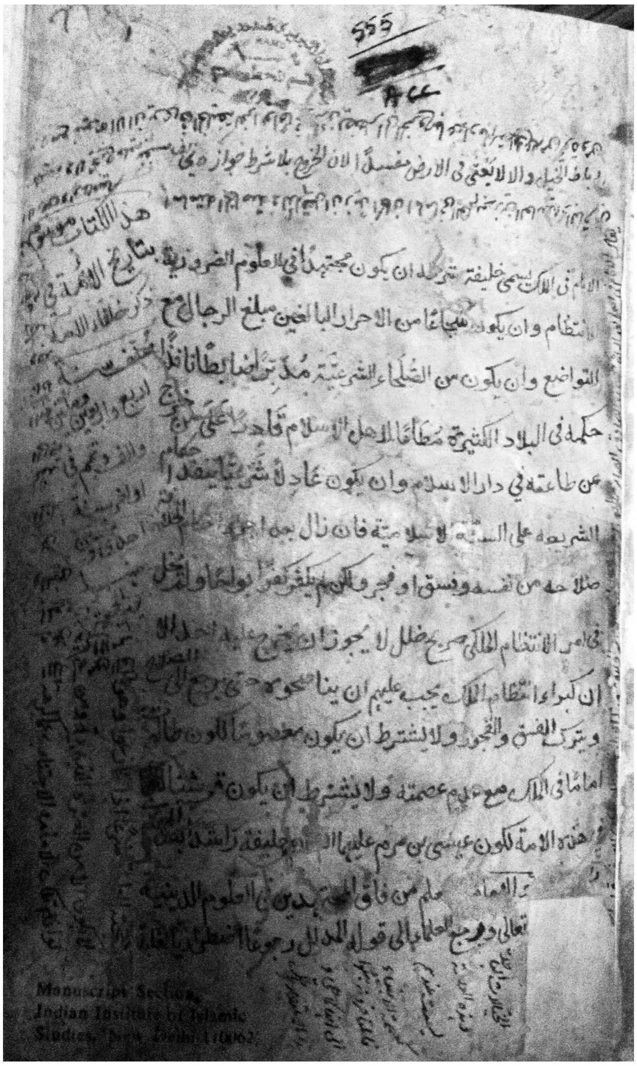

هذا الكتاب موسوم بتاريخ الائمة في ذكر خلفاء الامة

[illegible] الخيل والا [illegible] في الارض مفسدًا الان الخروج بلا شرط جواز [illegible]

الامام في الملك يسمى خليفة شرطه ان يكون مجتهدًا في العلوم الضرورية
[illegible] انتظام وان يكون شجاعًا من الاحرار البالغين مبلغ الرجال مع
التواضع وان يكون من الصلحاء الشرعية مدبرًا ضابطًا نافذًا
حكمه في البلاد الكثيرة مطاعًا لاهل الاسلام قادرًا على من خرج
عن طاعته في دار الاسلام وان يكون عادلًا شرعيًا ينفذ ا[illegible]
الشريعة على السنة الاسلامية فان زال [illegible]
صلاحه من [illegible] وفسق او فجر [illegible]
في امر الانتظام الملكي صريح خلل لا يجوز ان يخرج عليه اهل الا[illegible]
ان كبراء انتظام الملك يجب عليهم ان [illegible] حتى يرجع الى [illegible]
ويترك الفسق والفجور ولا يشترط ان يكون معصومًا لكون [illegible]
اما ما في الملك [illegible] عصمته ولا يشترط ان يكون قرشيًا [illegible]
هذه الامة لكون عيسى بن مريم عليهما السلام خليفة راشدًا بعد [illegible]
[illegible] علم من فاق [illegible] في العلوم الدينية
تعالى [illegible] العلماء الى قوله [illegible]

Manuscript Section,
Indian Institute of Islamic
Studies, New Delhi-110062

*ابتدا اور آخر کے ۳ر صفحات کے علاوہ یہاں مخطوطہ (تاریخ الائمۃ فی ذکر خلفاءِ الامۃ) کے انہی صفحات کے عکس دیے جا رہے ہیں، جن میں سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک جہاد سے متعلق ذکر ہے۔

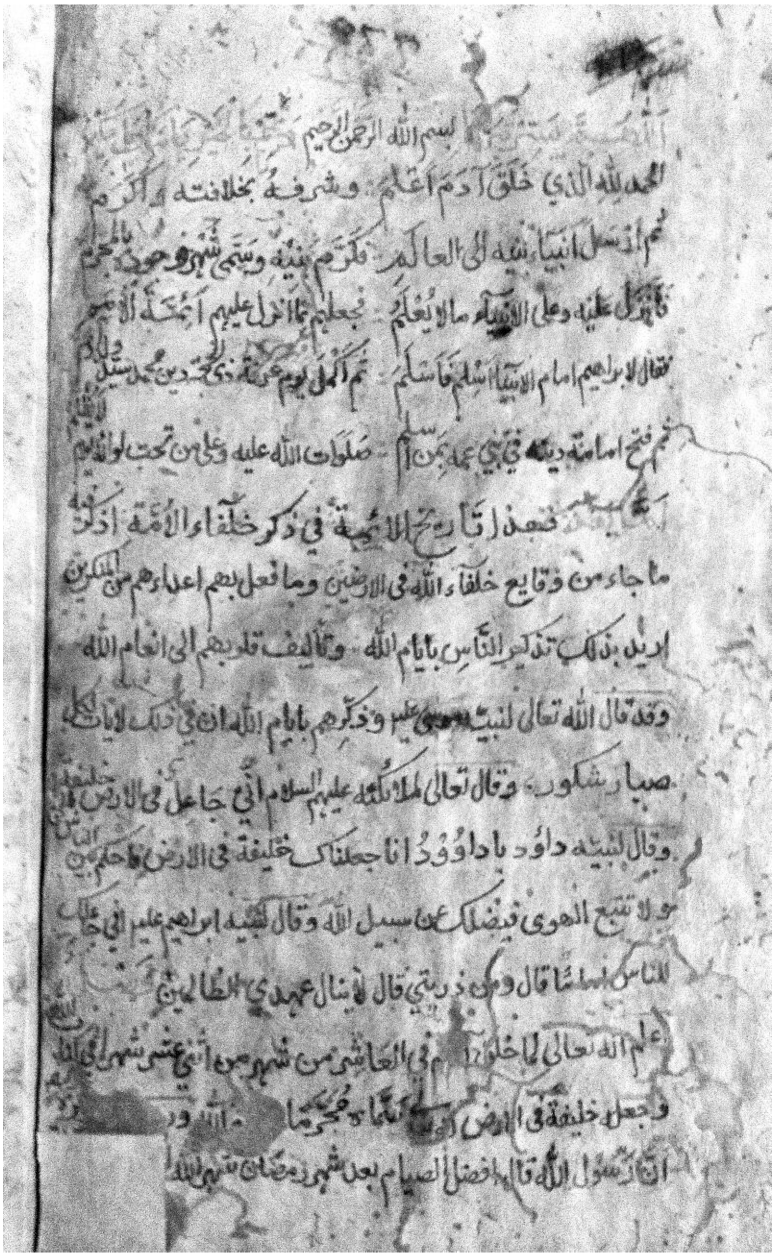

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي خلق آدم اعلم · وشرفه بخلافته واكرم
ثم ارسل انبيائه الى العالم · فكرم بنيه وسمى شهر جوده بالمحرم
فانزل عليه وعلى الانبياء ما لا يعلم · فجعلهم بما انزل عليهم ائمة الامم
فقال لابراهيم امام الانبياء اسلم فاسلم · ثم اكمل يوم عرفة دين محمد [illegible]
ثم فتح امامة دينه في بني عمه بمن ائتم · صلوات الله عليه وعلى من تحت لوائه [illegible]
[illegible] فهذا تاريخ الائمة في ذكر خلفاء الائمة اذكر فيه
ما جاء من وقايع خلفاء الله في الارضين وما فعل بهم اعداؤهم من المنكرين
اريد بذلك تذكير الناس بايام الله · وتأليف قلوبهم الى انعام الله
وقد قال الله تعالى لنبيه موسى عليه وذكرهم بايام الله ان في ذلك لآيات لكل
صبار شكور · وقال تعالى للملائكة عليهم السلام اني جاعل في الارض خليفة
وقال لنبيه داود يا داود انا جعلناك خليفة في الارض فاحكم بين الناس
ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله وقال لنبيه ابراهيم عليه اني جاعلك
للناس اماما قال ومن ذريتي قال لا ينال عهدي الظالمين
علم الله تعالى لما خلق آدم في العاشر من شهر من اثني عشر شهرا الى الله
وجعله خليفة في الارض [illegible] محرما [illegible] الله [illegible]
ان رسول الله قال افضل الصيام بعد شهر رمضان شهر الله

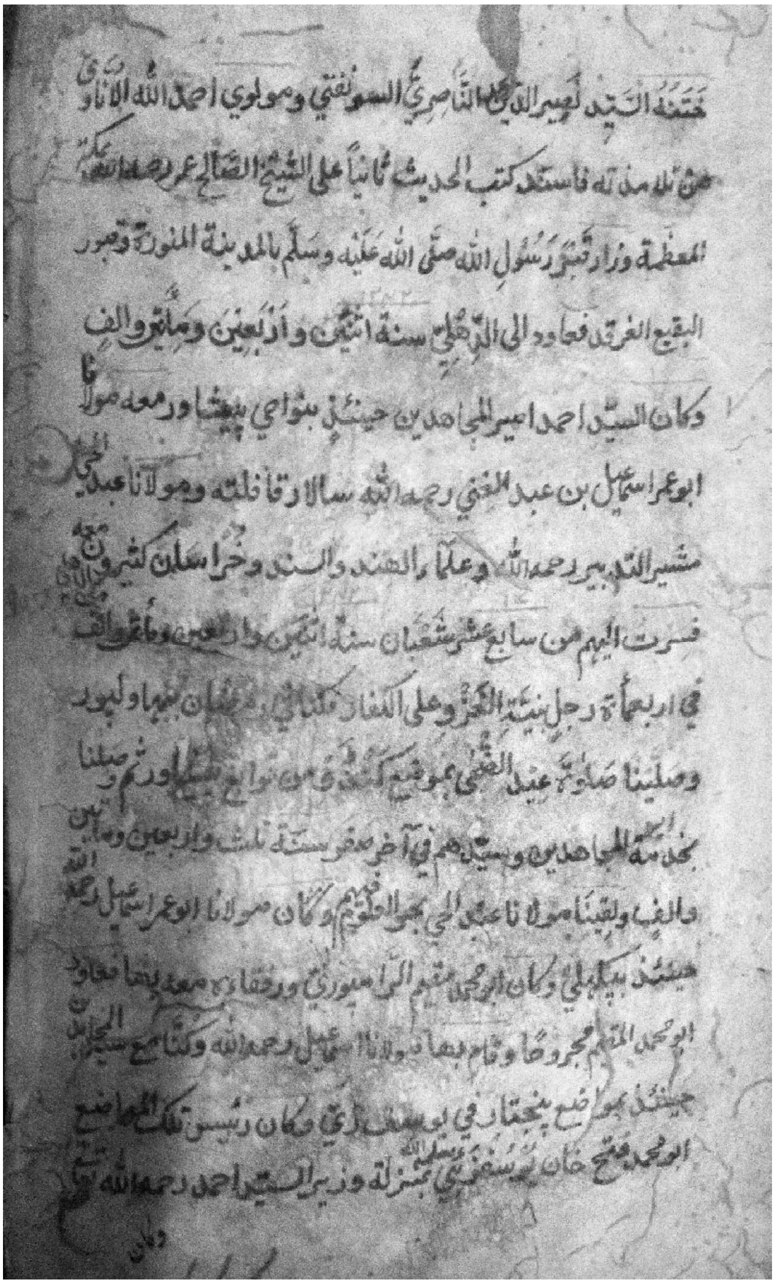

ختنه السيد نصير الدين الناصري السونفتي ومولوي احمد الله الاناوي

حرسها الله من آفاته فاستند كتب الحديث ثانيا على الشيخ الصالح عمر رحمه الله بمكة

المعظمة وزار قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة المنورة وقبور

البقيع الغرقد فعاد الى الدهلي سنة اثنين واربعين ومائتين والف

وكان السيد احمد امير المجاهدين حينئذ بنواحي پيشاور ومعه مولانا

ابو عمر اسماعيل بن عبد الغني رحمه الله سالار قافلته ومولانا عبد الحي

مشير التدبير رحمه الله وعلماء الهند والسند وخراسان كثيرون معه

فسرت اليهم من سابع عشر شعبان سنة اثنين واربعين ومائتين والف

في اربعمائة رجل بنية الغزو على الكفار فكنا في رمضان بها ولم يرد

وصلينا صلاة عيد الفطر بموضع كنهدي من نواحي پيشاور ثم وصلنا

بخدمة امير المجاهدين وسيدهم في آخر صفر سنة ثلث واربعين ومائتين

والف ولقينا مولانا عبد الحي بحر العلوم فيهم وكان مولانا ابو عمر اسماعيل رحمه الله

حينئذ بپكهلي وكان ابو محمد مقيم الرامپوري ورفقاءه معه بها فعاد

ابو محمد المقيم مجروحا وقام بها مولانا اسماعيل رحمه الله وكنا مع سيد المجاهدين

حينئذ بمواضع پنجتار في يوسفزئي وكان رئيس تلك المواضع

ابو محمد فتح خان يوسفزئي بمنزلة وزير السيد احمد رحمه الله تعالى

وكان

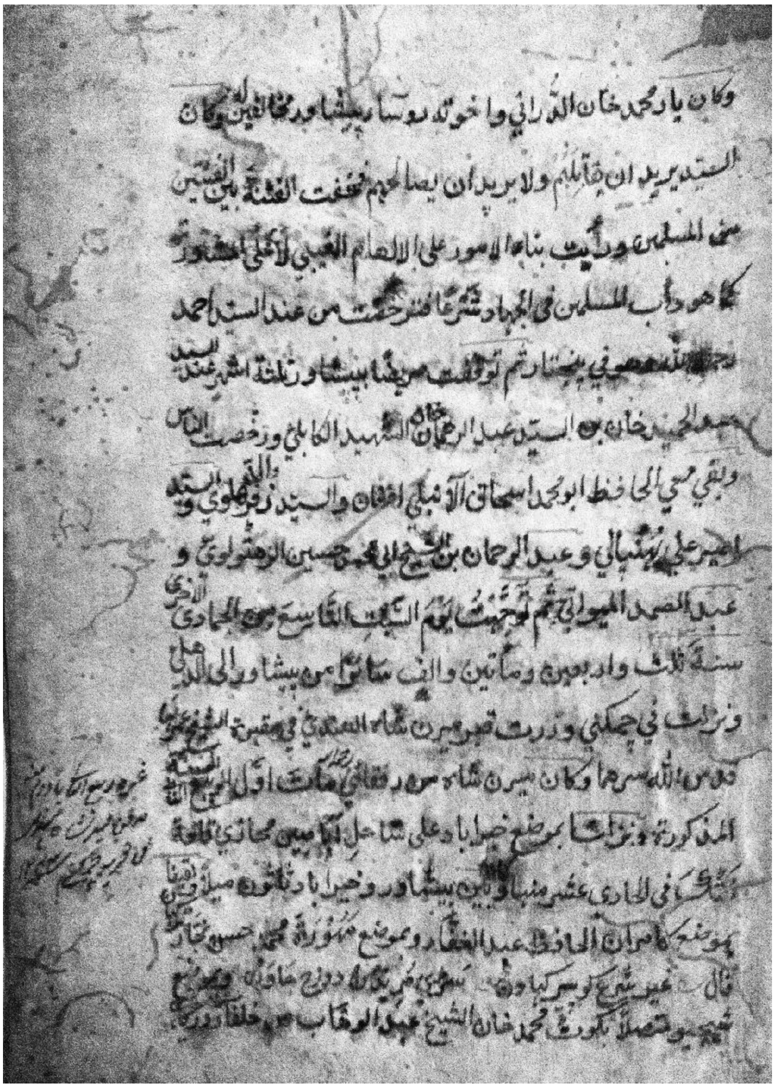

وكان يار محمد خان الدراني واخوته رؤساء بيشاور منافقين له وكان

السيد يريد ان يقاتلهم ولا يريد ان يصالحهم فحقت الفتنة بين الفئتين

من المسلمين ورأيت بناء الامور على الالهام الغيبي لا على المشورة

كما هو دأب المسلمين في الجهاد شرعا فاسترخصت من عند السيد احمد

رحمه الله تعالى في پنجتار ثم توقفت مريضا ببيشاور ثلثة اشهر عند السيد

عبد الحميد خان بن السيد عبد الرحمن خان الشهيد الكابلي ورخصت الناس

وبقي معي الحافظ ابو محمد اسحاق الآنبلي افغان والسيد [illegible] العلوي والسيد

امير علي [illegible] و عبد الرحمن بن الشيخ ابي محمد حسين الرهتولوي و

عبد الصمد الميواتي ثم توجهت يوم السبت التاسع من الجمادى الاخرى

سنة ثلث واربعين ومائتين والف سائرا من بيشاور الى الدهلي

ونزلت في چكلي وزرت قبر ميرن شاه الصديقي في مقبرة الشيخ [illegible]

قدس الله سرهما وكان ميرن شاه مرشد [illegible] ماتت اول الربيع [illegible]

المذكورة ونزلت [illegible] على ساحل [illegible]

[illegible] في الحادي عشر منها وبين بيشاور و[illegible] باد ثلثون ميلا [illegible]

[illegible] كامران الحافظ عبد الغفار وموضع مشهور محمد حسين [illegible]

قال [illegible]

[illegible] متصلا [illegible] محمد خان الشيخ عبد الوهاب من خلفاء [illegible]

[illegible]

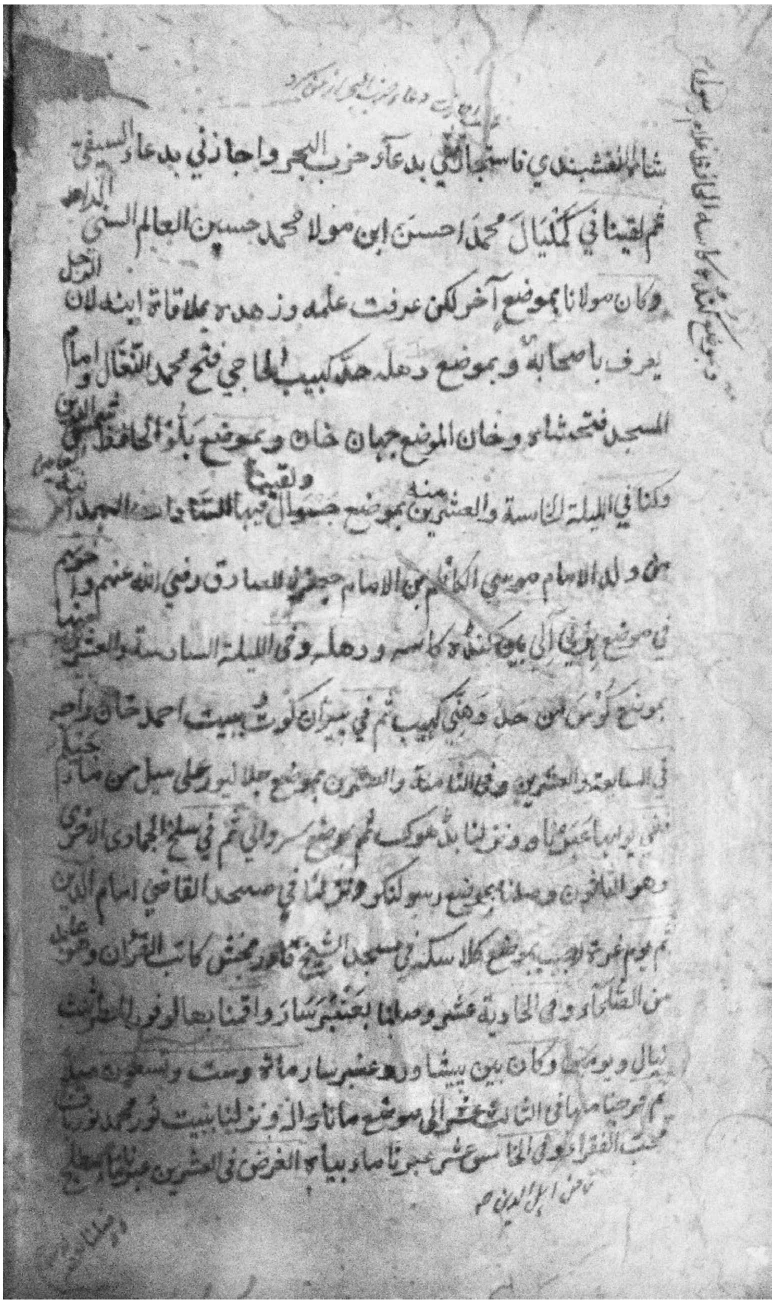

شاه النقشبندي فاستجازني بدعاء حزب البحر واجازني بدعاء السيفي
ثم لقينا في گنگيال محمد احسن ابن مولانا محمد حسين العالم السني الزاهد
وكان مولانا بموضع آخر لكن عرفت علمه وزهده بملاقاة ابنه لان الرجل
يعرف باصحابه وبموضع دهله حد كيبب الحاجي فتح محمد النقال وامام
المسجد فتحشاه وخان الموضع جهان خان وبموضع بلو الحافظ نعيم الدين [illegible]
ولقينا منه
وكنا في الليلة التاسعة والعشرين بموضع جهوال [illegible] [illegible] النجد [illegible]
من ولد الامام موسى الكاظم بن الامام جعفر الصادق رضي الله عنهم [illegible]
في موضع [illegible] الى [illegible] كاسه ودهله وفي الليلة السادسة والعشرين
بموضع كوس من حد دهني كيبب ثم في ميران كوت ببيت احمد خان واحد
في السابعة والعشرين وفي الثامنة والعشرين بموضع جلاليور على سيل من [illegible] جهلم
[illegible] [illegible] ونزلنا بدهوك ثم بموضع سروالي ثم في سلخ الجمادى الاخرى
وهو الثلاثون وصلنا بموضع رسولنكو ونزلنا في مسجد القاضي امام الدين
ثم يوم غرة الرجب بموضع كلاسكه في مسجد الشيخ قادر بخش كاتب القرآن وهو [illegible]
من الصلحاء وفي الحادية عشر وصلنا بغنبر سار واقمنا بها لوفور [illegible]
ليال ويوما وكان بين بيشاور وغنبر سار مائة وست وتسعون ميل
ثم خرجنا منها في الثالث عشر الى موضع ماناواله ونزلنا ببيت نور محمد [illegible]
محب الفقراء وفي الخامس عشر عبرنا ماء بياه الغرض في العشرين [illegible]

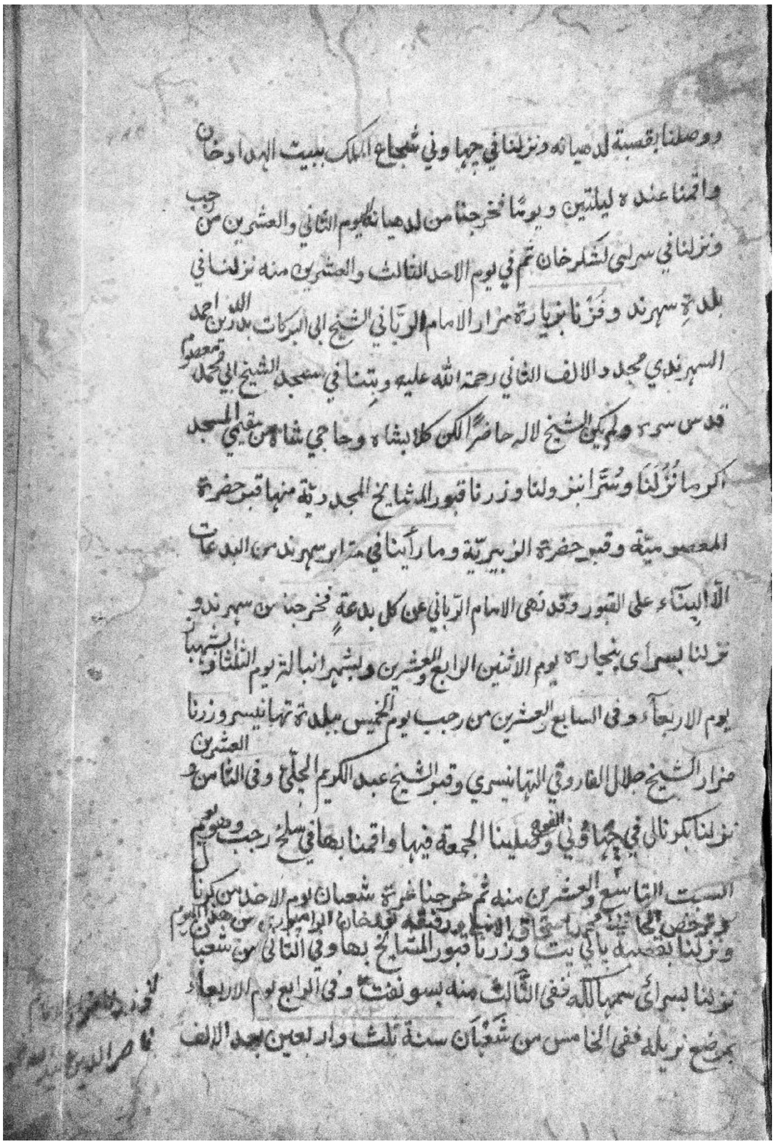

ووصلنا بقصبة لدهيانه ونزلنا في جهاوني شجاع الملك ببيت الهي اد خان
واقمنا عنده ليلتين ويومًا فخرجنا من لدهيانه يوم الثاني والعشرين من رجب
ونزلنا في سرلي لشكر خان ثم في يوم الاحد الثالث والعشرين منه نزلنا في
بلدة سهرند وفزنا بزيارة مزار الامام الرباني الشيخ ابي البركات بدر الدين احمد
السهرندي مجدد الالف الثاني رحمة الله عليه وبتنا في مسجد الشيخ ابي محمد معصوم
قدس سره ولم يكن الشيخ لاله حاضرًا لكن كلابشاه وحاجي شاه من مقيمي المسجد
اكرما نزلنا ويسرا نزولنا وزرنا قبور المشايخ المجددية منها قبر حضرة
المعصومية وقبر حضرة الزبيرية وما رأينا في مزار سهرند من البدعات
الا البناء على القبور وقد نهى الامام الرباني عن كل بدعة فخرجنا من سهرند و
نزلنا بسراي بنجاره يوم الاثنين الرابع والعشرين وبشهر انبالة يوم الثلثاء وبشهباد
يوم الاربعاء وفي السابع والعشرين من رجب يوم الخميس ببلدة تهانيسر وزرنا
مزار الشيخ جلال الفاروقي التهانيسري وقبر الشيخ عبد الكريم الجلي وفي الثامن والعشرين
نزلنا بكرنال في جهاوني وصلينا الجمعة فيها واقمنا بها في سلخ رجب ويوم
السبت التاسع والعشرين منه ثم خرجنا غرة شعبان يوم الاحد من كرنال
و[illegible] [illegible] الامراء [illegible] من هذا اليوم
ونزلنا بقصبة باني بت وزرنا قبور المشايخ بها وفي الثاني من شعبان
نزلنا بسراي سمها الله ففي الثالث منه بسونفت وفي الرابع يوم الاربعاء
بموضع نريله ففي الخامس من شعبان سنة ثلث واربعين بعد الالف

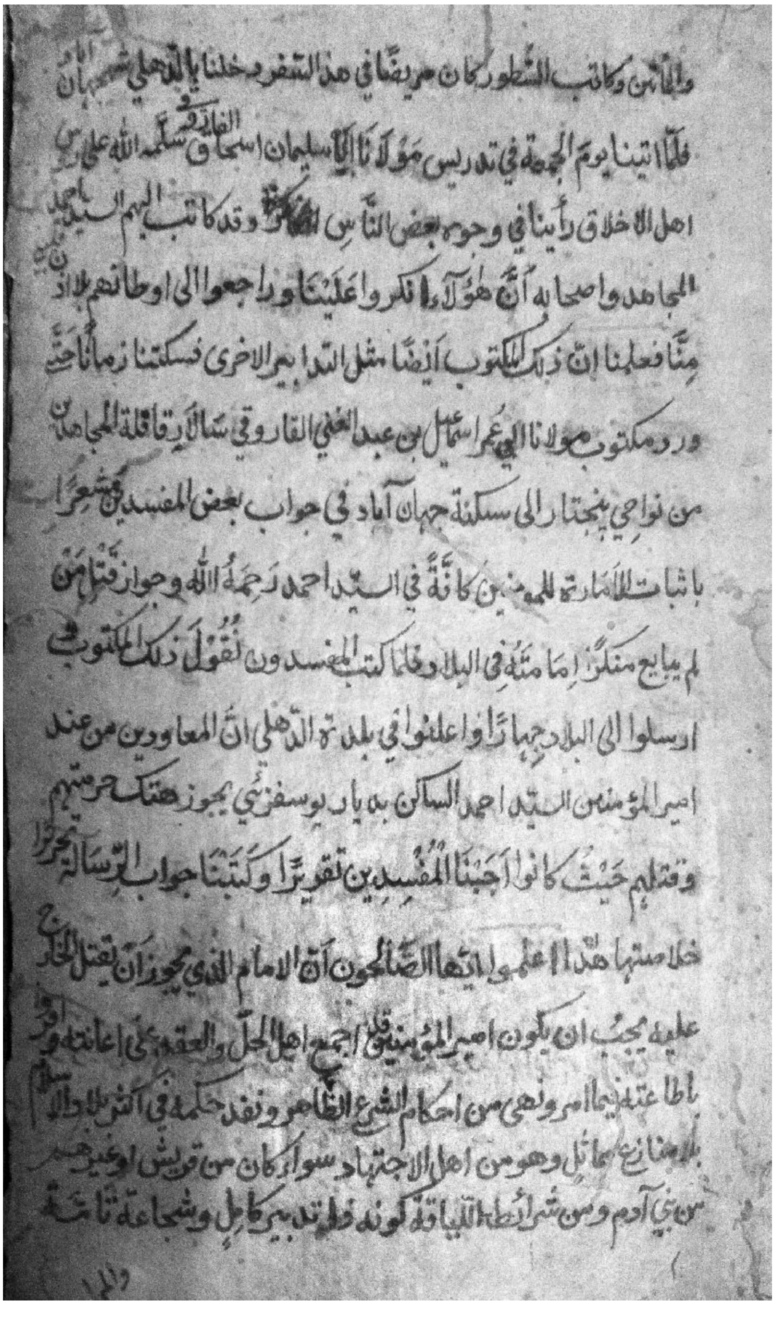

والآن وكاتب السطور كان مريضا في هذا السفر دخلنا بالدهلي شعبان
فلما اتينا يوم الجمعة في تدريس مولانا ابي سليمان اسحاق الفاروقي سلمه الله على رس
اهل الاخلاق رأينا في وجوه بعض الناس [illegible] وقد كاتب اليهم السيد احمد
المجاهد واصحابه ان هؤلاء انكروا علينا ورجعوا الى اوطانهم بلا اذن
منا فعلمنا ان ذلك المكتوب ايضا مثل التدابير الاخرى فسكتنا زمانا حتى
ورد مكتوب مولانا ابي عمر اسماعيل بن عبد الغني الفاروقي سالار قافلة المجاهدين
من نواحي پنجتار الى سكنة جهان آباد في جواب بعض المفسدين مشعرا
باثبات الامارة للمؤمنين كافة في السيد احمد رحمه الله وجواز قتل من
لم يبايع منكرا امامته في البلاد فلما كتب المفسدون نقول ذلك المكتوب في
ارسلوا الى البلاد جهارا واعلنوا في بلدة الدهلي ان المعاودين من عند
امير المؤمنين السيد احمد الساكن بديار يوسفزئي يجوز هتك حرمتهم
وقتلهم حيث كانوا اجبنا المفسدين تقريرا وكتبنا جواب الرسالة تحريرا
خلاصتها هذا اعلموا ايها الصالحون ان الامام الذي يجوز ان يقتل الخارج
عليه يجب ان يكون امير المؤمنين قد اجمع اهل الحل والعقد على اعانته و اقر
باطاعته فيما امر ونهى من احكام الشرع الظاهر ونفذ حكمه في اكثر بلاد الاسلام
بلا منازع مماثل وهو من اهل الاجتهاد سواء كان من قريش او غيرهم
من بني آدم ومن شرائط اللياقة كونه ذا تدبير كامل وشجاعة تامة

[illegible]

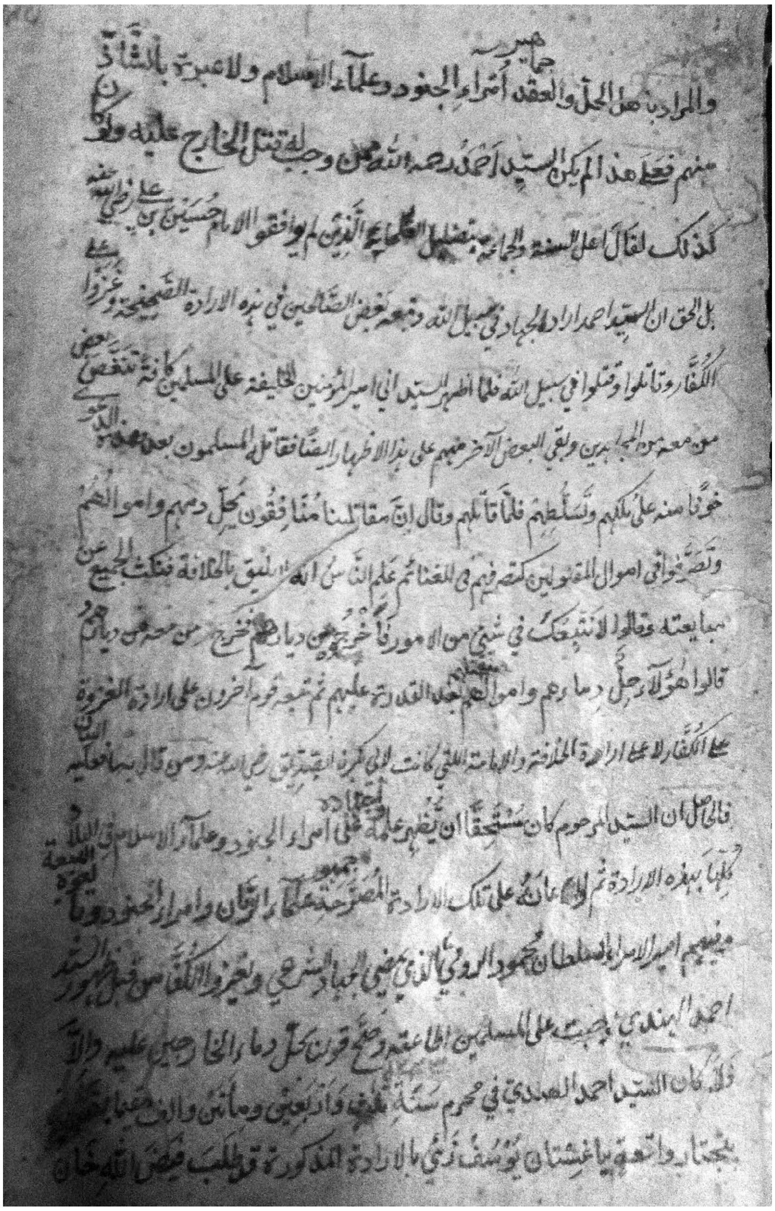

جماهير
والمراد باهل الحل والعقد امراء الجنود وعلماء الاسلام ولا عبرة بالشاذ من
منهم فعلى هذا لم يكن السيد احمد رحمه الله ممن وجب له قتل الخارج عليه ولو كان
كذلك لقاتل اهل السنة والجماعة بتضليل العلماء الذين لم يوافقوا الامام حسين بن علي رضي الله عنه
بل الحق ان السيد احمد اراد الجهاد في سبيل الله وتبعه بعض الصالحين في هذه الارادة الصحيحة وغزوا
الكفار وقاتلوا وقتلوا في سبيل الله فلما اظهر السيد اني امير المؤمنين الخليفة على المسلمين كافة تنفض بعض
من معه من المجاهدين وبقي البعض الآخر منهم على هذا الاظهار ايضا فقاتل المسلمون بعد الدعوى
خوفا منه على ملكهم وتسلطهم فلما قاتلهم وقال ان مقاتلينا منافقون يحل دمهم واموالهم
وتصرفوا في اموال المقتولين كتصرفهم في الغنائم علم الناس انه لا يليق بالخلافة فنكث الجميع عن
مبايعته وقالوا لا نتبعك في شيء من الامور فاخرجوه عن ديارهم فخرج من معه عن ديارهم
قالوا هؤلاء يحل دماءهم واموالهم بعد القدرة عليهم ثم تبعه قوم آخرون على ارادة الغزوة
على الكفار لا على ارادة الخلافة والامامة التي كانت لابي بكر الصديق رضي الله عنه ومن قال بها عليه البيان
للجهاد
فالحاصل ان السيد المرحوم كان مستحقا ان يظهر علمه على امراء الجنود وعلماء الاسلام في البلاد
كلها بهذه الارادة ثم لما عانه على تلك الارادة المصرحة جمهور علماء الافغان وامراء الجنود وجاء لبيعة البيعة
مبايعتهم امير الامراء السلطان محمود الرومي الذي يمضي الجهاد الشرعي ويغزو الكفار من قبل ظهور السيد
احمد الهندي وجبت على المسلمين اطاعته وصح قولنا يحل دماء الخارجين عليه ولما
ذلك كان السيد احمد الهندي في محرم سنة ست واربعين ومائتين والف [illegible]
المختار واتبعه ياغستان يوسف زئي بالارادة المذكورة تو طلب فيض الله خان

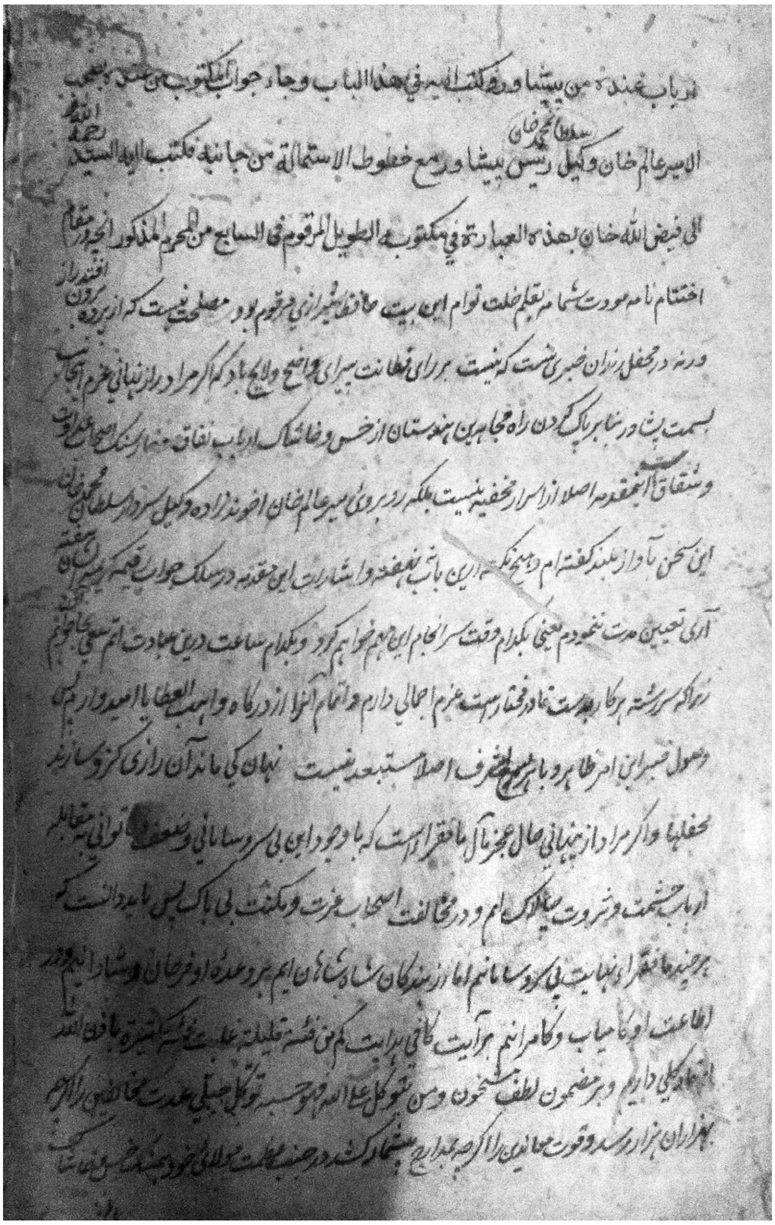

ارباب عنده من پیشاور فکتب الیه فی هذا الباب وجاء جواب المکتوب من عنده بصحبة

رحمه الله

سلطان محمد خان

الامیر عالم خان وکیل رئیس پیشاور مع خطوط الاستمالة من جانبه فکتب الیه السید

الی فیض الله خان بهذه العبارة فی مکتوبه الطویل المرقوم فی السابع من المحرم المذکور در مقام

اختتام نامه مودت شمامه بتعلیم خلت توام این بیت حافظ شیرازی مرحوم بود مصلحت نیست که از پرده برون افتد راز

ورنه در محفل رندان خبری نیست که نیست برای فطانت پیرای واضح و لایح باد که اگر مراد از راز نهانی عزم آنجناب

بسمت پشاور بنا بر پاک کردن راه مجاهدین هندستان از خس و خاشاک ارباب نفاق [illegible] اوقات

و شقاق آنمقدمه اصلا از اسرار مخفیه نیست بلکه روبروی میر عالم خان اخوندزاده وکیل سردار سلطان محمد خان

این سخن بآواز بلند گفته ام و هیچ نکته درین باب نهفته و اشارات این مقدمه در سلک جواب رقیمه [illegible]

آری تعیین مدت ننموده‌ام یعنی بکدام وقت سرانجام این مهم خواهم کرد و بکدام ساعت درین عبادت اهم سعی خواهم

زیرا که سررشته هر کار بدست قادر مختار است عزم اجمالی دارم و اتمام آنرا از درگاه واهب العطایا امیدوارم که

وصول خبر این امر ظاهر و باهر بهر طرف اصلا مستبعد نیست نهان کی ماند آن رازی کزو سازند

محفلها و اگر مراد از نهانی حال عجز ما کل مافقرا است که با وجود این بی سر و سامانی و ضعف ناتوانی به مقابله

ارباب حشمت و ثروت بیباک ایم و در مخالفت اصحاب عزت و مکنت بی باک پس باید دانست که

هر چند ما فقرا بنهایت بی سر و سامانیم اما از بندگان شاهنشاهی ایم بر وعده او فرحان و بشارت یافته‌ایم در

اطاعت او کامیاب و کامرانیم بر آیت کانی هدایت کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله

اعتماد کلی داریم و بر مضمون لطف مشحون و من یتوکل علی الله فهو حسبه توکل جبلی عدد مخالفین را اگر هم

بهزاران هزار رسد و قوت معاندین را اگر چه بدرجه بیشمار کشد در جنب عظمت مولای خود [illegible]

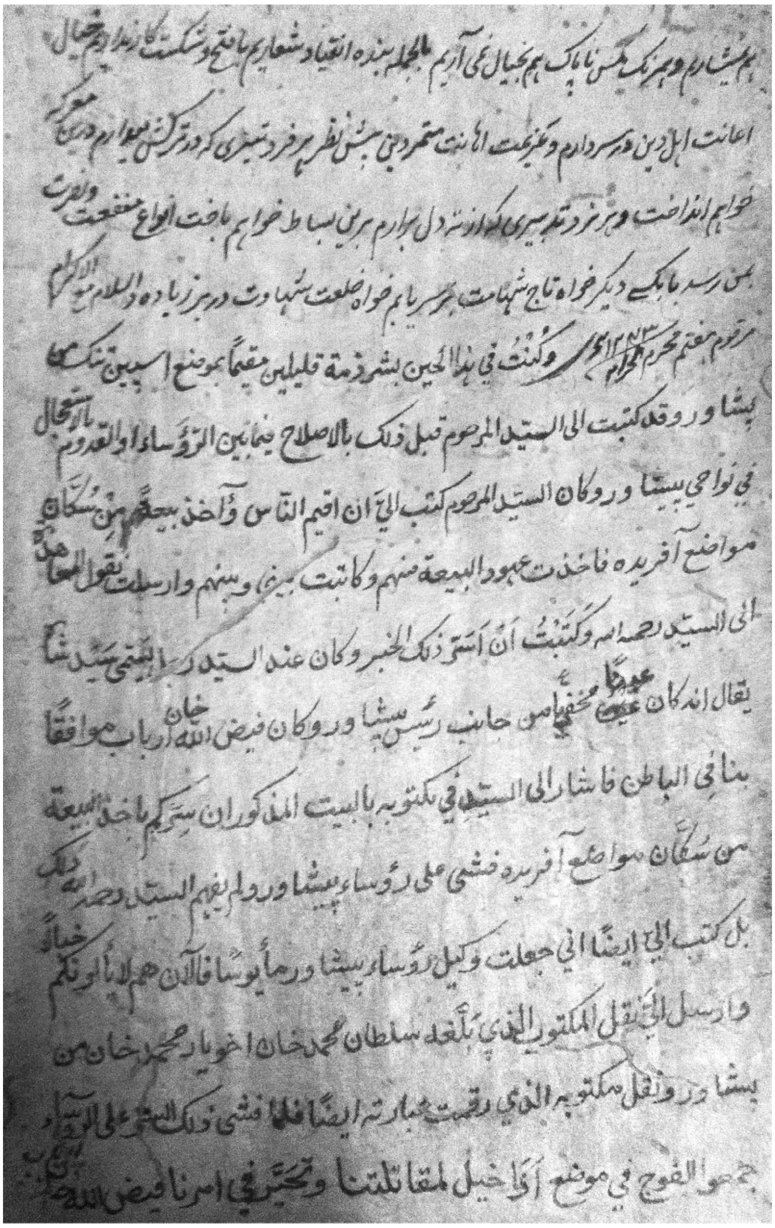

هم بیشادم و بهر رنگ کس ناپاک هم بخیال نمی آریم بالجمله بنده انقیاد شعاریم با فتح و شکست کاری نداریم خیال
اعانت اهل دین در سر دارم و عزیمت اهانت متمردین پیش نظر بهر فرد تدبیری که در ترکش میدارم در معرکه
خواهم انداخت و هر نرد تدبیری که از نرد دل برآرم برین بساط خواهم باخت انواع منفعت و نصرت
بس رسد با یکی دیگر خواه تاج شهامت بر سر یا هم خواه خلعت شهادت در بر زیاده والسلام مع الاکرام
مرقوم معظم محرم الحرام ۱۳۱۳ الهجری وکنت فی هذا الحین بشرذمة قلیلین مقیما بموضع اسپین تنگی
پشاور وقد کتبت الی السید المرحوم قبل ذلک بالاصلاح فیما بین الرؤساء او القدوم بالاستعجال
فی نواحی پشاور وکان السید المرحوم کتب الیّ ان اقیم الناس وآخذ بیعتهم من سکان
مواضع آفریده فاخذت عهود البیعة منهم وکانت بینی وبینهم وارسلت نقول المعاهدة
الی السید رحمه الله وکتبت ان اشتهر ذلک الخبر وکان عند السید رجل الیتیمی سید شاه
یقال انه کان عیونا مخفیا من جانب رئیس پشاور وکان فیض الله خان ارباب موافقا
بنا فی الباطن فاشار الی السید فی مکتوبه بالبیت المذکور ان سترکم باخذ البیعة
من سکان مواضع آفریده فشی علی رؤساء پشاور ولم یفهم السید رحمه الله ذلک
بل کتب الیّ ایضا انی جعلت وکیل رؤساء پشاور رهایوسا فالآن هم لا یألونکم خبالا
وارسل الیّ نقل المکتوب الذی بلغه سلطان محمد خان اخو یار محمد خان من
پشاور ونقل مکتوبه الذی رقمت عبارته ایضا فلما فشی ذلک السر علی الرؤساء
جمعوا الفوج فی موضع ازاخیل لمقاتلتنا وتحیر فی امرنا فیض الله خان ارباب

وتنغص الرؤسا تنغصا شديدا والسيد مع سوء التدبير مقيم بموضع مختار
لا يتحرك الى پشاور ولا يقدر على منع احد انا يكتب الينا ان ائتوني
بمحافظة تامة والاعداء قد سدوا سبيلنا من اربع جوانب
ففي ذلك الحال جاء فيض الله خان ارباب من جانب رئيس پشاور عندي
وقال يقول يار محمد خان ارجع الى ديارك ولا تقم في ملكنا والا قاتلناك
وعينني الخان المذكور على هذه المقاتلة فجئت اليك يا سيد باشاه ما افعل
قلت في جوابه ان شئتم ان تحشروا مبيضة الوجوه فلا تتعرضوا لسبل
المجاهدين وان اردتم ان تكونوا مسودة الوجوه يوم القيامة فافعلوا
ما تؤمرون ونحن باحدى الحسنيين في كل حال فوقع فيض الله خان رحمه الله من عند [illegible] الجلال
على رجلي وقال فدا باد جان من در عوض شما سادات هر چه خواهد شد بر سر ما خواهد شد
شما از راه دریای نوشهره پار شوید بر حاجیها وکشتی ها انتظار میکنند واقسم بالله
اني لمن الموافقين في الباطن اريد ان تقام الجهاد والا ما تركتك تلاقي السيد
احمد لكنني اظن ان السيد لا يعمل برأيك فتعود الى بلادك ولا تقام
الجهاد فبالجملة وصلنا الى السيد احمد رحمه الله بموضع پنجتار وقد
ارسل السيد مولانا اسمعيل الى پکهلی دهمتور وهذا ايضا كان خلاف
المشورة ناشيا من سوء التدبير على مراد سيد شاه المذكور فلما شاهدت

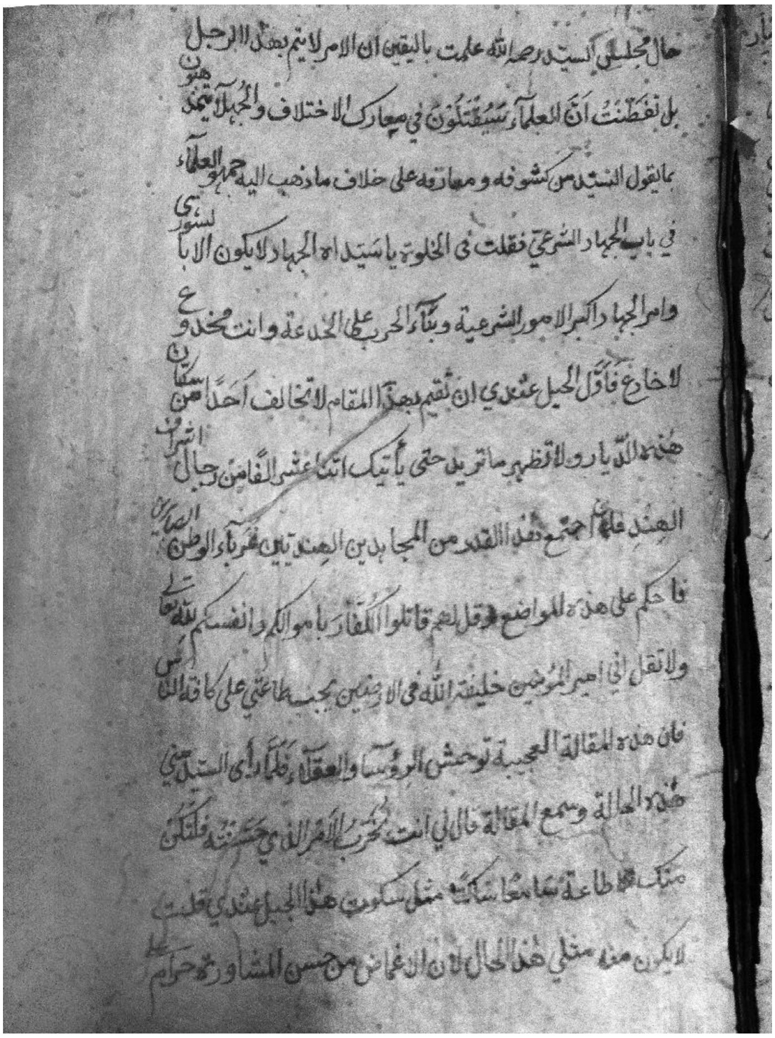

حال مجلسي للسيد رحمه الله علمت باليقين ان الامر لايتم بهذا الرجل
بل تفطنت ان العلماء يشتغلون في معارك الاختلاف والجهلاء يتمذهبون
بما يقول السيد من كشوفه ومعارفه على خلاف ما ذهب اليه جمهور العلماء
في باب الجهاد الشرعي فقلت في الخلوة يا سيداه الجهاد لا يكون الا بالشورى
وامر الجهاد اكبر الامور الشرعية وبناء الحرب على الخدعة وانت مخدوع
لا خادع فاول الحيل عندي ان تقيم بهذا المقام لا تخالف احدا من سكان
هذه الديار ولا تظهر ما تريد حتى يأتيك اثنا عشر الفا من رجال اشراف
الهند فلما اجتمع هذا القدر من المجاهدين الهنديين غرباء الوطن الصابرين
فاحكم على هذه المواضع وقل لهم قاتلوا الكفار باموالكم وانفسكم لله تعالى
ولا تقل اني امير المؤمنين خليفة الله في الارضين يجب طاعتي على كافة الناس
فان هذه المقالة العجيبة توحش الرؤسا والعقلاء فلما راى السيد مني
هذه الحالة وسمع المقالة قال اني انت تجرب الامر الذي حسبته فلتكن
منك الا طاعة سامعا ساكتا مثل سكوت هذا الجبل عندي قلت
لا يكون منه مثلي هذا الحال لان الاغماض من حسن المشاورة حرام علي

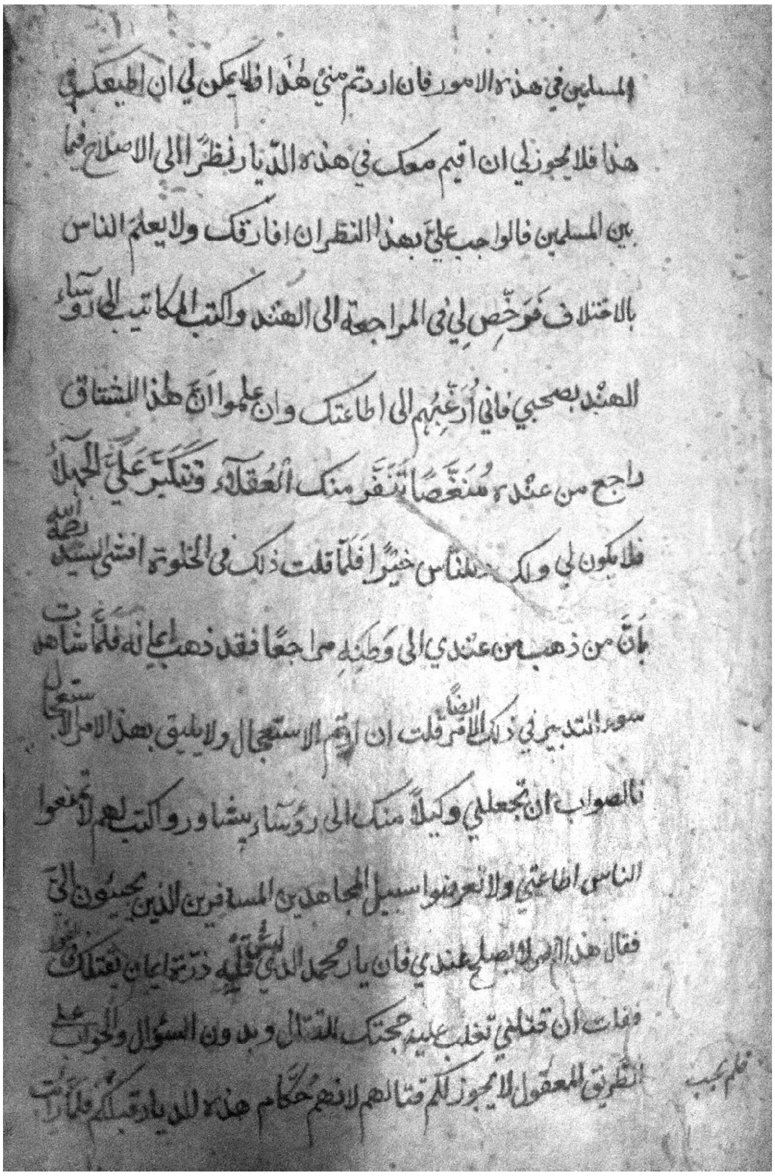

المسلمين في هذه الامور فان اردتم مني هذا فلا يمكن لي ان اطيعك في
هذا فلا يجوز لي ان اقيم معك في هذه الديار نظرا الى الاصلاح فيما
بين المسلمين فالواجب علي بهذا النظر ان افارقك ولا يعلم الناس
بالاختلاف فرخص لي في المراجعة الى الهند واكتب المكاتيب الى رؤساء
الهند بصحبي فاني ارغبهم الى اطاعتك وان علموا ان هذا الشقاق
راجع من عنده متغضبا تتنفر منك العقلاء وتتكبر على الجهال
فلا يكون لي ولكم للناس خيرا فلما قلت ذلك في الخلوة افشى السيد رحمه الله
بان من ذهب من عندي الى وطنه مراجعا فقد ذهب على انه فلما شاهدت
سوء التدبير في ذلك الامر ايضا قلت ان ارتم الاستعجال ولا يليق بهذا الامر الاستعجال
فالصواب ان تجعلني وكيلا منك الى رؤساء پشاور واكتب لهم لا تمنعوا
الناس اطاعتي ولا تعرضوا سبيل المجاهدين المسافرين الذين يجيئون الى
فقال هذا الامر لا يصلح عندي فان يا محمد الذي ليس في قلبه ذرة ايمان فقتلك يجوز
وفات ان تقتلني تغلب عليه حجتك القتال وبدون السؤال والجواب على
الطريق المعقول لا يجوز لكم قتالهم لانهم حكام هذه الديار قبلكم فلما رايت

نظم عجب

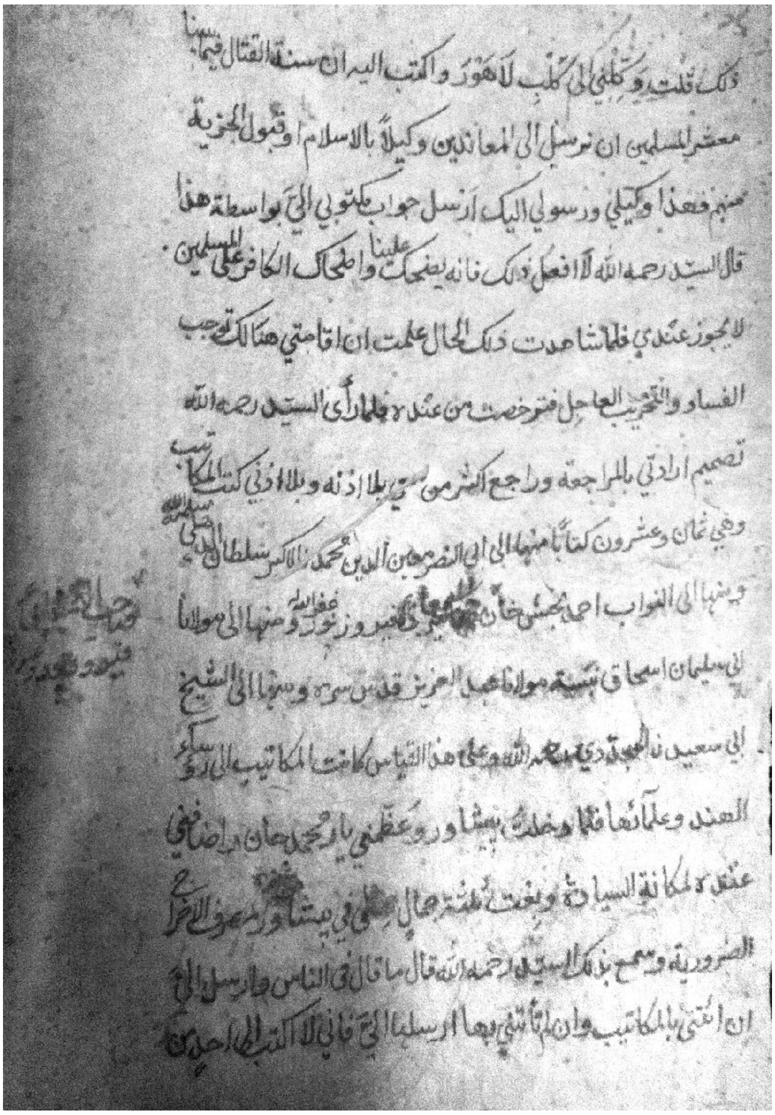

ذلك قلت وكلني الى كلب لاهور واكتب اليه ان سنة القتال فيما بيننا
معشر المسلمين ان نرسل الى المعاندين وكيلا بالاسلام او قبول الجزية
منهم فهذا وكيلي ورسولي اليك ارسل جواب مكتوبي الي بواسطة هذا
قال السيد رحمه الله لا افعل ذلك فانه يضحك علينا واضحاك الكافر على المسلمين
لا يجوز عندي فلما شاهدت ذلك الحال علمت ان اقامتي هنالك توجب
الفساد والتخريب العاجل فترخصت من عنده فلما رأى السيد رحمه الله
تصميم ارادتي بالمراجعة وراجع [illegible] بلا اذنه وبلا اذني كتب المكاتيب
وهي ثمان وعشرون كتابا منها الى ابي النصر معين الدين محمد اكبر سلطان الدهلي
ومنها الى النواب احمد بخش خان [illegible] فيروزپور عفا الله ومنها الى مولانا
ابي سليمان اسحاق نبيرة مولانا عبد العزيز قدس سره ومنها الى الشيخ
ابي سعيد المجددي رحمه الله وعلى هذا القياس كانت المكاتيب الى اكابر
الهند وعلمائها فلما دخلت بيشاور وعظمني يار محمد خان واضافني
عنده لمكانة السيادة وبعث [illegible] جمال [illegible] في بيشاور بمصروف الاخراج
الضرورية وسمع بذلك السيد رحمه الله قال ما قال في الناس وارسل الي
ان اعتني بالمكاتيب وان لم تأتني بها ارسلها الي فاني لا اكتب الى احد من

[illegible]

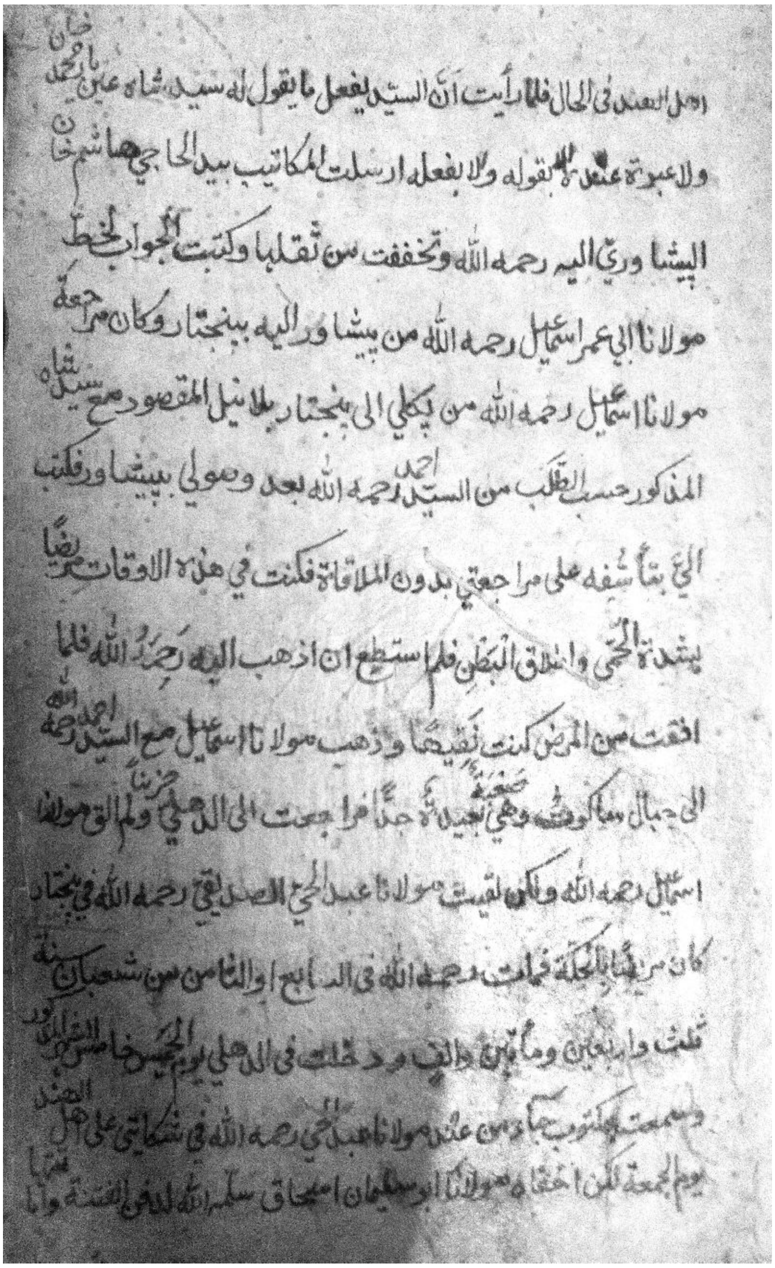

اهل الهند في الحال فلما رأيت ان السيد يفعل ما يقول له سيد شاه علي احمد خان

ولا عبرة عنده لا بقوله ولا بفعله ارسلت المكاتيب بيد الحاجي هاشم خان

الى پيشاور اليه رحمه الله وتخففت من ثقلها وكتبت الجواب بخط

مولانا ابي عمر اسماعيل رحمه الله من پيشاور اليه بپنجتار وكان مراجعة

مولانا اسماعيل رحمه الله من پكلي الى پنجتار بلا نيل المقصود مع سيد شاه

المذكور حسب الطلب من السيد احمد رحمه الله بعد وصولي بپيشاور فكتب

الي بتأسفه على مراجعتي بدون الملاقاة فكنت في هذه الاوقات مريضا

بشدة الحمى واطلاق البطن فلم استطع ان اذهب اليه رحمه الله فلما

افقت من المرض كنت نقيها ضعيفة وذهب مولانا اسماعيل مع السيد احمد رحمه الله

الى جبال سماكوه وهي بعيدة جدا فراجعت الى الدهلي حزينا ولم الق مولانا

اسماعيل رحمه الله ولكن لقيت مولانا عبد الحي الصديقي رحمه الله في پنجتار

كان مريضا بالعلة فمات رحمه الله في الرابع او الثامن من شعبان سنة

ثلث واربعين ومأتين والف ودخلت في الدهلي يوم الخميس خامس عشر شوال المذكور

وسمعت بمكتوب جاء من عند مولانا عبد الحي رحمه الله في شكايتي على اهل الهند

يوم الجمعة لكن اخفاه مولانا ابو سليمان اسحاق سلمه الله لدفع الفتنة بينهما واما

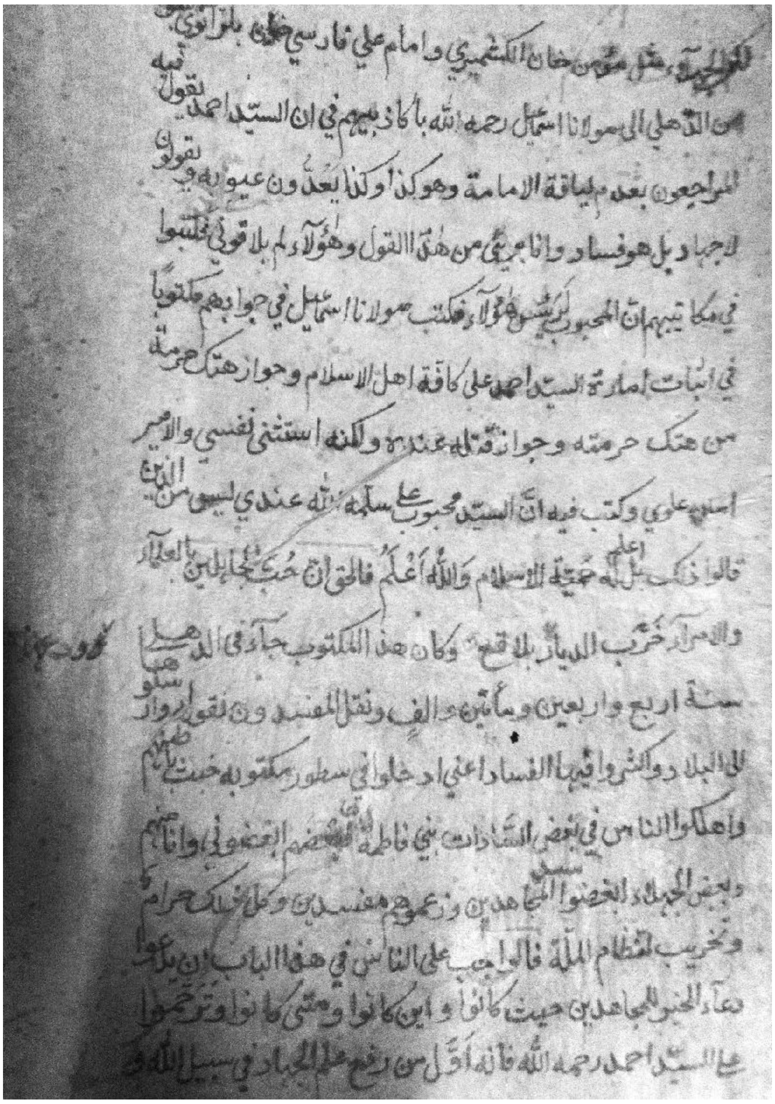

للمولوي حيدر، مثل مؤمن خان الكشميري و امام علي فارسي خان بلوانوي

من الدهلي الى مولانا اسمعيل رحمه الله باكاذيبهم في ان السيد احمد يقول فيه

المراجعون بعدم لياقة الامامة وهو كذا وكذا يعدون عيوبه و يقولون

لا جهاد بل هو فساد وانا بريء من هذا القول وهؤلاء لم يلاقوني ولبسوا

في مكاتيبهم ان المحبوب لم يتبع هؤلاء فكتب مولانا اسمعيل في جوابهم مكتوبا

في اثبات امارة السيد احمد على كافة اهل الاسلام وجواز هتك حرمة

من هتك حرمته وجواز قتله عنده ولكنه استثنى نفسي والامير

اسمه علي وكتب فيه ان السيد محبوب علي سلمه الله عندي ليس من الذين

قالوا ذلك بل له حمية للاسلام والله اعلم فالحق ان حزب الجاهلين بالعلماء

والامراء خرب الديار بلا قتل وكان هذا المكتوب جاء في الدهلي

سنة اربع واربعين ومائتين والف ونقل المفسدون نقولها وارسلوا

الى البلاد والشروا فيها الفساد اعني ادخلوا في سطور مكتوبه خبث باطنهم

واهلكوا الناس في بغض السادات بني فاطمة رضي الله عنهم بغضوني وانا منهم

وبعض الجهلاء ابغضوا المجاهدين وزعموهم مفسدين وكل ذلك حرام

وتخريب لنظام الملة فالواجب على الناس في هذا الباب ان يدعوا

دعاء الخير للمجاهدين حيث كانوا واين كانوا ومتى كانوا وترحموا

على السيد احمد رحمه الله فانه اول من رفع علم الجهاد في سبيل الله و

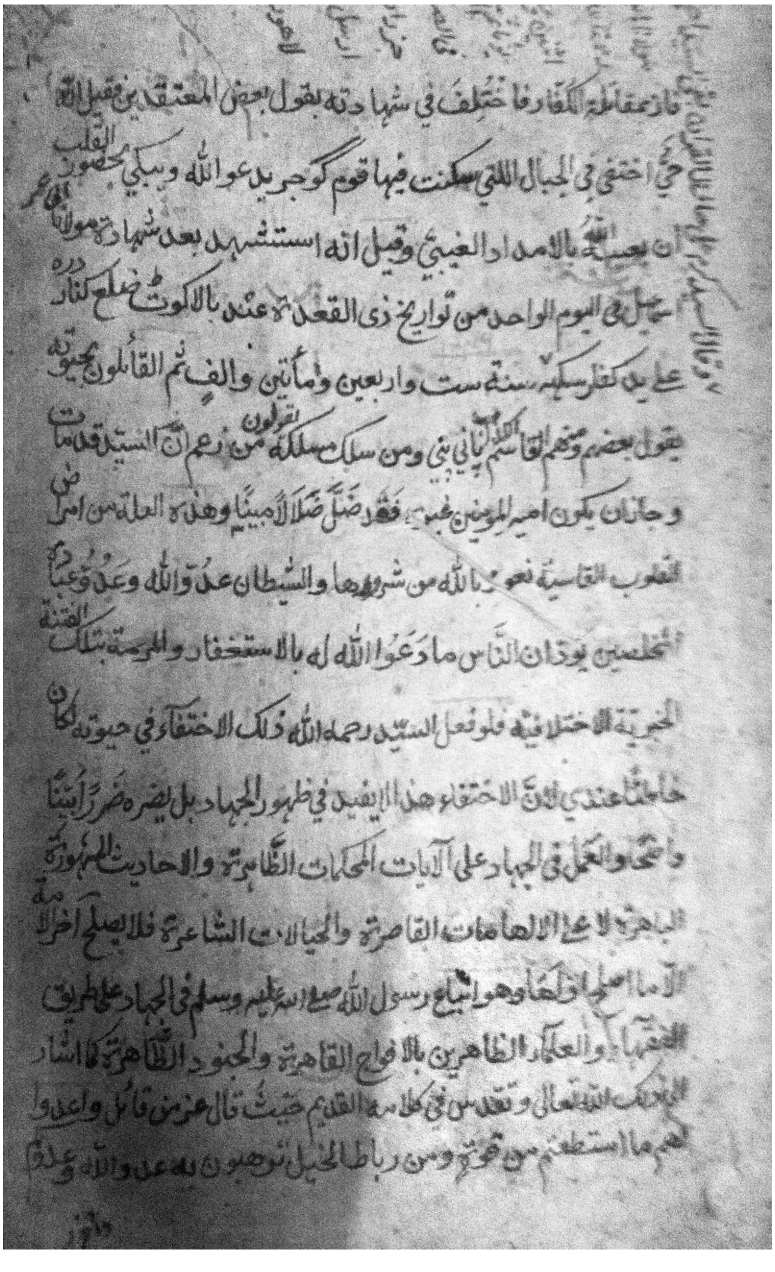

فاز بمقاتلة الكفار فاختلف في شهادته يقول بعض المعتقدين بل قتل الله
حتى اختفى في الجبال التي سكنت فيها قوم گوجر يدعو الله ويبكي بحصول القلب
أن يعيشه بالأمن أو الغيبة وقيل إنه استشهد بعد شهادة مولانا
شهيد في اليوم الواحد من تواريخ ذي القعدة عنده بالاكوت ضلع كنار دره
على يد كفار سكهه سنة ست وأربعين ومائتين وألف ثم القائلون بحيوته
يقول بعضهم ومنهم القاسم الكلاني پاني پتي ومن سلك مسلكه من زعم أن السيد قد مات
وجاز أن يكون امير المؤمنين بجنون فقد ضل ضلالا مبينا وهذه العلة من امراض
القلوب القاسية نعوذ بالله من شرورها والشيطان عدو الله وعدو عباده
المخلصين يود أن الناس ما دعوا الله له بالاستغفار والرحمة بتلك الفتنة
الخرافية الاختلافية فلو فعل السيد رحمه الله ذلك الاختفاء في حيوته لكان
حاصلنا عندي أن الاختفاء هذا لا يفيد في ظهور الجهاد بل يضره ضررا بينا
واضحا والعمل في الجهاد على الآيات المحكمات الظاهرة والأحاديث المشهورة
الباهرة لا على الإلهامات القاصرة والخيالات الشاعرة فلا يصلح آخر الأمة
الا ما أصلح أولها وهو اتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الجهاد على طريق
الفقهاء والعلماء الظاهرين بالأفواج القاهرة والجنود الظاهرة كما أشار
إليه ملك الله تعالى وتقدس في كلامه القديم حيث قال عز من قائل وأعدوا
لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم

وآخرين

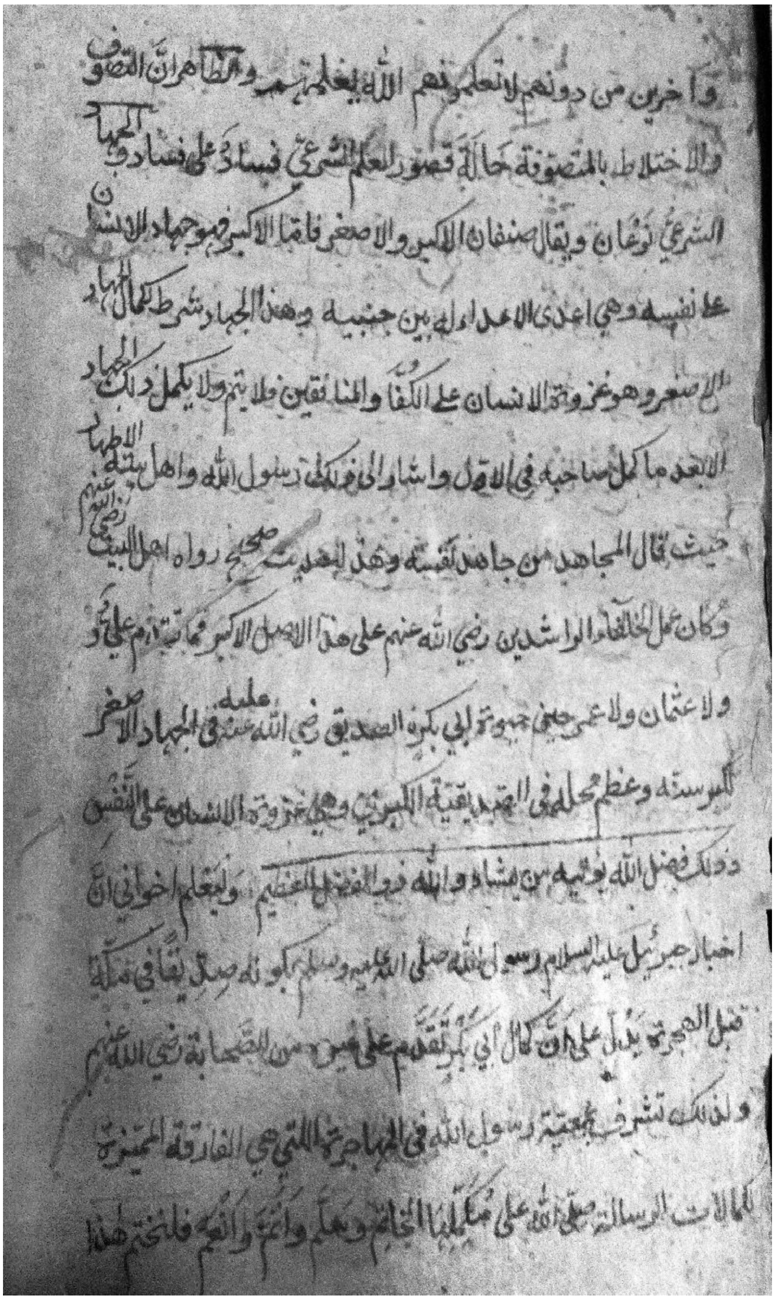

وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم وظاهر ان التصوف
والاختلاط بالمتصوفة حالة قصور العلم الشرعي فيساعد على فساد والجهاد
الشرعي نوعان ويقال صنفان الاكبر والاصغر فاما الاكبر فهو جهاد الانسان
على نفسه وهي اعدى الاعداء اليه بين جنبيه وهذا الجهاد شرط لكمال الجهاد
الاصغر وهو غزوة الانسان على الكفار والمنافقين فلا يتم ولا يكمل ذلك الجهاد
الا بعد ما كمل صاحبه في الاول واشار الى ذلك رسول الله واهل بيته الاطهار رضي الله عنهم
حيث قال المجاهد من جاهد نفسه وهذا الحديث صحيح رواه اهل البيت
وكان عمل الخلفاء الراشدين رضي الله عنهم على هذا الاصل الاكبر فما تقدم علي و
ولا عثمان ولا عمر حين خلافة ابي بكر الصديق رضي الله عنه عليه في الجهاد الاصغر
لكبر سنه وعظم محله في الصديقية الكبرى وهي غزوة الانسان على النفس
ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم ولنعلم اخواني ان
اخبار جبريل عليه السلام رسول الله صلى الله عليه وسلم بكونه صديقا في مكة
قبل الهجرة يدل على ان كمال ابي بكر تقدم على غيره من الصحابة رضي الله عنهم
ولذلك تشرف بمعية رسول الله في المهاجرة التي هي الفارقة المميزة
لكمالات الرسالة صلى الله على مكملها الخاتم وسلم واتم وانعم فلنختم هذا

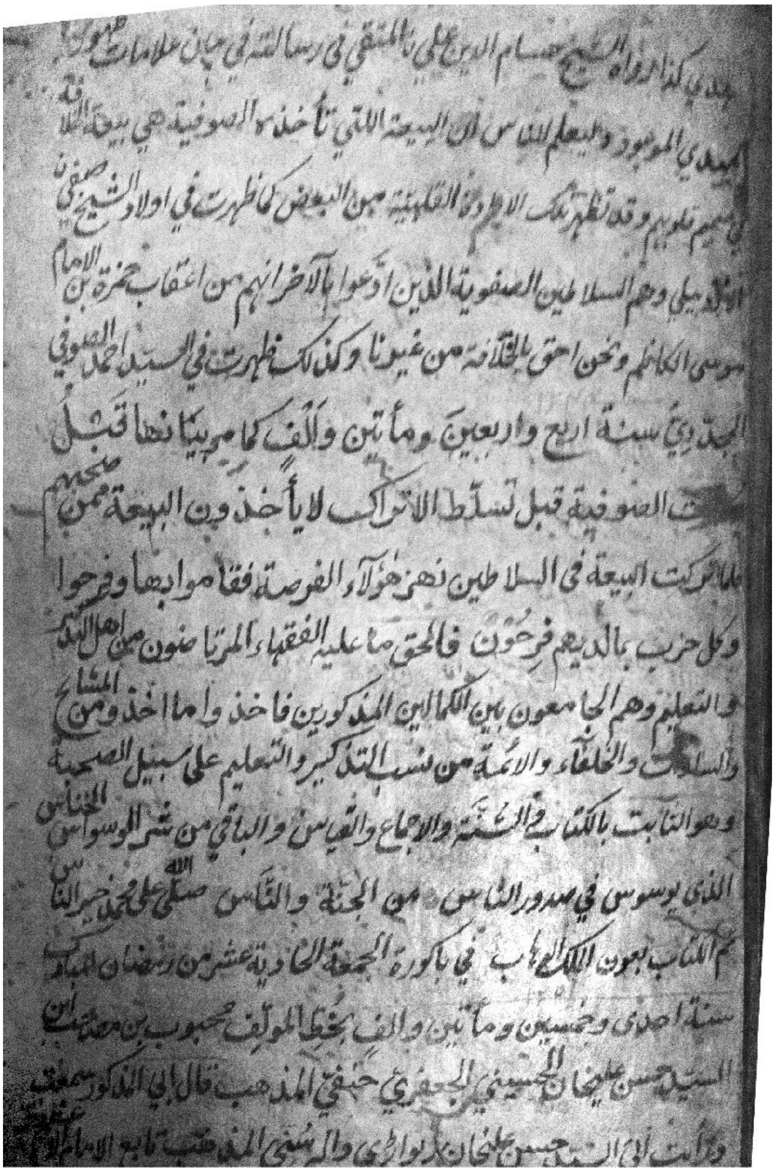

المهدي كذا رواه الشيخ حسام الدين علي بن المتقي في رسالته في بيان علامات ظهور
المهدي الموعود وليعلم الناس ان البيعة التي تأخذه الصوفية هي بيعة الخلافة
في بيعتهم قلوبهم وقد تظهر تلك الارادة القلبية من البعض كما ظهرت في اولاد الشيخ صفي
الاردبيلي وهم السلاطين الصفوية الذين ادعوا بالآخر انهم من اعقاب حمزة بن الامام
موسى الكاظم ونحن احق بالخلافة من غيرنا وكذلك ظهرت في السيد احمد الصوفي
المهدي في سنة اربع واربعين ومائتين والف كما مر بيانها قبل
ت الصوفية قبل تسلط الاتراك لا يأخذون البيعة ممن صحبهم
فلما تركت البيعة في السلاطين نهز هؤلاء الفرصة فقاموا بها وفرحوا
وكل حزب بما لديهم فرحون فالحق ما عليه الفقهاء المرتاضون من اهل التذكير
والتعليم وهم الجامعون بين الكمالين المذكورين فاخذوا ما اخذوا من المشايخ
والسلف والخلفاء والائمة من نسب التذكير والتعليم على سبيل الصحبة
وهو الثابت بالكتاب والسنة والاجماع والقياس والباقي من شر الوسواس الخناس
الذي يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس صلى الله على محمد خير الناس
تم الكتاب بعون الملك الوهاب في باكورة الجمعة الحادية عشر من رمضان المبارك
سنة احدى وخمسين ومائتين والف بخط المؤلف محبوب بن محمد بن
السيد حسن عليخان الحسيني الجعفري حنفي المذهب قال ابي المذكور سمعت
ورأيت ابي السيد حسن عليخان [illegible] والد سني المذهب تابع الامام الا